تذکارِ صحابیات

طالب الہاشمی

مرکزی مکتبہ اسلامی - دہلی

مطبوعات اشاعت اسلام ٹرسٹ ــــ ٦١٠

تذکارِ صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم

طالب الہاشمی

مرکزی مکتبہ اسلامی - دہلی

بارِ اوّل جنوری سنہ ۱۹۸۳ء ۲۰۰۰

قیمت 35/=

مطبوعہ : جے۔ کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی ۶

فہرستِ مضامین

انتساب

جناب الحاج احسان الحق فاروقی صاحب مدظلہ

کے نام

جن کی مشفقانہ سرپرستی اور پرخلوص تعاون کی بدولت یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ جناب موصوف حکیم الامّت حضرت علامہ اقبالؒ کے ان اشعار کی سچّی تصویر ہیں:

اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

اس کتاب کے پڑھنے والوں سے استدعا ہے کہ وہ الحاج احسان الحق فاروقی صاحب کے لیے دعا کریں کہ ربّ العزت انھیں دنیا اور آخرت میں بھلائی اور سربلندی عطا فرمائے۔

ناچیز
طالب ہاشمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

جناب حبیب احمد صدیقی صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ)

دسمبر ۱۹۷۸ء میں طالب ہاشمی صاحب کی موقر تصنیف "تیس ۳۰ پروانے شمع رسالتؐ کے" شائع ہوئی جسے اہلِ علم نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور وہ اپنی نوعیت کی نہایت مقبول تصنیف ٹھہری۔ اب ہاشمی صاحب "تذکار صحابیات" شائع کر رہے جس میں دو صد سے زائد صحابیاتؓ کے حالات درج ہیں۔ اردو کی کسی ایک کتاب میں صحابیاتؓ کی اتنی کثیر تعداد کے حالات آج تک بیان نہیں کیے گئے۔ اس وقت میرے سامنے دو کتابیں ہیں، ایک مولانا سعید احمد انصاری سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ کی "سیر الصحابیات" اور دوسری صاحبِ مشکوٰۃ شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب کی تالیف کا اردو ترجمہ "اسماء الرجال"۔ اوّل الذکر میں پینتالیس ۴۵ صحابیات کے سوانحِ حیات قلم بند کیے گئے ہیں اور موخر الذکر میں اڑسٹھ ۶۸ کے۔ دونوں میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ ہاشمی صاحب کی تصنیف میں بیشتر تذکرے مفصل ہیں۔ ہاشمی صاحب کی فراہم کردہ تفصیلات متعلقہ شخصیتوں کی جیتی جاگتی تصویر پیش کر دیتی ہیں۔ ان تفصیلات کے بغیر کسی کے صحیح کردار سے آگاہ ہونا دشوار ہو جاتا ہے۔ اس بات کو واضح کرنے کے لیے میں صرف ایک صحابیہ حضرت اُمّ عمارہؓ کے تذکرے پر اکتفا کروں گا۔

اسماء الرجال میں ان کے حالات چند سطروں میں بیان کیے گئے ہیں جو نقل کرتا ہوں:

"نسیبہ نام، کعب کی صاحبزادی انصار میں سے ہیں۔ بیعت عقبہ میں حاضر اور شریک ہوئیں۔ غزوۂ اُحُد میں اپنے شوہر زید بن عاصم کے ہمراہ شریک ہوئیں۔ پھر بیعت الرضوان میں شامل ہوئیں۔ پھر جنگِ یمامہ میں حاضر ہوئیں اور دست بدست جنگ کی۔ اس لڑائی میں ایک ہاتھ ضائع ہوگیا اور تلوار اور نیزے کے بارہ زخم لگے۔ ایک جماعت نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے۔ عمارہ میں عین پر ضمہ اور میم غیر مشدّد ہے۔ نسیبہ میں نون پر زبر اور سین مکسور ہے۔"

تذکارِ صحابیات میں ان کے حالات گیارہ صفحات میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے کچھ اقتباسات نقل کرتا ہوں۔

حضرت اُمِ عمارہؓ کا نام، ان کی کنیت اور پورا نسب نامہ مازن بن نجّار تک درج کرنے کے بعد ہاشمی صاحب لکھتے ہیں۔

"رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی سلمٰی (حضرت عبدالمطلب کی والدہ اور ہاشم بن عبدِمناف کی اہلیہ) بھی خاندانِ نجّار سے تھیں..... سرورِ عالمؐ سے بالواسطہ قرابت داری کی بدولت اس (خاندان) کو مدینہ کا معزز ترین خاندان سمجھا جانے لگا۔"

"ہجرت کے بعد حضورؐ قبا سے مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو آپؐ کی میزبانی کا شرف حضرت ابوایوب انصاریؓ کو حاصل ہوا جو بنو نجّار کے رئیس تھے..... حضرت اُمِ عمارہؓ اسی عظیم خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ظاہر ہے ایسے خاندان سے تعلق رکھنا ہی بجائے خود ایک بہت بڑا شرف تھا، لیکن سچ پوچھیے تو حضرت اُمِ عمارہؓ کا حقیقی سرمایۂ افتخار کچھ اور تھا، وہ تھا دینِ حق کی خاطر ہر وقت سر بکف رہنے کا جذبہ اور ہادیٔ اکرمؐ سے والہانہ محبت اور عقیدت جس نے ان کو اپنی جان، مال

اور اولاد، غرض ہر شے سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اسی عقیدت اور جذبۂ اخلاص نے ان کو اتنا بلند مرتبہ عطا کیا کہ بڑے بڑے صحابہؓ ان پر فخر کیا کرتے تھے۔"

"حضرت اُمِّ عمارہؓ کا پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا جو ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ زید سے ان کی دو اولادیں ہوئیں۔ عبداللہؓ اور حبیبؓ۔ ان دونوں بھائیوں نے شرفِ صحابیت حاصل کیا اور تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔ زید کی وفات کے بعد حضرت اُمِّ عمارہؓ عزیہؓ بن عمرو کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ ان سے دو بچے، تمیم اور خولہ، پیدا ہوئے۔ حضرت اُمِّ عمارہ کا شمار انصار کے سابقینِ اوّلین میں ہوتا ہے۔ وہ اس زمانے میں اپنے سارے خاندان سمیت مشرف بہ اسلام ہوئیں جب بیعت عقبۂ اولیٰ کے بعد حضرت مصعبؓ بن عمیر یثرب میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد ۱۳ نبوت میں انھیں ان پچھتر نفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جنھوں نے بیعت عقبۂ کبیرہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔"

"حضرت اُمِّ عمارہؓ بھی (معرکۂ اُحُد) میں شریک ہوئیں اور ایسی شجاعت، جانبازی اور عزم و ثبات کا مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں خاتونِ اُحد کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ طبقات ابنِ سعد کی روایت کے مطابق ان کے شوہر عزیہؓ بن عمرو اور دونوں بڑے فرزند عبداللہؓ اور حبیبؓ بھی غزوۂ احد میں ان کے ساتھ شریک تھے۔۔۔۔۔ جب مجاہدین انتشار کا شکار ہو گئے تو اس وقت رسولِ اکرمؐ کے پاس گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے۔ حضرت اُمِّ عمارہؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو انھوں نے مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھالی اور حضورؐ کے قریب پہنچ کر کفار کے سامنے سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار بار بار یورش کر کے حضورؐ کی طرف بڑھتے اور اُمِّ عمارہؓ

انہیں دومہ ہے ثابت قدم مجاہدین کے ساتھ مل کر تیر اور تلوار سے روکتیں ...... اتنے میں ایک مشرک نے ان کے سر پر پہنچ کر اپنی تلوار کا وار کیا۔ اُمِ عمارہؓ نے اُسے اپنی ڈھال پر روکا اور پھر اس کے گھوڑے کے پاؤں پر ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آرہے ...... (ان کے فرزند عبداللہؓ نے) تلوار کے ایک ہی وار سے اُس مشرک کو جہنم واصل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے اُدھر آیا اور حضرت عبداللہؓ کا بایاں بازو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ نے اپنے ہاتھ سے عبداللہؓ کا زخم باندھا اور پھر فرمایا بیٹے جاؤ اور جب تک دم میں دم ہے لڑو ...... اسی اثنا میں وہی مشرک جس نے عبداللہؓ کو زخمی کیا تھا پلٹ کر پھر حملہ آور ہوا۔ حضورؐ نے اُمِ عمارہؓ سے فرمایا سنبھلنا یہ وہی بدبخت ہے جس نے عبداللہ کو زخمی کیا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ جوشِ غضب میں اس کی طرف جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر نیچے گر پڑا۔"

"ابنِ قمیئہ کی تلوار (حضورؐ) کے خود پر پڑی اور اس کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں کھُب گئیں اور خون کی دھاریں پھوٹ نکلیں، یہ چشم زدن میں ہو گیا۔ اُمِ عمارہؓ بیتاب ہو گئیں اور آگے بڑھ کر ابنِ قمیئہ کو روکا۔ یہ شخص قریش کا نامی شہسوار تھا لیکن شیر دل اُمِ عمارہؓ مطلق ہراساں نہ ہوئیں اور اس پر نہایت جرأت کے ساتھ حملہ کیا۔ وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے اُمِ عمارہؓ کی تلوار اچٹ گئی اور ابنِ قمیئہ کو جوابی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس سے ان کے کندھے پر شدید زخم آیا لیکن ابنِ قمیئہ کو بھی وہاں ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ تیزی سے گھوڑا دوڑا کر بھاگ گیا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ کے زخم سے خون کا پرنالہ بہہ رہا تھا۔ حضورؐ نے ان کے زخم پر خود پٹی بندھوائی ...... اُمِ عمارہؓ

نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان میرے لیے دُعا فرمائیے کہ جنت میں بھی آپ کی معیت نصیب ہو۔ حضورؐ نے نہایت خشوع و خضوع سے ان کے لیے دُعا مانگی...... حضرت اُمّ عمارہؓ کو بڑی مسرت ہوئی اور ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ جاری ہو گئے ـــ اب مجھے دنیا میں کسی مصیبت کی پروا نہیں..... حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ اُحُد کے دن میں دائیں بائیں جدھر نظر ڈالتا تھا اُمّ عمارہ ہی اُمّ عمارہ لڑتی نظر آتی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ اُحُد میں حضرت اُمّ عمارہؓ کے جسم پر بارہ زخم لگے تھے۔ علامہ ابن سعد کا بیان ہے کہ غزوۂ اُحُد کے بعد انہوں نے بیعتِ رضوان، جنگِ خیبر اور غزوۂ حنین میں بھی شرکت کی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انھیں فتح مکہ کے موقع پر بھی سرورِ عالمؐ کی ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔"

مسیلمہ کذّاب نے لوگوں کو زبردستی اپنا معتقد بنانا شروع کر دیا...... اسی زمانے میں ایک دن حضرت اُمّ عمارہؓ کے فرزند حبیبؓ بن زید مدینہ سے آ رہے تھے کہ راستے میں اس ظالم کے ہاتھ پڑ گئے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ محمدؐ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ حضرت حبیبؓ نے بلا تامل جواب دیا، وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔ مسیلمہ نے بار بار اپنی نبوت منوانے پر اصرار کیا جب نہ مانے تو مسیلمہ فرطِ غضب سے دیوانہ ہو گیا اور اس نے ان کا ایک ایک بند کاٹنا شروع کیا۔ ظالم راہِ حق میں ان کا رقصِ بسمل دیکھ کر قہقہے لگاتا تھا۔ حضرت حبیبؓ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن راہِ تسلیم و رضا سے قدم نہ ہٹایا...... حضرت اُمّ عمارہؓ نے اپنے مجاہد فرزند کی مظلومانہ شہادت کی خبر سنی تو ان کی ثابت قدمی پر خدا کا شکر بجا لائیں لیکن عہد کر لیا کہ مسیلمہ سے اس ظلم کا بدلہ لے کر رہیں گی۔"

"حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور کیا تو حضرت اُمِ عمارہؓ بھی حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہوگئیں۔ مسیلمہ نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاری کی ...... مسلمانوں اور مرتدوں کی تعداد میں ایک اور چار کی نسبت تھی ...... مسلمانوں کے بڑے بڑے تجربہ کار افسر شہید ہوگئے ...... لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ اب مسیلمہ کی فوج پیچھے ہٹی اور اس کے باغ (حدیقۃ الرحمٰن) میں گھس کر اندر سے پھاٹک بند کرلیا۔ حضرت براءؓ بن مالک دیوار پھاند کر باغ کے اندر کود گئے اور لڑتے بھڑتے باغ کے دروازے پر پہنچ کر پھاٹک اندر سے کھول دیا۔ اب مرتدین اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت اُمِ عمارہؓ بھی شروع سے لے کر اب تک بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑ رہی تھیں۔ کئی بار مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن ہر بار بنو حنیفہ کی آہنی دیوار راستے میں حائل ہوگئی۔

...... اُمِ عمارہؓ نے اسے (مسیلمہ کو) تاک لیا اور زخم پر زخم کھاتی اور اپنی برچھی سے راستہ بناتی اس کی طرف بڑھیں۔ اس کوشش میں انھیں گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا۔ مسیلمہ کے قریب پہنچ کر اپنی برچھی سے اس پر حملہ کیا چاہتی تھیں کہ اتنے میں دو ہتھیار اس پر ایک ساتھ پڑے اور وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ اُمِ عمارہؓ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اپنے پہلو میں اپنے فرزند عبداللہؓ کو کھڑے پایا اور قریب ہی وحشیؓ (قاتل حمزہؓ) کھڑے تھے۔ وحشیؓ نے اپنا حربہ مسیلمہ پر پھینکا تھا اور عبداللہؓ نے اسی وقت اس پر تلوار کا وار کیا تھا۔ اُمِ عمارہؓ اپنے فرزند (حبیبؓ) کے قاتل اور مسلمانوں کے اس بدترین دشمن کی موت پر سجدۂ شکر بجا لائیں۔ امیرِ لشکر خالدؓ بن ولید حضرت اُمِ عمارہؓ کی فضیلت اور مرتبے سے آگاہ تھے۔ انھوں نے

بڑی تندہی سے ان کا علاج کرایا۔"

ہاشمی صاحب کے ایک مقالے کی اتنی طویل عبارت میں نے اس لیے نقل کی ہے کہ ان کی دی ہوئی تفصیلات سے پڑھنے والوں کی نظروں کے سامنے حضرت ام عمارہؓ اپنی صحیح شکل میں آ کھڑی ہوتی ہیں۔ ان تفصیلات سے ان کی شخصیت کا ہر پہلو روشن ہو جاتا ہے۔ ان کی عالی نسبی، ان کی شجاعت، ان کی بلند حوصلگی، ان کی پختگیٔ ایمان، ان کی رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت عقیدت و محبت، ان کے لیے ان کا جذبۂ جاں نثاری، راہِ حق میں بیٹے کے وحشیانہ قتل پر ان کا سجدۂ شکر ادا کرنا اور راضی برضا ہونا اور ان کی فضیلت و منزلت۔ یہ تمام باتیں اور خوبیاں ہاشمی صاحب نے بڑے دل نشین انداز اور شستہ زبان میں بیان کی ہیں۔ ان کا یہ طرزِ تحریر ان کے ہر مقالے میں دامنِ دل کھینچتا ہے۔ صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتِ مطہراتؓ سے جذبۂ عقیدت مندی ہر صاحبِ ایمان کے دل میں یہ خواہش پیدا کرتا ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ کے حالاتِ زندگی سے زیادہ سے زیادہ آگاہی حاصل کی جائے۔ اس جذبے کی تسکین جناب ہاشمی کے مقالات سے بدرجۂ اتم ہوتی ہے۔

فاران کے فروری ۱۹۷۶ء کے شمارے میں میں نے ان کا پہلا مقالہ پڑھا تھا چند اور شماروں میں ان کے مقالات پڑھنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ یہ مقالات متاعِ بیش بہا ہیں ان کو محفوظ کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ فروری ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء کے اواخر تک کے تراشوں سے میں ایک ضخیم اور گرانقدر کتاب بہم پہنچانے میں کامیاب ہو گیا۔ ہاشمی صاحب کے مقالے "ضیائے حرم"، "محدث"، "سلسبیل"، اردو ڈائجسٹ اور قومی ڈائجسٹ وغیرہ میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان کے کچھ تراشے بھی میری اس کتاب میں شامل ہیں۔ میں ان مقالات کو وقتاً فوقتاً پڑھتا رہتا ہوں تاکہ ان مقدس ہستیوں کے درخشندہ سوانح سے کسبِ نور کر کے اپنے ایمان کو جلا دیتا رہوں۔ ان مقالوں میں جابجا بہت سی معتبر و مستند تصانیف کے حوالے ملتے ہیں جو ہاشمی صاحب کے وسیع مطالعہ کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ایک وسیع المطالعہ صاحبِ قلم ہی وہ تمام تفصیلات فراہم کر سکتا تھا جو ان کے مقالات

میں ملتی ہیں۔

یہ تفصیلات ایک اور حیثیت سے بھی اہم ہیں۔ وہ عہد نبوی اور عہد خلفائے راشدین کی پوری تاریخ کو نظروں کے سامنے لا کھڑا کرتی ہیں۔ انھیں پڑھ کر ہم بہ آسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ مکی دور میں اہل ایمان نے کیا کیا صعوبتیں سہیں، کیسی کیسی جاں فرسا آزمائشوں کا مقابلہ کرکے شمع توحید کو روشن رکھا، ہجرت حبشہ کب وقوع پذیر ہوئی اور کن اسباب کی بنا پر عمل میں آئی اور ہجرت کرنے والے کون کون تھے۔ یثرب کے وہ کون سے صالح باشندے تھے جنھوں نے بیعت کی، اس بیعت سے اسلام کے لیے کیا نتائج مرتب ہوئے۔ یثرب میں اسلام کی تبلیغ و ترویج کا سہرا کن حضرات کے سر ہے، اس میں انھیں کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور حضورؐ کی ہجرت سے پہلے یثرب میں جو صحابہؓ پہنچ چکے تھے۔ انھوں نے اسلامی معاشرے کی تعمیر میں کیا کردار ادا کیا اور کس حد تک کامیاب رہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یثرب میں تشریف آوری کے بعد اسلامی ریاست کو مستحکم کرنے میں کن حضرات نے سب سے زیادہ تعاون کیا۔ یثرب کا نام مدینۃ النبی یا مدینہ میں تبدیل ہونے کے ساتھ اس شہر میں اور کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ اہل مدینہ نے کس خلوص سے مہاجرین کی دست گیری کی، انصار میں سے کون کون کن کن مہاجرین کے بھائی بنائے گئے۔ کس سریہ میں کس کس نے حصہ لیا اور کس نے قیادت کی۔ غزوات میں کن صحابہؓ نے داد شجاعت دی اور وہ کون کون تھے جنھوں نے جام شہادت نوش فرما کر بقائے دوام حاصل کی۔ سرفروشوں نے ملت کی کس حد تک حوصلہ افزائی کی۔ اسلامی اخوت سے معاشرے میں کس طرح توانائی اور خود اعتمادی آئی۔ ان اور ایسی اور باتوں کی تفصیل ہمیں جناب ہاشمی کے مقالات میں کثرت سے ملتی ہے۔ یہ حالات تاریخ ساز ہستیوں کے ہونے کی وجہ سے اپنے دامن میں پوری تاریخ لیے ہوئے ہیں۔

صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے جن حالات کے بیان میں سوانح نگاروں نے کہیں کہیں جزئیات میں اختلاف کیا ہے ان کی نشاندہی کرنے کے بعد ہاشمی صاحب نے بہت سے مقامات پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینے کی معقول

وجود بتائی ہیں ۔ یہ وہی صاحب قلم کر سکتا ہے جس نے حالات و واقعات کا گہرا مطالعہ کیا ہو اور ان امور میں محقق کی حیثیت رکھتا ہو ۔ ان اختلافات کی چند مثالیں پیش کرتا ہوں :-

(۱) ہاشمی صاحب نے ابن اثیر کی اس روایت کی تردید کی ہے کہ حضرت اُمّ ایمن رضؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی ۔ انھوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحؒ کا یہ قول پیش کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کی شہادت کا واقعہ ۲۴ھ میں پیش آیا تو حضرت اُمّ ایمن رضؓ کو بہت صدمہ ہوا ۔ مزید برآں علامہ ابن سعد کی روایت سے ان کا حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ کے عہد خلافت میں زندہ ہونا ثابت ہے ۔ ان کے عہد میں کھجوروں کے درختوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں ۔ اُسی زمانے میں حضرت اُمّ ایمن رضؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضؓ کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ ایک کھجور کے درخت کی پیڑی کھوکھلی کر رہے ہیں ۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ ایک قیمتی درخت کو اس طرح کیوں ضائع کر رہے ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ میری والدہ نے اس کے مغز کی فرمائش کی ہے ۔ اور چونکہ مجھے ان کی فرمائش کھجور کے قیمتی پیڑ سے زیادہ عزیز ہے اس لیے ایسا کر رہا ہوں ۔ ان وجوہ سے حضرت اُمّ ایمن رضؓ کی وفات کا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد میں واقع ہونا صحیح نہیں ۔

(۲) حضرت اُمّ ایمن رضؓ کے پہلے شوہر عبید بن زید کے سلسلہ میں ہاشمی صاحب نے لکھا ہے کہ مولانا سعید احمد انصاری صاحب نے " سیر الصحابیات " میں بیان کیا ہے کہ عبید بن زید یثرب کے خاندانِ حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے مگر ابن سعد اور ابن مندہ پر اعتماد کر کے ہاشمی صاحب عبید بن زید کا تعلق عوف بن خزرج کے خاندان سے تسلیم کرتے ہیں نہ کہ حارث بن خزرج سے ۔

(۳) حافظ ابن حجر رحؒ نے روایت کی ہے کہ حضرت اُمّ عمارہ رضؓ کے شوہر حضرت عربہ رضؓ بن عمر و بیعت عقبۂ کبیرہ میں شریک تھے مگر ہاشمی صاحب اسے اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ اور کتابوں میں اس بیعت کے شرکا کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں حضرت عربہ رضؓ کا نام نہیں ہے ۔

(۴) جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار کا ہر قبیلہ اور ہر فرد خواہش مند تھا کہ اُسے شرفِ میزبانی بخشا جائے۔ حضورؐ نے یہ شرف حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو بخشا۔ اس بارے میں دو روایات ہیں، ایک یہ کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میری اونٹنی کو چھوڑ دو، جس کے گھر کے آگے وہ بیٹھ جائے وہی میرا میزبان ہوگا۔ اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی تو انھیں شرفِ میزبانی حاصل ہوا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضورؐ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر اس لیے ٹھہرے کہ وہ بنو نجّار کے رئیس تھے اور بنو نجّار سے حضورؐ کی قرابت تھی۔ ہاشمی صاحب نے اس روایت کو اس لیے مسترد کر دیا کہ اگر قرابت کی وجہ سے بنو نجّار کے یہاں ٹھہرنا مقصود ہوتا تو بنو نجّار کے کئی رئیس اور بھی تھے، ان پر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو ترجیح دینے کی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔

(۵) رمضان سنہ ۱ھ میں حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس ۳۰ سواروں کی معیت میں ساحلی علاقہ کی طرف اس غرض سے بھیجا تھا کہ قریش کے اس قافلے کی مزاحمت کریں جو شام سے مکہ جا رہا تھا۔ اس قافلے میں تین سو آدمی تھے جن میں ابو جہل بھی شامل تھا۔ جب فریقین کا مقابلہ ہوا تو مجدی بن عمرو الجہنی نے بیچ بچاؤ کر دیا۔ علّامہ ابن سعد نے اس سریہ کو سریۂ سیف البحر کا نام دیا ہے۔ ہاشمی صاحب کے نزدیک یہ نام صحیح نہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ سریۂ سیف البحر حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کی قیادت میں سنہ ۸ھ میں پیش آیا تھا۔ انھوں نے ان روایات کو صحیح مانا ہے جن میں سنہ ۱ھ کی مہم کو سریۂ حمزہ کہا گیا ہے۔ انھوں نے ایک اور روایت کے حوالے سے بتایا ہے کہ دراصل حضرت حمزہؓ اور ان کے ساتھیوں کو قریش کے قافلے کی مزاحمت کرنے کی غرض سے نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ عمومی طور پر قریش کے قافلوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔ یہ روایت زیادہ قرینِ قیاس ہے۔

یہ چار پانچ مثالیں مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ چونکہ ہاشمی صاحب نے

صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے سوانح پر بہت کچھ پڑھا ہے اور ان کا علم تحقیق پر مبنی ہے اس لیے وہ اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں روایت کمزور یا ناقابل قبول ہے۔ ان کے مقالات میں زیادہ تفصیلات ملنے کا سبب بھی یہی ہے کہ ان کا علم چند کتابوں تک محدود نہیں۔ وہ اپنے وسیع دامن علم میں تمام مستند سوانح نگاروں کی تحقیق کو سمیٹے بیٹھے ہیں۔

ہاشمی صاحب کے مقالات کی دلآویزی میں ان کی زبان کو بھی بڑا دخل ہے اس کی شگفتگی اور سلاست دامن دل کھینچتی ہے اور ان کے مقالے پڑھنے میں لذت محسوس ہوتی ہے۔ وہ واقعات کی ترتیب کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ کسی قسم کی گنجلک یا پیچیدگی کا کہیں شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ ہر لفظ مناسب اور ہر محاورہ برمحل ہوتا ہے۔ یہ سب چیزیں مل کر عبارت میں روانی اور کشش پیدا کر دیتی ہے۔

ہاشمی صاحب کا مطالعہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ کے سوانح تک محدود نہیں۔ انھوں نے اسلامی تاریخ کا غائر مطالعہ کیا ہے۔ وہ نورالدین زنگی، ملک شاہ سلجوقی اور الملک الظاہر بیبرس ایسے نامور فرمانرواؤں پر کتابیں لکھ چکے ہیں اور آج کل موحدین کے مشہور فرمانروا سلطان یعقوب المنصور پر، جس نے ۱۱۸۴ء سے ۱۱۹۹ء تک حکومت کی۔ ان کی تصنیف زیر طباعت ہے۔

سید امیر علی نے اپنی موقر تصنیف مسلمانوں کی مختصر تاریخ (SHORT HISTORY OF THE SARACENS) میں جنگ یرموک کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے اور لکھا ہے کہ جس دن جنگ لڑی جا رہی تھی اسی دن (۳۰ اگست ۶۳۴ء کو) حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کی خبر سپہ سالار کو ملی۔ فاران کے مارچ ۱۹۷۸ء کے شمارے میں حضرت ابوسفیانؓ پر ہاشمی صاحب کے مقالے میں میں نے پڑھا کہ یہ لڑائی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ۶۳۶ء میں ہوئی تھی۔ میں نے سید امیر علی۔ ایچ۔ جی۔ ویلز اور ول ڈیوراں ایسے نامور مورخین کے حوالے سے ہاشمی صاحب کو لکھا کہ یرموک کی لڑائی ۶۳۴ء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایات کے مطابق لڑی گئی تھی نہ کہ ۶۳۶ء میں۔ ہاشمی صاحب نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں

جن مؤرخین کے حوالے دیئے ان کے نام یہ ہیں :۔

واقدی، ازدی، بلاذری، یعقوبی، دار المصنفین اعظم گڑھ کے اکابر، غلام قادر فصیح، محمود الحسن صدیقی، چراغ حسن حسرت، ڈاکٹر ریاض الاسلام، خواجہ عباد اللہ اختر، فلپ کے۔ ہتی اور غلام رسول مہر۔

ان مورخوں کے علاوہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (دائرۂ معارفِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی) کا حوالہ بھی دیا۔ ظاہر ہے کہ جس کی تاریخی معلومات اتنی وسیع ہوں وہ عالم یقیناً مؤرخ کہلانے کا مستحق ہے۔

ہاشمی صاحب کی جن تصانیف کا ذکر کیا جا چکا ہے ان کے علاوہ مندرجہ ذیل تصانیف بھی شائع ہو چکی ہیں :

سیرت حضرت عبداللہ بن زبیرؓ۔ سیرت حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ سیرت حضرت ابوایوب انصاریؓ۔ سیرت حضرت عبداللہؓ بن مسعود۔ صحابیاتؓ دعا نعاتؒ۔ ارشادات دانائے کونینؐ۔ معجزاتِ سرورِ کونینؐ۔ سوزِ جامیؒ۔ حکایات سعدیؒ۔ حکایات رومیؒ حکایات صوفیہ۔ شیخ الشیوخ عالم (تذکرہ بابا فرید گنج شکرؒ) تذکرۂ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ تذکرۂ خواجہ اجمیریؒ۔ اخلاقِ پیمبری۔ سفر نامۂ آخرت۔ یہ تیرے پر اسرار بندے

طالب ہاشمی صاحب مردِ مومن ہیں۔ مذہب سے انھیں فطری لگاؤ ہے۔ انھوں نے اپنی ادبی صلاحیتوں کو اسلام کی برگزیدہ اور درخشندہ ہستیوں یعنی صحابۂ کرامؓ اور صحابیات مطہراتؓ کی زندگی کے ہر پہلو کو اجاگر کرنے اور نامور مسلمان فرمانرواؤں کے تابناک مگر بھولے ہوئے کارناموں کو حیاتِ نو بخشنے کے لیے وقف کر دیا ہے۔ یہ سعادت ان معدودے چند اہلِ قلم کو نصیب ہوتی ہے جو خلوصِ دل سے اسلام کی خدمت کرنے کا بیڑہ اٹھاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انھیں دنیا اور آخرت دونوں میں جزائے خیر عطا فرمائے۔

"تذکارِ صحابیات" ایسی کتاب ہے کہ مسلمانوں کے ہر گھر میں ہونی چاہیے۔

جلیب احمد صدیقی

اسلام آباد۔ ۳۰ مارچ ۱۹۸۰ء

عرضِ مؤلّف

جب کوئی قوم اپنے ماضی کی تابناک روایات کو فراموش کر دیتی ہے اور دوسری اقوام کی اندھا دھند تقلید کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیتی ہے اس وقت اس قوم کا انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ آج ملتِ اسلامیہ ایک دوراہے پر کھڑی ہے ایک طرف مغربی تہذیب اور اس کی ظاہری چمک دمک ہے۔ دوسری طرف اسلامی تہذیب اور اس کی پاکبازی اور شرم و حیا کی تعلیم ہے۔ دونوں میں ایک راستہ اسے اختیار کرنا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور بالخصوص پاکستان کے مسلمانوں کے لیے فلاح کی راہ کونسی ہے۔

۱۹۴۷ء میں برِ کوچک ہند کے مسلمان آگ اور خون کے ایک ہولناک طوفان سے گزرے۔ اس انقلاب میں ان پر جو بیتی سو بیتی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک رفیع الشان نعمت سے بھی نوازا یعنی افقِ عالم پر ایک ایسی مملکت کا ظہور ہوا جو محض دینِ حق کی سر بلندی کی خاطر قائم ہوئی۔ اس خطۂ پاک کے حصول کے لیے لاتعداد قربانیاں اسی لیے دی گئیں کہ یہاں مسلمان اپنی تہذیب و معاشرت اور روایات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ احیائے اسلام کے لیے پاکستان مسلمانوں کی آخری امید گاہ ہے۔ ہمارے اردگرد جو بجلیاں کوند رہی ہیں وہ اپنی پوری کڑک اور چمک کے ساتھ پاکستان کے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم دکھا رہی ہیں۔ اگر ہم نے

"صراطِ مستقیم" کو چھوڑ کر اپنے آپ کو مغربی تہذیب کی آغوش میں پھینک دیا تو سمجھ لیجئے کہ ہم انحطاط اور بربادی کے راستے پر گامزن ہو گئے۔

ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ مغربی تہذیب میں مطلقاً کوئی خوبی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقوامِ مغرب نے بنی نوعِ انسان کی بہبودی کے لیے آج تک جو کام کیا ہے وہ قابلِ صد تحسین ہے۔ ان میں تسخیرِ کائنات کا جو بے پناہ عزم پایا جاتا ہے وہ بھی بلاشبہ قابلِ ستائش ہے۔ لیکن مغربی تہذیب کے جس تباہ کن پہلو سے ہم اپنی قوم کو خبردار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ہے اہلِ مغرب کی صنفی بے راہ روی۔ آج مغرب میں مرد اور عورت کے آزادانہ اختلاط، بے حیائی اور بدکاری کی جو گرم بازاری اور آزادی ہے اس کے خوفناک نتایج کا اعتراف اہلِ مغرب نے خود کرنا شروع کر دیا ہے۔

مغرب میں عورت کی زندگی کا مقصدِ وحید یہی ہے کہ وہ مصنوعی تزئین و آرائش سے ایک لعبتِ حسین بن جائے۔ مغربی عورت صفاتِ نسوانی سے عاری ہے۔ اسے شمعِ محفل سمجھئے یا عیاش مردوں کے لیے ضیافتِ نظر۔ اس کے چہرہ پر رنگ و غازہ کی رونق ہے لیکن اس کا باطن بے حیائی اور مکر وحیلہ سے سیاہ ہے۔ اس انسانیت سوز آزادی کو اسلام نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ افسوس ہے کہ پاکستان میں بھی ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں مغرب کی نقالی کرنا چاہتا ہے۔ جہاں تک سائنسی ارتقاء کا تعلق ہے اس معاملے میں تو مغرب کی تقلید قابلِ فہم ہے لیکن اس طبقہ کی خواتین جس سرعت سے اپنے آپ کو مغربی تہذیب میں رنگ رہی ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک اسلامی مملکت کی خواتین اس راستہ پر چل کر کس طرح اسلام کے تقاضوں کو پورا کر سکیں گی۔ ابھی وقت ہے کہ یہ مغرب زدہ خواتین اپنے ماضی کی تاریخ کے اوراق الٹیں اور اپنی رنگ و نغمہ سے بھرپور مصنوعی زندگی کو (جو اپنے جلو میں ہلاکت آفرینی اور بربادی کے سامان لیے ہوئے ہے) ترک کر کے ان مقدس خواتین کے اتباع کو دلیلِ راہ بنائیں جنہیں قرآن حکیم نے "مومنات" اور "صالحات" کہہ کر پکارا ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال کے نزدیک ایک جاہل سادہ اور بدشکل دہقانی لڑکی

جو غیرت مند، حق پرست اور طاقتور بچے پیدا کرتی ہے اس خوبصورت عورت سے بہتر ہے جو تعلیم یافتہ تو ہے مگر اس کی نسوانیت اور شرم و حیا مر چکی ہے وہ بظاہر "زن" ہے لیکن بباطن "نازن" وہ اپنے حقیقی فرائض کی انجام دہی سے گریز کرتی ہے اور مرد کی نقالی کو اس نے اپنا شعار بنالیا ہے۔ علامہ اقبالؒ ایسی عورت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ " اے کاش یہ بصورت بہتر و بقیمت کہتر پھول ہمارے باغ میں پیدا ہی نہ ہو۔ اس کا داغ دامانِ ملت سے دھل ہی جائے تو بہتر ہے۔" علامہؒ کے یہ خیالات ان کے اپنے الفاظ میں سُنیے:

آں دُخ رستاق زادے جاہلے
ناتراشے پرورش نادادۂ
ملت ار گیرد ز آغوشش بدست
ہستیٔ ما محکم از آلام اوست
واں تہی آغوش نازک پیکرے
فکرِ او از تابِ مغرب روشن است
بندہائے ملتِ بیضا گسیخت
شوخ چشم و فتنہ زا آزادیش
علمِ او بارِ امومت برنتافت

پست بالائے سطبرے بدگلے
کم نگاہے کم زبانے سادۂ
یک مسلمانِ غیور و حق پرست
صبح ما عالم فروز از شام اوست
خانہ پرورد نگاہش محشرے
ظاہرش زن باطنِ او نازن است
تازِ چشمش عشوہ ہا حل کردہ ریخت
از حیا ناآشنا آزادیش
بر سرِ شامش یکے اختر نتافت

ایں گل از بستانِ ما نارُستہ بہ
داغش از دامانِ ملت شُستہ بہ

زیرِ نظر کتاب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صد سے زائد صحابیات کے تذکارِ جمیل پر مشتمل ہے۔ اس کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ پاکستانی خواتین کو ان پاکباز ہستیوں کے حالات سے آگاہ کیا جائے جن کے اسوۂ حیات پر عمل کرنا ہی ان کی نجات و فلاح کا باعث ہو سکتا ہے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب نہیں ہے اس سے پہلے متعدد بلند پایہ کتب موجود ہیں تاہم تحدیثِ نعمت کے طور پر یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اردو زبان میں آج تک اتنی زیادہ

تعداد میں رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات کے حالات کسی کتاب میں یکجا شائع نہیں ہوئے۔ ان میں امہات المؤمنین اور بناتِ طاہرات کے علاوہ وہ تمام صحابیات شامل ہیں جن کے حالات مفصل یا مختصر کسی نہ کسی مستند ذریعہ سے معلوم ہوئے ہیں۔ میں نے یہ حالات قلمبند کرتے وقت اس بات کا خاص لحاظ رکھا ہے کہ اسلوب نگارش سادہ اور عام فہم ہو تاکہ اعلیٰ اور کم تعلیم یافتہ ہر خاتون ان سے مستفید ہو سکے۔ اگر کسی ایک خاتون کی زندگی بھی یہ کتاب پڑھ کر سدھر جائے اور وہ اسوۂ صحابیات کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنالے تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی۔

میں فضیلت مآب جناب حبیب احمد صدیقی صاحب[ل] کا صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کا مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ صاحب موصوف علم و فضل، ژرف نگاہی، شرافتِ نفس، وضعداری اور صفائے باطن کے اعتبار سے ایک یگانۂ روزگار شخصیت ہیں۔ وہ نہ صرف ایک بلند پایہ ادیب، محقق اور نقاد ہیں بلکہ ایک نغز گو شاعر بھی ہیں جن کا بیشتر کلام سہلِ ممتنع کی حیثیت رکھتا ہے۔

[ل] الحاج حبیب احمد صدیقی صاحب ایم اے ایل ایل بی (علیگ) کا اسمِ گرامی پاکستان اور بھارت کے علمی اور ادبی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ اپنے علم و فضل اور گوناگوں اوصاف و محاسن کی بنا پر وہ وطنِ عزیز کے لیے ایک عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ زندگی کا مختصر خاکہ یہ ہے:

وطن ــــ سیوہارہ ضلع بجنور (اترپردیش۔ بھارت)

ولادت ــــ ۱۹۰۶ء

نینی تال اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تعلیم پائی اور وہیں سے ۱۹۲۹ء میں ایم اے (انگریزی) اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کئے۔ (ایم اے میں اول آئے اور گولڈ میڈل حاصل کیا)۔

ملازمت کا آغاز ڈپٹی کلکٹری کے عہدے سے ہوا اور پھر اپنی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انہوں نے اپنے مقدمہ میں میرے بارے میں جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے وہ ان کے حسنِ ظن اور ذرہ نوازی کے آئینہ دار ہیں، ان کو پڑھ کر میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ "کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید" اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کے وجودِ بابرکات کو تادیر سلامت رکھے۔

آخر میں قارئینِ کرام سے استدعا ہے کہ وہ اس کتاب کے اسقام کی نشاندہی کر کے مؤلف کو ممنون فرمائیں۔ انشاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں ان کو دور کر دیا جائے گا۔

ناچیز

طالب الہاشمی

لاہور۔ ۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ذہانت قابلیت اور فرض شناسی کی بدولت ترقی کی منزلیں طے کرتے چلے گئے۔

مختلف اوقات میں بلیا اور اناؤ میں کلکٹر کی حیثیت سے، کشمیر میں ڈویلپمنٹ کمشنر کی حیثیت سے، لکھنؤ میں صوبائی حکومت کے سیکرٹری کی حیثیت سے نینی تال میں کمشنر کی حیثیت سے اور الہ آباد میں ممبر انڈسٹریل ٹریبونل اور ممبر پبلک سروس کمیشن کی حیثیت سے مقیم رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سالہا سال سے گوشہ نشینی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل کیا اور ۱۹۶۹ء میں مستقل طور پر پاکستان تشریف لے آئے۔ اب تک کلام کے دو مجموعے "جلوۂ صد رنگ" اور "گلِ صد برگ" شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف موضوعات بالخصوص مسلمانوں کی سائنسی ایجادات و ترقی پر صاحب موصوف کے بے شمار گراں قدر مقالات ملک کے وقیع رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ پیرانہ سالی کے باوجود اب بھی بڑی سرگرمی سے علم و ادب کی خدمت میں مشغول ہیں۔

[illegible]

مخلص

محمد اقبال

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ازواجِ مطہّرات

اُمّہاتُ المؤمنین

۱

اُمُّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ

(۱)

خدیجہؓ نام، اُمِّ ہند کنیت اور طاہرہ لقب۔ نسب نامہ یہ ہے:

خدیجہؓ بنتِ خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ (قصیّ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِّ امجد تھے) ماں کا نام فاطمہؓ بنتِ زائدہ تھا جو خاندانِ عامر بن لوی سے تھیں۔

حضرت خدیجہؓ کے والد خویلد بن اسد ایک کامیاب تاجر تھے اور نہ صرف اپنے قبیلہ میں بڑی باعظمت شخصیّت کے مالک تھے بلکہ اپنی خوش معاملگی و دیانت داری کی بدولت تمام قریش میں بیحد ہر دلعزیز اور محترم تھے۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ عام الفیل سے پندرہ سال قبل ۵۵۵ء عیسوی میں پیدا ہوئیں۔ بچپن ہی سے نہایت نیک اور شریف الطبع تھیں۔ جب سنِ شعور کو پہنچیں تو ان کی شادی ابوہالہ ہند بن نباش تمیمی سے ہوئی۔ ابوہالہ سے ان کے دو لڑکے ہوئے۔ ایک کا نام ہالہ تھا جو زمانۂ جاہلیت ہی میں مر گیا۔ دوسرے کا نام ہند تھا بعض روایتوں کے مطابق ان کو شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔

ابوہالہ کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہؓ کی دوسری شادی عتیق بن عائد مخزومی

سے ہوئی۔ ان سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ کچھ عرصہ بعد عتیق بن عابد بھی فوت ہو گئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہؓ کا تیسرا نکاح ان کے ابن عم صیفی بن اُمیہ کے ساتھ ہوا اور ان کے انتقال کے بعد انہیں جنابِ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شرف زوجیت حاصل ہوا۔ لیکن بعض دوسری روایتوں میں ہے کہ جناب خدیجۃ الکبریٰؓ کا تیسرا اور آخری نکاح جناب رسولِ کریمؐ ہی سے ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ زوجیت میں آنے سے پیشتر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اپنی بیوگی کے ایام خلوت گزینی میں گزار رہی تھیں۔ وہ اپنا کچھ وقت خانۂ کعبہ میں گزارتیں اور کچھ وقت اس زمانہ کی معزز کاہنہ عورتوں میں صرف کرتیں اور ان سے زمانے کے انقلاب پر وقتاً فوقتاً بحث کیا کرتیں۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں نے انھیں نکاح کے پیغامات بھیجے لیکن انھوں نے سب رد کر دیئے۔ کیونکہ پے در پے صدمات نے ان کی طبیعت دنیا سے اُچاٹ کر دی تھی۔

ادھر ان کے والد ضعفِ پیری کی وجہ سے اپنی وسیع تجارت کے انتظام سے عاجز آ گئے۔ نرینہ اولاد کوئی زندہ نہ تھی۔ تمام کام اپنی ذہین اور عاقلہ بیٹی کے سپرد کر کے خود گوشہ نشین ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔[1]

خدیجۃ الکبریٰؓ نے تمام کاروبارِ تجارت نہایت احسن طریقہ سے جاری رکھا۔ اس وقت ان کی تجارت ایک طرف شام میں پھیلی ہوئی تھی تو دوسری طرف اطرافِ یمن میں۔ اس وسیع کاروبار کو چلانے کے لیے اُنھوں نے ایک بڑا عملہ رکھا ہوا تھا جو متعدد عرب، یہودی اور عیسائی ملازموں اور غلاموں پر مشتمل تھا۔ حسنِ تدبیر اور دیانت داری کی بدولت ان کی تجارت روز بروز ترقی کر رہی تھی اور اب ان کی نظریں

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے والد خویلد بن اسد حربِ فجار کی لڑائی میں مارے گئے تھے اور ان کے چچا عمرو بن اسد ان کے سرپرست تھے۔ بہر حال یہ بات یقینی ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نکاح کے وقت خویلد زندہ نہیں تھے اور عمرو بن اسد ہی حضرت خدیجہؓ کے سرپرست اور ولی تھے۔

ایک ایسے شخص کی متلاشی تھیں جو بحد قابل، ذہین اور دیانت دار ہوتا کہ وہ اپنے تمام ملازمین کو اس کی سرکردگی میں تجارتی قافلوں کے ہمراہ باہر بھیجا کریں۔

(۲)

یہ وہ زمانہ تھا جب سرورِ کائناتؐ کے پاکیزہ اخلاق اور ستودہ صفات کا چرچا مکہ کے گھر گھر میں پھیل چکا تھا۔ اس وقت حضورؐ کا عنفوانِ شباب تھا اور آپؐ ساری قوم میں امین کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ یہ ناممکن تھا کہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے کانوں تک اس مقدس ہستیؐ کے اوصافِ حمیدہ کی بھنک نہ پڑتی۔ ان کو اپنی تجارت کی نگرانی کے لیے ایسی ہی ہمہ صفت موصوف شخصیت کی تلاش تھی۔ انھوں نے حضورؐ کو پیغام بھیجا کہ اگر آپؐ میرا سامانِ تجارت شام تک لے جایا کریں تو دوسرے لوگوں سے دوچند معاوضہ آپ کو دیا کروں گی۔ حضورؐ ان دنوں اپنے چچا ابوطالب کی سرپرستی میں تھے۔ انہیں وقتاً فوقتاً حضرت خدیجہؓ کی تجارت کا حال معلوم ہوتا رہتا تھا۔ آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کا پیغام منظور فرمالیا اور اشیائے تجارت لے کر عازم بصرہ ہوئے۔ چلتے وقت حضرت خدیجہؓ نے اپنا غلامِ خاص میسرہ بھی حضورؐ کے ساتھ کر دیا اور اسے تاکید کی کہ اثنائے سفر میں حضورؐ کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری وسلیقہ شعاری کی بدولت تمام سامانِ تجارت دوگنے منافع پر فروخت ہوگیا۔ دورانِ سفر میں سردارِ قافلہ یعنی سرورِ کائناتؐ نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیا کہ ہر ایک حضورؐ کا مداح بلکہ جاں نثار بن گیا۔ جب قافلہ مکہ واپس آیا اور حضرت خدیجہؓ کو میسرہ کی زبانی سفر کے حالات اور منافع کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو وہ بے حد متاثر ہوئیں اور اپنی لونڈی نفیسہ کی معرفت حضورؐ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضورؐ کا ایما پا کر وہ حضرت خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد کو بلا لائیں۔ اس وقت وہی ان کے سرپرست تھے۔

(۳)

دوسری طرف سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب اور دوسرے

اکابر خاندان کے ساتھ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر تشریف لائے۔ حضرت ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور ۵۰۰ درہم طلائی مہر قرار پایا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔

نکاح کے بعد حضورؐ اکثر گھر سے باہر رہنے لگے۔ کئی کئی روز مکہ کے پہاڑوں میں جاکر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ غرض اسی طرح دس برس کا زمانہ گزر گیا۔ ایک دن اسی طرح حضورؐ غارِ حرا میں معتکف تھے کہ ربِ ذوالجلال کے حکم سے جبریلِ امینؑ آپؐ کے پاس تشریف لائے اور کہا "قُمْ یَا مُحَمَّدُ" حضورؐ نے نظریں اوپر اٹھائیں تو اپنے سامنے ایک نورانی صورت کو کھڑے پایا جس کے ماتھے پر بخطِ نور کلمہ طیبہ رقم تھا۔ جبریلِ امین نے حضورؐ کو گلے لگا کر دبایا اور کہا کہ پڑھ، حضورؐ نے فرمایا، میں پڑھا لکھا نہیں، جبریلؑ نے پھر یہی کہا اور حضورؐ نے یہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ جب جبریلؑ نے کہا

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

ترجمہ: "پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے سب کچھ پیدا کیا جس نے انسان کو پانی کے کیڑے (لہو کی پھٹکی) سے بنایا۔ پڑھ تیرا پروردگار بہت کرم والا ہے۔ جس نے قلم سے آدمی کو علم سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہی کلمات جاری ہو گئے۔

اس حیرت انگیز واقعہ سے حضورؐ کی طبیعت بیحد متاثر ہوئی۔ گھر تشریف لائے تو فرمایا "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ" مجھ کو کپڑا اڑھاؤ، مجھ کو کپڑا اڑھاؤ۔ حضرت خدیجہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی اور پوچھا کہ آپ کہاں تھے میں سخت فکرمند تھی اور کئی آدمیوں کو آپؐ کی تلاش میں بھیج چکی تھی۔ حضورؐ نے تمام واقعہ بی بی خدیجہؓ کے سامنے من و عن بیان کر دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا کہ آپؐ سچ بولتے ہیں۔ غریبوں کے دستگیر ہیں مہمان نواز ہیں، صلۂ رحم کا خیال رکھتے ہیں، امانت گزار ہیں اور دکھیوں کے خبرگیر ہیں۔ اللہ آپؐ کو

تنہا نہ چھوڑے گا۔" پھر آپ کو ساتھ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں جو زمانۂ جاہلیت میں بت پرستی ترک کر کے عیسائی ہو گئے تھے اور گزشتہ الہامی کتابوں توریت، زبور و انجیل کے بہت بڑے عالم تھے۔ بی بی خدیجہؓ نے تمام واقعہ جو حضورؐ کو پیش آیا تھا ان کے سامنے بیان کیا۔ ورقہ یہ سنتے ہی بول اٹھے:

"یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا۔ اے کاش کہ میں اس زمانے تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔"

حضورؐ نے پوچھا، کیا یہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا، ہاں جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے جب کسی پر نازل ہوتا ہے تو دنیا اس کی مخالف ہو جاتی ہے، اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔" اس گفتگو کے بعد ورقہ کا بہت جلد انتقال ہو گیا۔ تاہم حضرت خدیجہؓ کو یقین کامل ہو گیا کہ حضورؐ منصب رسالت پر فائز ہو چکے ہیں۔ چنانچہ وہ بلا تامل حضورؐ پر ایمان لے آئیں۔ تمام کتب سیر متفق ہیں کہ عورتوں میں سب سے پہلے مشرف باسلام ہونے والی خاتون حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تھیں۔

حضورؐ سے نکاح کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تقریباً ۲۵ سال (یعنی نزول وحی کے تقریباً ۱۰ سال بعد) زندہ رہیں۔ اس مدت میں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر قسم کے روح فرسا مصائب کو نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور جاں نثاری کا حق ادا کر دیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے اسلام لانے کے بعد سرور کائناتؐ کے متعلقین میں بھی اسلام کی تڑپ پیدا ہوئی۔ نوجوانوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، بڑوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ ان کے بعد دوسرے سعید الفطرت اصحاب بھی آہستہ آہستہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ کو اسلام کی وسعت پذیری سے بے حد مسرت حاصل ہوتی تھی۔ اور وہ اپنے غیر مسلم اعزہ و اقارب کے طعن و تشنیع کی پروا کیے بغیر اپنے آپ کو تبلیغ حق میں رسول اللہ صلعم کا دست و بازو ثابت کر رہی تھیں۔ انھوں نے اپنا تمام زر و مال اسلام پر نثار کر دیا اور ان کی ساری دولت

یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری، بیکسوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لیے وقف ہو چکی تھی۔ ادھر کفارِ قریش نو مسلموں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا رہے تھے اور تبلیغِ حق کی راہ میں ہر طرح کے روڑے اٹکا رہے تھے۔ انہوں نے رحمتِ عالمؐ اور آپؐ کے جاں نثاروں کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

(۴)

جب حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی لایعنی اور بیہودہ باتوں سے کبیدہ خاطر ہوتے تو خدیجۃ الکبریٰؓ عرض کرتیں: "یا رسول اللہؐ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ بھلا کوئی ایسا رسول بھی آج تک آیا ہے جس سے لوگوں نے تمسخر نہ کیا ہو۔" حضرت خدیجہؓ کے اس کہنے سے حضورؐ کا ملالِ طبع دور ہو جاتا تھا۔ غرض اس پُر آشوب زمانے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نہ صرف حضورؐ کی ہم خیال اور غمگسار تھیں بلکہ ہر موقع پر اور ہر مصیبت میں آپؐ کی مدد کے لیے تیار رہتی تھیں۔ حضورؐ فرمایا کرتے تھے:

"میں جب کفار سے کوئی بات سنتا تھا اور وہ مجھ کو ناگوار معلوم ہوتی تھی تو میں خدیجہؓ سے کہتا۔ وہ اس طرح میری ڈھارس بندھاتی تھیں کہ میرے دل کو تسکین ہو جاتی تھی، اور کوئی رنج ایسا نہ تھا جو خدیجہؓ کی باتوں سے آسان اور ہلکا نہ ہو جاتا تھا۔"

عفیف کندی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں زمانۂ جاہلیت میں کچھ اشیا خریدنے کے لیے مکہ آیا، اور عباسؓ بن عبدالمطلب کے پاس ٹھہرا۔ دوسرے دن صبح کے وقت عباسؓ کے ہمراہ بازار کی طرف چلا۔ جب کعبہ کے پاس سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان شخص آیا۔ اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا اور پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نوخیز لڑکا آیا جو پہلے جوان کی ایک جانب کھڑا ہو گیا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ایک عورت آئی اور وہ بھی ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی، ان تینوں نے نماز پڑھی اور چلے گئے۔ میں نے عباسؓ سے کہا۔ "عباسؓ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں انقلاب آنے والا ہے۔" عباسؓ نے کہا۔

"ہاں، تم جانتے ہو یہ تینوں کون ہیں؟" میں نے کہا۔ "نہیں"۔ عباسؓ نے کہا۔ "یہ جوان اور لڑکا دونوں میرے بھتیجے تھے، جوان عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا محمدؐ اور لڑکا ابوطالب بن عبدالمطلب کا بیٹا علیؓ تھا۔ عورت جس نے دونوں کے پیچھے نماز پڑھی۔ میرے بھتیجے محمدؐ کی بیوی خدیجہؓ بنت خویلد ہے۔ میرے بھتیجے کا دعویٰ ہے کہ اس کا دین الہامی ہے اور وہ ہر کام خدا کے حکم سے کرتا ہے، لیکن ابھی تک ان تینوں کے سوا کوئی اس دین کا پیرو میرے علم میں نہیں ہے۔" عباسؓ کی یہ باتیں سن کر میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اے کاش چوتھا میں ہوتا۔

(۵)

اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے کیسے نامساعد حالات میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی یہی ہمدردی، دل سوزی اور جاں نثاری تھی کہ حضورؐ ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ جب تک وہ زندہ رہیں حضورؐ نے کوئی دوسرا نکاح نہ فرمایا۔ حضرت خدیجہؓ جہاں اولاد کی پرورش نہایت حسن و خوبی سے کر رہی تھیں وہاں امورِ خانہ داری کو نہایت سلیقہ سے نباہتی تھیں اور باوجود تمول و ثروت کے حضورؐ کی خدمت خود کرتی تھیں۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیلؑ حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور کہا۔ "خدیجہ برتن میں کچھ لا رہی ہیں آپ ان کو اللہ کا اور میرا سلام پہنچا دیجیے۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہؓ کی عقیدت اور محبت کی یہ کیفیت تھی کہ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد حضورؐ نے جو کچھ فرمایا انھوں نے ہمیشہ اس کی پُرزور تائید و تصدیق کی۔ اسی لیے حضورؐ ان کی بے حد تعریف و تحسین فرمایا کرتے تھے۔

سنہ ۷ بعدِ بعثت میں مشرکین قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کیا تو حضرت خدیجہؓ بھی اس ابتلا میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں، وہ پورے تین برس تک اس محصوری کے روح فرسا آلام و مصائب بڑے صبر اور

حوصلے کے ساتھ جھیلتی رہیں۔

سنہ ۱۰ بعدِ بعثت میں یہ ظالمانہ محاصرہ ختم ہوا لیکن اس کے بعد حضرت خدیجۃ الکبریٰ زیادہ دن زندہ نہ رہیں۔ رمضان المبارک میں (یا اس سے کچھ پہلے) ان کی طبیعت ناساز ہوئی۔ حضورؐ نے علاج معالجہ اور تسکین و تشفی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن موت کا کوئی علاج نہیں۔ ۱۱ رمضان سنہ ۱۰ نبوی کو انہوں نے پیکِ اجل کو لبیک کہا اور مکہ کے قبرستان حجوں میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً ۶۵ برس کی تھی۔

(۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کا بے پناہ صدمہ ہوا اور آپؐ اکثر ملول رہنے لگے تا آنکہ حضرت سودہؓ سے آپؐ کا نکاح ہو گیا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کو ان سے اتنی محبت تھی کہ جب کوئی قربانی کرتے تو پہلے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو گوشت بھیجتے اور بعد میں کسی اور کو دیتے۔ حضرت خدیجہؓ کا کوئی رشتہ دار جب کبھی آپؐ کے پاس آتا تو آپؐ اس کی بیحد خاطر مدارات فرمایا کرتے۔

رحلتِ خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد مدت تک حضورؐ اس وقت تک گھر سے باہر تشریف نہ لے جاتے جب تک حضرت خدیجہؓ کی اچھی طرح تعریف نہ کر لیتے۔ اسی طرح جب گھر تشریف لاتے تو ان کا ذکر کر کے بہت کچھ تعریف فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضورؐ نے حسبِ معمول خدیجۃ الکبریٰؓ کی تعریف کرنی شروع کی۔ مجھے رشک آیا، میں نے کہا، "یا رسول اللہؐ وہ ایک بڑھیا بیوہ عورت تھیں خدا نے ان کے بعد آپؐ کو ان سے بہتر بیوی عنایت کی۔" یہ سن کر حضورؐ کا چہرۂ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور فرمایا:

"خدا کی قسم مجھے خدیجہؓ سے اچھی بیوی نہیں ملی۔ وہ ایمان لائیں جب سب لوگ کافر تھے۔ اس نے میری تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلایا۔ اس

نے اپنا زرومال مجھ پر قربان کر دیا۔ جب دوسروں نے مجھے محروم رکھا اور اللہ نے اس کے بطن سے مجھے اولاد دی۔''

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں ڈر گئی اور اس روز سے عہد کر لیا کہ آئندہ حضورؐ کے سامنے کبھی خدیجۃ الکبریٰؓ کو ایسا ویسا نہ کہوں گی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو چھ لڑکے لڑکیاں دیں۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے جو کمسنی میں انتقال کر گئے۔ پھر زینبؓ، ان کے بعد عبداللہ، وہ بھی صغر سنی میں فوت ہو گئے (ان کا لقب طیب اور طاہر تھا) پھر رقیہؓ۔ پھر اُمِ کلثومؓ پھر فاطمۃ الزہراؓ پیدا ہوئیں۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے مناقب میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمُّ المومنین حضرت سودہؓ بنتِ زمعہ

(۱)

سودہؓ نام، قریش کے قبیلہ عامر بن لوئیؒ سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
سودہؓ بنتِ زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل
بن عامر بن لوئیؒ۔

ماں کا نام سموس بنتِ قیس تھا جو انصار کے خاندان بنو نجار سے تھیں۔ حضرت سودہؓ کا پہلا نکاح اپنے چچا زاد بھائی حضرت سکرانؓ بن عمرو سے ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سودہؓ کو نہایت صالح طبیعت عطا کی تھی، جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز کیا تو انھوں نے فوراً اس پر لبیک کہا۔ ان کے سعید الفطرت شوہر نے بھی ان کے ساتھ اسلام قبول کر لیا حبشہ کی دوسری ہجرت میں حضرت سودہؓ اور حضرت سکرانؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ کئی برس وہاں رہ کر مکّہ واپس لوٹے، جہاں چند دن بعد حضرت سکرانؓ نے وفات پائی اور حضرت سودہؓ بیوہ ہو گئیں۔

(۲)

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ نے وفات پائی تھی۔ بن ماں کی بچیوں کو دیکھ دیکھ کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک افسردہ رہتی تھی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جان نثار صحابیہؓ حضرت خولہؓ بنتِ حکیم نے ایک دن بارگاہِ نبویؐ میں عرض کی:

"یا رسول اللہ خدیجہؓ کی وفات کے بعد میں ہمیشہ آپؐ کو ملول دیکھتی ہوں"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں، گھر کا انتظام اور بچوں کی تربیت خدیجہؓ ہی کے سپرد تھی۔"
خولہؓ نے عرض کی: "تو پھر آپؐ کو ایک رفیق و غمگسار کی ضرورت ہے۔ اگر اجازت ہو تو آپؐ کے نکاحِ ثانی کے لیے سلسلۂ جنبانی کروں۔"

حضورؐ نے اسے منظور فرمالیا۔ حضرت خولہؓ اب حضرت سودہؓ کے پاس تشریف لے گئیں اور ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش بیان کی۔ حضرت سودہؓ نے بخوشی حرمِ نبوی بننے پر اظہارِ رضامندی کیا۔ ان کے والد زمعہ نے بھی حضورؐ کا پیغام قبول کر لیا اور اپنی لختِ جگر کا نکاح سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے چار سو درہم پر خود پڑھا دیا۔ نکاح کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ گھر تشریف لائے وہ ابھی تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے۔ اس نکاح کا حال سن کر سخت رنجیدہ ہوئے اور سر پر خاک ڈالی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انھیں ساری عمر اپنی اس نادانی کا بہت قلق رہا۔

یہ مبارک نکاح رمضان ۱۰ھ بعدِ بعثت میں ہوا۔

(۲)

زرقانیؒ کا بیان ہے کہ اپنے پہلے شوہر حضرت سکرانؓ کی زندگی میں ایک دفعہ حضرت سودہؓ نے خواب میں دیکھا کہ تکیہ کے سہارے لیٹی ہیں کہ آسمان پھٹا اور چاند ان پر گر پڑا۔ انھوں نے یہ خواب حضرت سکرانؓ سے بیان کیا تو وہ بولے "اس خواب کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ میں عنقریب فوت ہو جاؤں گا اور تم عرب کے چاند محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آؤ گی۔"

واقعی اس خواب کی تعبیر چند دن بعد پوری ہو گئی۔

بعض روایتوں کے مطابق حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ حضورؐ کے نکاح میں آئیں اور بعض کے مطابق حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضورؐ کا نکاحِ ثانی ہوا۔

۱۳ھ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف

لے گئے تو وہاں سے حضرت ابو رافع رضؓ اور زید بن حارثہ رضؓ کو مکہ بھیجا کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ، اُمِ کلثوم رضؓ اور حضرت سودہ رضؓ وغیرہ کو ساتھ لے کر آئیں۔ چنانچہ وہ سب حضرت زید رضؓ بن حارثہ اور ابو رافع رضؓ کے ہمراہ مدینہ آئیں۔

(۳)

آیت حجاب کے نزول سے پیشتر حضرت سودہ رضؓ قضائے حاجت وغیرہ کے لیے باہر تشریف لے جاتی تھیں۔ حضرت عمر فاروق رضؓ کا خیال تھا کہ ازواج مطہرات کو باہر نہ نکلنا چاہیئے۔ اس کے لیے وہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عرض کر چکے تھے لیکن حضور صؐ خاموش رہے تھے۔ ایک دن حضرت سودہ رضؓ قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف جا رہی تھیں کہ راستے میں حضرت عمر رضؓ مل گئے۔ حضرت سودہ رضؓ کا قد بلند و بالا تھا۔ حضرت عمر رضؓ نے انھیں پہچان لیا اور کہا: "سودہ رضؓ تم کو ہم نے پہچان لیا۔" حضرت سودہ رضؓ کو حضرت عمر رضؓ کا یہ جملہ سخت ناگوار گزرا اور انھوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر رضؓ کی شکایت کی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد آیتِ حجاب نازل ہوئی اور تمام خواتین پردہ کی پابند ہو گئیں۔

حضرت سودہ رضؓ کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ظرافت بھی تھی جس سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات محظوظ ہوتے تھے۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ کبھی کبھی وہ جان بوجھ کر بے ڈھنگے پن سے چلتی تھیں۔ حضور صؐ دیکھتے تو ہنس پڑتے تھے، ایک دن رات کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی حضور صؐ بڑی دیر تک رکوع میں رہے۔ صبح ہوئی تو کہنے لگیں: "یا رسول اللہ صؐ رات کو نماز میں آپ نے اتنی دیر تک رکوع کیا کہ مجھے اپنی نکسیر پھوٹنے کا اندیشہ ہو گیا۔ چنانچہ میں بڑی دیر تک اپنی ناک سہلاتی رہی۔" حضور صؐ ان کی بات سُن کر متبسم ہو گئے۔

حضرت سودہ رضؓ نہایت رحم دل اور سخی تھیں۔ جو کچھ ان کے ہاتھ آتا تھا اسے نہایت دریا دلی سے حاجت مندوں میں تقسیم کر دیتی تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت سودہ رضؓ دستکار تھیں اور طائف کی کھالیں بنایا کرتی تھیں۔ اس

سے جو آمدنی ہوتی تھی اسے راہِ خدا میں خرچ کر دیتی تھیں۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ ان کی خدمت میں درہموں کی ایک تھیلی ہدیۃً بھیجی۔ انھوں نے پوچھا، اس میں کیا ہے۔ لوگوں نے بتایا "درہم"۔ بولیں "تھیلی میں کھجوروں کی طرح؟" یہ کہہ کر تمام درہم ضرورت مندوں میں اس طرح بانٹ دیئے جس طرح کھجوریں تقسیم کی جاتی ہیں۔

چونکہ حضرت سودہؓ کا سن زیادہ ہو چکا تھا اور حضرت عائشہؓ ابھی نوعمر تھیں اس لیے انھوں نے اپنی باری بھی حضرت عائشہؓ کو دے دی جو انھوں نے خوشی سے قبول کر لی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے:

"میں نے کسی عورت کو جذبۂ رقابت سے خالی نہ دیکھا سوائے سودہؓ کے۔"

حضرت سودہؓ اتنے پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "سوائے سودہؓ کے کسی عورت کو دیکھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا نہ ہوئی کہ اس کے جسم میں میری روح ہوتی۔"

(۴)

حضرت سودہؓ ۱۰ھ ہجری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج بیت اللہ سے مشرف ہوئیں، چونکہ دراز قد اور فربہ اندام تھیں اس لیے تیز چلنے سے مجبور تھیں حضورؐ نے مزدلفہ سے روانگی سے پہلے انھیں چلے جانے کی اجازت دے دی، تاکہ ان کو بھیڑ بھاڑ سے تکلیف نہ ہو۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواجِ مطہراتؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اس حج کے بعد اپنے گھروں میں بیٹھنا۔"

چنانچہ حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش نے اس حکم کی نہایت سختی سے تعمیل کی۔ دوسری ازواجِ مطہراتؓ ادائے حج پر اس حکم کا اطلاق نہیں کرتی تھیں لیکن حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

ساری عمر گھر سے باہر نہ نکلیں۔ حضرت سودہؓ فرمایا کرتیں:

"میں حج اور عمرہ دونوں کر چکی ہوں۔ اب خدا کے حکم کے مطابق گھر سے باہر نہ نکلوں گی۔"

حضرت سودہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ۲۲ سنہ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت سکرانؓ کے صلب سے ان کے ایک فرزند تھے جن کا نام عبدالرحمٰنؓ تھا۔ انھوں نے خلافتِ فاروقی میں جنگِ جلولاء میں شرکت کی اور نہایت بہادری سے لڑ کر رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت سودہؓ سے پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے ایک صحیح بخاری میں ہے اور چار سننِ اربعہ میں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہ رض

(۱)

عائشہ نام۔ صدّیقہ اور حمیرا لقب۔ اُمِّ عبداللہ کنیت۔ قریش کے خاندان بنوتیم سے تھیں۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

عائشہؓ بنتِ ابوبکر صدیقؓ بن ابی قحافہؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی۔

والدہ کا نام اُمِّ رومانؓ بنتِ عامر تھا اور وہ بھی جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ بعثتِ نبویؐ کے چار سال بعد ماہِ شوال میں پیدا ہوئیں۔

حضرت عائشہ صدّیقہ کا زمانہ طفولیت صدّیقِ اکبرؓ جیسے جلیل القدر باپ کے زیرِ سایہ بسر ہوا۔ وہ بچپن ہی سے بےحد ذہین اور ہوشمند تھیں اور اپنے بچپن کی تمام باتیں انھیں یاد تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی دوسرے صحابی یا صحابیہ کی یادداشت اتنی اچھی نہ تھی۔

بچپن میں ایک دفعہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ سرورِ عالمؐ پاس سے گزرے۔ ننھی عائشہؓ کی گڑیوں میں ایک پَردار گھوڑا بھی تھا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ "عائشہؓ یہ کیا ہے؟" جواب دیا۔ "گھوڑا ہے۔" حضورؐ نے فرمایا۔ گھوڑوں کے تو پَر نہیں ہوتے۔ انھوں نے بے ساختہ کہا۔ "کیوں یا رسول اللہؐ۔ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے تو پَر تھے۔" حضورؐ نے یہ جواب سن کر تبسم فرمایا:

امام بخاریؒ کا بیان ہے کہ جب آیۃ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (سورۂ قمر) مکہ میں نازل ہوئی تو اس وقت حضرت عائشہؓ کھیل کود میں

مشغول تھیں۔

حضورؐ سے پہلے حضرت عائشہؓ کی نسبت جبیر بن مطعم کے بیٹے سے ہوئی مگر جبیر نے اپنی ماں کے ایماء پر یہ نسبت اس لیے فسخ کر دی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے اہل خاندان مسلمان ہو چکے تھے۔ اس کے بعد حضرت خولہؓ بنت حکیم کی تحریک پر حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت عائشہؓ کے لیے پیغام بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منہ بولے بھائی تھے تعجب سے پوچھا۔ "کیا بھائی کی بیٹی سے نکاح ہو سکتا ہے؟" خولہؓ نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔ "ابوبکرؓ میرے دینی بھائی ہیں اور ایسے بھائیوں کی اولاد سے نکاح جائز ہے۔" جناب صدیق اکبرؓ کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کون سی بات تھی کہ ان کی بیٹی رحمۃ للعٰلمینؐ کے نکاح میں آئے۔ فوراً راضی ہو گئے۔ چنانچہ چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہؓ ہجرت سے تین سال قبل ماہِ شوال میں رسول کریمؐ کے حبالۂ نکاح میں آگئیں۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے خود نکاح پڑھایا۔ پانچ صد درہم حق مہر مقرر ہوا۔

ایک دفعہ شوال کے مہینے میں عرب میں طاعون کی خوفناک وبا پھیلی تھی جس نے ہزاروں گھرانوں کو ویران کر دیا تھا اس وقت سے شوال کا مہینہ اہل عرب میں منحوس سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ اس مہینے میں خوشی کی تقریب کرنے سے احتراز کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا نکاح بھی شوال میں ہوا اور رخصتی بھی چند سال بعد شوال ہی میں ہوئی۔ اس وقت سے ماہ شوال کی نحوست کا وہم لوگوں کے دلوں سے دور ہوا۔

حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بشارت حضورؐ کو خواب میں ہو چکی تھی۔ آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ریشم میں لپٹی ہوئی کوئی چیز آپؐ کو دکھا رہا ہے اور کہتا ہے وہ یہ آپؐ کی ہے۔" آپؐ نے کھولا تو حضرت عائشہؓ تھیں۔

حضرت عائشہؓ کا نکاح انتہائی سادگی سے ہوا۔ وہ فرماتی تھیں:

"جب رسول اللہؐ نے مجھ سے نکاح فرمایا تو میں اپنی ہمجولیوں کے ساتھ

کھیلا کرتی تھی۔ مجھے اس نکاح کا حال تک معلوم نہ ہوا تا آنکہ میری والدہ
نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع کر دیا۔"

حضرت عائشہؓ پیدائشی مسلمان تھیں، ان سے روایت ہے کہ "جب میں
نے اپنے والدین کو پہچانا انھیں مسلمان پایا۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت
عائشہؓ پر روزِ ازل سے کفر و شرک کا سایہ تک نہ پڑا۔

(۲)

حضرت عائشہؓ سے نکاح کے تین سال بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت
ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ پہنچ کر سرور کائنات
اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ، ابو رافعؓ اور عبداللہ بن اریقط کو
اپنے اہل و عیال لانے کے لیے مکے بھیجا۔ واپسی پر حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ
حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت اُمِ کلثومؓ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ، ام ایمنؓ
اور اسامہؓ بن زیدؓ تھے۔ اور عبداللہ بن اریقط کے ہمراہ عبداللہ بن ابوبکرؓ، اُمِ رومانؓ،
عائشہ صدیقہؓ اور اسماؓ بنت ابی بکرؓ تھیں۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ محلہ بنو حارث میں اپنے والدِ محترم کے گھر اتریں۔
مدینہ کی آب و ہوا شروع شروع میں مہاجرین کے موافق نہ آئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ
سخت بیمار ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نہایت تندہی سے ان کی تیمارداری کی۔ جب
وہ صحت یاب ہوئے تو خود بیمار ہو گئیں۔ مرض کا حملہ اتنا شدید تھا کہ سر کے بال گر گئے تاہم
جان بچ گئی۔ جب صحت بحال ہوئی تو صدیق اکبرؓ نے حضورؐ سے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ
عائشہؓ کو آپ رخصت کیوں نہیں کرا لیتے۔" فرمایا۔ "فی الحال میرے پاس مہر
نہیں ہے۔" صدیق اکبر نے اپنے پاس سے پانچسو درہم حضورؐ کی خدمت میں بطور
قرضِ حسنہ پیش کیے۔ جو آپؐ نے قبول فرما لیے اور وہی حضرت عائشہؓ کے پاس
بھیج کر انھیں شوال سنہ ۱ھ میں رخصت کرا لیا۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ
کی عمر نو سال اور بعض روایتوں کے مطابق بارہ برس کی تھی۔

۳ھ میں غزوۂ اُحد پیش آیا۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلیٹ گیا اور حضورؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو مدینہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت صفیہؓ، سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ اور دوسری خواتین اسلام دیوانہ وار میدانِ جنگ کی طرف لپکیں۔ وہاں پہنچ کر حضورؐ کو سلامت دیکھا تو سجدۂ شکر بجا لائیں۔ ان سب نے مل کر حضورؐ کے زخموں کو دھویا اور پھر مشکیزے سنبھال کر زخمیوں کو پانی پلانا شروع کیا۔ جب دوسرے صحابہ کرامؓ جو اِدھر اُدھر منتشر تھے حضورؐ کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے تو مدینہ واپس تشریف لائیں۔

امام احمد بن حنبلؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ غزوۂ خندق میں بھی قلعہ سے باہر نکل کر نقشۂ جنگ دیکھا کرتی تھیں۔ حضورؐ سے دوسری لڑائیوں میں بھی شریک ہونے کی اجازت چاہی تھی لیکن نہ ملی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر قبرستان چلی جاتی تھیں۔ ان روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اُمّ المومنین فطری طور پر نہایت دلیر اور نڈر تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حیاتِ مبارکہ کے چار واقعات بے حد اہم ہیں۔ افک، ایلا، تحریم اور تخییر۔ (۱) افک کا واقعہ یوں پیش آیا کہ غزوۂ بنو مصطلق کے سفر میں حضرت عائشہؓ حضورؐ کے ہمراہ تھیں۔ راستے میں ایک جگہ رات کو قافلے نے قیام کیا۔ حضرت عائشہؓ رفعِ حاجت کے لیے پڑاؤ سے دور نکل گئیں، وہاں ان کے گلے کا ہار جو وہ اپنی بہن حضرت اسماءؓ سے مانگ کر لائی تھیں۔ بے خبری کے عالم میں گر گیا۔ واپسی پر پتہ چلا تو بہت مضطرب ہوئیں، پھر اسی سمت واپس لوٹیں خیال کیا کہ قافلے کے چلنے سے پہلے ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچ جائیں گی۔ جب ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ بہت گھبرائیں، ناتجربہ کاری کی عمر تھی چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوانؓ بن معطل ایک صحابی کسی انتظامی ضرورت کے سلسلہ میں قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کو پہچان لیا کیونکہ بچپن میں (یا نزولِ حجاب سے پہلے) انھیں دیکھا ہوا تھا، ان سے پیچھے رہ

جانے کا سبب پوچھا۔ جب واقعہ معلوم ہوا تو بہت ہمدردی کی پھر اُمّ المومنینؓ کو اونٹ پر بٹھا کر عجلت سے قافلے کی طرف روانہ ہوئے اور دوپہر کے وقت قافلہ میں جا ملے۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی کو جب اس واقعہ کا پتہ چلا تو اس نے حضرت صدیقہؓ کے متعلق مشہور کر دیا کہ وہ اب باعصمت نہیں رہیں۔ چند سادہ لوح مسلمان بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ جنابِ رسالت مآبؐ کو بھی قدرتاً تشویش پیدا ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ناحق کی بدنامی کے صدمے سے بیمار ہو گئیں۔ اس وقت غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور آیۂ برات نازل ہوئی :-

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ (سورۂ نور)

یعنی "جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔"

آیۂ برات کے نزول سے دشمنوں کے منہ سیاہ ہو گئے اور سادہ لوح مسلمان جو غلط فہمی کا شکار تھے سخت شرمندہ ہوئے۔ انہوں نے نہایت عاجزی سے اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے معافی مانگی۔ حضرت عائشہؓ اور اُن کے والدین کو قدرتاً بیحد مسرت ہوئی، عائشہ صدیقہؓ کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ انھوں نے فرمایا میں صرف اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں اور کسی کی ممنون نہیں۔

(۳)

(۲) واقعۂ تحریم : سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد ازواجِ مطہراتؓ کے پاس تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے، ایک دفعہ حضرت زینبؓ بنت جحش کے پاس زیادہ دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا۔ انھوں نے تجسّس کیا تو معلوم ہوا کہ حضورؐ نے زینبؓ کے ہاں شہد کھایا ہے جو انھیں کسی نے تحفہ کے طور پر بھیجا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا کہ جب حضورؐ ہمارے اور تمہارے گھر تشریف لائیں تو کہنا چاہیے کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے مغافیر کا شہد

کھایا ہے۔ (مغافیر ایک پھول ہوتا ہے جسے شہد کی مکھی چوستی ہے۔ اس میں قدرے بُو ہوتی ہے اور آقائے دوجہاں کو ہر قسم کی بُو ناپسند تھی) جب حضورؐ فرمائیں گے کہ زینبؓ نے شہد پلایا ہے تو تم کہنا شاید یہ شہد عرفط کی مکھی کا ہے۔ جب حضورؐ حضرت حفصہؓ کے ہاں تشریف لائے تو یہی سوال و جواب ہوئے اور پھر حضرت صفیہؓ اور عائشہؓ نے بھی یہی گفتگو دہرائی، تو حضورؐ کی طبیعت مبارک میں تکدر پیدا ہوا۔ چنانچہ جب آپؐ پھر حضرت زینبؓ کے ہاں تشریف لے گئے اور انہوں نے حسب معمول شہد پیش کیا تو آپؐ نے فرمایا: "مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں آیندہ شہد نہیں کھاؤں گا۔" اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ

یعنی "اے نبی تم اپنی بیویوں کی رضامندی کے لیے جو چیز خدا نے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو۔" (سورہ تحریم)

(۴)

۳۔ واقعۂ ایلا: ازواج مطہراتؓ کے لیے غلہ اور کھجور کی جو مقدار مقرر تھی وہ ان کی ضروریات کے لیے کافی نہ تھی اور وہ تنگدستی سے گزر اوقات کرتی تھیں، ادھر اموالِ غنیمت اور سالانہ محاصل میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے اپنے مقررہ گزارہ میں اضافہ کی خواہش کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی بیٹیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو سمجھا کر اس مطالبہ سے باز رکھا لیکن دوسری ازواج اس مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں حضورؐ گھوڑے سے گر پڑے اور پہلوئے مبارک میں چوٹ لگی۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے متصل ایک بالاخانے پر قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ کو نہ ملیں گے۔ منافقین ایسے موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ انھوں نے مشہور کر دیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ تمام صحابہ کرامؓ یہ خبر سن کر سخت رنجیدہ ہوئے۔ حضرت عمر فاروقؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ایک کھری چارپائی پر لیٹے تھے اور جسمِ اطہر پر بان کے نشان

بن گئے تھے۔ فاروق اعظمؓ حضورؐ کو اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی؟" فرمایا "نہیں"۔ جناب عمر فاروقؓ نے یہ خوشخبری تمام لوگوں کو سنا دی۔ اس پر تمام مسلمانوں اور ازواجِ مطہراتؓ میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "میں ایک ایک دن گنتی تھی، انتیسویں دن حضورؐ بالاخانے سے اتر کر سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی "یا رسول اللہ آپؐ نے ایک مہینہ کا عہد فرمایا تھا اور آج انتیس دن ہوئے ہیں۔" فرمایا "مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔"

(۵)

۴۔ واقعہ تخییر: واقعہ ایلا کے بعد ایک دن حضورؐ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور فرمایا۔ "عائشہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دو تو بہتر ہو گا۔"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ وہ کیا بات ہے؟" حضورؐ نے سورۂ احزاب کی یہ آیات تلاوت فرمائیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝	اے نبیؐ اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم کو دنیوی زندگی اور اس کی رونق درکار ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کا رسول اور آخرت کا گھر پسند ہے تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ اس میں والدین کے مشورہ کی کیا ضرورت میں تو اللہ اور اللہ کا رسولؐ اور آخرت کا گھر اختیار کرتی ہوں۔" حضورؐ نے یہ جواب

پسند فرمایا۔ یہی بات جب دوسری ازواجؓ سے پوچھی تو انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

سیدالانامؐ کو حضرت عائشہؓ بحید محبوب تھیں۔ مسند ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے:

"اے باری تعالےٰ یوں تو میں سب بیویوں سے برابر کا سلوک کرتا ہوں مگر دل میرے بس میں نہیں کہ وہ عائشہؓ کو زیادہ محبوب رکھتا ہے یا اللہ اسے معاف فرما۔"

(۶)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم طہارت میں بہت اہتمام فرماتے تھے اور اپنی مسواک بار بار دُھلوایا کرتے تھے۔ اس خدمت کی انجام دہی حضرت عائشہؓ ہی کے سپرد تھی۔

حضرت عائشہؓ حضورؐ پر جان چھڑکتی تھیں۔ ایک دفعہ آپؐ رات کے وقت اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے۔ جب حضرت عائشہ کی آنکھ کھلی اور حضورؐ کو موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوئیں، دیوانہ وار اٹھیں اور ادھر ادھر اندھیرے میں ٹٹولنے لگیں۔ آخر ایک جگہ حضورؐ کا قدم مبارک ملا، دیکھا تو آپؐ سربسجود یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ اس وقت انہیں اطمینان ہوا۔

ایک دفعہ حضورؐ کمبل اوڑھ کر مسجد میں تشریف لائے۔ ایک صحابی نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ اس پر دھبے نظر آتے ہیں۔" آپؐ نے اس کو غلام کے ہاتھ حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ نے کٹورے میں پانی منگایا۔ خود اپنے ہاتھ سے داغ دھوئے۔ اس کے بعد کمبل خشک کر کے آپؐ کی خدمت میں واپس بھیجا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہؓ جسم مبارک میں خوشبو لگاتی تھیں۔

ایک دفعہ سفر میں حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا۔ حضورؐ نے اس کی تلاش میں چند صحابہؓ کو بھیجا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت آگیا۔ دُور دُور تک پانی نہیں تھا اس لیے لوگوں نے بغیر وضو نماز پڑھی۔ واپس آکر حضورؐ سے ماجرا بیان کیا۔ اس وقت آیتِ تیمم نازل ہوئی۔ حضرت اُسیدؓ بن حضیر نے اس کو حضرت عائشہؓ کی بہت بڑی

فضیلت سمجھا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

"اُمّ المومنینؓ خدا آپؓ کو جزائے خیر دے آپؓ کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خدا نے آپ کے نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لیے وہ ایک برکت بن گیا۔"

(۷)

جب حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ازدواجی زندگی کے نو برس گزر گئے تو آقائے دو جہاںؐ مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے۔ حضورؐ تیرہ دن علیل رہے۔ ان تیرہ دنوں میں پانچ دن دیگر ازواجؓ کے ہاں قیام فرمایا اور آٹھ دن حضرت عائشہؓ کے ہاں رہے۔ شدتِ مرض میں کمزوری کی وجہ سے حضورؐ اپنی مسواک حضرت عائشہؓ کو دیتے وہ اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کرتیں اور پھر حضورؐ استعمال فرماتے۔

۹ یا ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اطہر نے عالمِ قدس کی طرف پرواز کی۔ اس وقت حضورؐ کا سرِ مبارک حضرت عائشہؓ صدیقہؓ کے سینہ پر رکھا ہوا تھا۔ اور پھر انہیں کے حجرۂ مبارک کو حضورؐ کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

رحلتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ ۴۸ برس انہوں نے عالمِ بیوگی میں بسر کیے۔ اس تمام عرصہ میں وہ تمام عالمِ اسلام کے لیے رُشد وہدایت، علم وفضل اور خیر وبرکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں ان سے ۲۲۱۰ (دو ہزار دو سو دس) حدیثیں مروی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ احکامِ شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہؓ صدیقہ سے منقول ہے۔

بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہر قسم کے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی جس کا علم حضرت عائشہؓ کے پاس نہ ہو۔ یعنی ہر مسئلہ کے متعلق انہیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ معلوم تھا۔ حضرت عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ میں

نے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور علم الانساب میں اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ احنف بن قیسؓ اور موسیٰ بن طلحہؓ کا قول ہے کہ حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر میں نے کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا۔

حضرت معاویہؓ کا قول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے زیادہ بلیغ، زیادہ فصیح اور زیادہ تیز فہم کوئی خطیب نہیں دیکھا۔

کتب سیر میں متعدد روائتیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو دینی علوم کے علاوہ طب، تاریخ اور شعر و ادب میں بھی دستگاہ حاصل تھی۔ فی الحقیقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کا پایۂ علم و فضل اتنا بلند تھا کہ اس کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ یہاں ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بہت سے اہل سیر کے نزدیک علمی کمالات، دینی خدمات اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات وارشادات کے نشر واشاعت کے اعتبار سے صدیقہ کبریٰؓ کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ اگر انہیں "محسنۂ اُمت" کہا جائے تو اس میں مطلق کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

بعض مخصوص فضائل میں حضرت عائشہ صدیقہؓ تمام صحابہؓ و صحابیاتؓ میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ بروایت قاسم بن محمدؒ حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ دس اوصاف مجھ میں ایسے ہیں جن میں دوسری ازواجِ مطہراتؓ میں سے کوئی میری شریک نہیں۔

(۱) صرف میں ہی کنوارپن میں حضورؐ کے نکاح میں آئی۔

(۲) جبریلؑ امین میری شکل میں حضورؐ سے ملے اور کہا کہ عائشہؓ سے شادی کر لیجیے۔

(۳) اللہ تعالےٰ نے میرے لیے آیتِ برأت نازل فرمائی۔

(۴) میرے ماں باپ دونوں مہاجر ہیں

(۵) میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتی اور حضورؐ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔

(۶) میں اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

(۷) نزولِ وحی کے وقت صرف میں آپؐ کے پاس ہوتی تھی۔

(۸) جس دن میری باری تھی اسی دن رسول اللہؐ نے رحلت فرمائی۔

(۹) جب سرورِ کائناتؐ کی روحِ پاک نے عالمِ قدس کی طرف پرواز کی تو حضورؐ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔

(۱۰) میرے ہی حجرہ کو رحمۃ للعالمینؐ کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے استیعاب میں حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

"عائشہؓ کو عورتوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے شوربے میں ملی ہوئی روٹی کو عام کھانوں پر۔"

(۸)

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں تمام ازواجِ مطہراتؓ کے دس دس ہزار درہم سالانہ مقرر تھے۔ البتہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بارہ ہزار درہم سالانہ دیئے جاتے تھے۔ اس کی وجہ حضرت عمرؓ یہ بیان فرماتے تھے کہ وہ حضورِ اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہت محبوب تھیں۔

جب عراق فتح ہوا تو مالِ غنیمت میں ایک موتیوں کی ڈبیہ بھی فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ انہوں نے لوگوں سے اجازت لے کر اسے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اُمّ المومنینؓ نے فرمایا:

"اے خدا عمرؓ نے حضورؐ کے بعد مجھ پر بڑے احسان کیے ہیں۔ آئندہ مجھے ان کے عطیات کے لیے زندہ نہ رکھنا۔"

جب حضرت عمر فاروقؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کو اُمّ المومنین کی خدمت میں بھیجا کہ مجھے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "یہ جگہ میں نے اپنی تدفین کے لیے رکھی تھی لیکن عمرؓ کی خاطر آج میں اس سے دستبردار ہوتی ہوں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ عدیم المثال ایثار ہی تھا کہ آج فاروقِ اعظمؓ شاہِ لولاکؐ

کے پہلوئے اقدس میں استراحت فرما ہیں۔

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ خلیفہ ہوئے۔ ان کے عہد خلافت میں اُمتِ مسلمہ میں خوفناک فتنوں اور سازشوں نے سر اٹھایا جن کے نتیجہ میں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا۔ تین دن کے بھوکے پیاسے ضعیف العمر امیر المومنینؓ کو قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ظالموں نے جس شقاوت سے شہید کیا، حضرت عائشہ صدیقہؓ کا دل اس سے خون ہوگیا۔ چنانچہ خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے عہد خلافت میں بعض صحابۂ کرامؓ اور دوسرے مسلمانوں کا ایک گروہ قصاصِ عثمانؓ کے لیے اٹھا۔ اس جماعت میں حضرت زبیرؓ بن عوام (حواریِ رسولؐ) اور حضرت طلحہؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ بھی شریک تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جنابِ عثمانؓ کی شہادت کا بے حد قلق تھا اس لیے وہ نیک نیتی کے ساتھ اس جماعت کے ساتھ ہوگئیں۔ اس جماعت کا خیال تھا کہ قاتلانِ عثمانؓ میں بعض لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی پناہ میں ہیں۔ ادھر حضرت علی مرتضےٰؓ فرماتے تھے کہ جب تک کامل تحقیق کے بعد قاتلوں کا پتہ نہ چل جائے ان پر حد جاری کرنا ممکن نہیں۔ اس اختلاف کی بنا پر جنگِ جمل کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت عائشہؓ اصلاحِ احوال کے لیے اپنی جماعت کے ہمراہ بصرہ گئیں۔ بدقسمتی سے وہاں حضرت علیؓ سے جنگ پیش آگئی۔ اس جنگ میں طرفین کا شدید جانی نقصان ہوا تاہم حضرت علیؓ جنگ میں غالب آئے۔ انھوں نے اُمّ المومنین کو نہایت احترام کے ساتھ واپس بھیج دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو جب بھی یہ جنگ یاد آتی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتیں اور فرمایا کرتیں، "کاش میں آج سے بیس برس پہلے معدوم ہو چکی ہوتی۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے شاگردوں کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ جن میں قاسم بن محمدؒ، مسروق تابعیؒ، عائشہ بنتِ طلحہؓ، ابو سلمہ اور عروہ بن زبیرؓ بہت مشہور ہیں۔

حضرت عائشہؓ جو حدیث روایت کرتیں اکثر اس کا پس منظر اور اسباب و علل

بھی بیان کر دیتیں، جو توجیہہ آپؓ کرتیں اسے باور کرنے کے لیے دور از کار تاویلوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ وہ کورانہ تقلید پسند نہ کرتیں، ہمیشہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی حقیقی روح تک پہنچنے کی کوشش کرتیں۔ محدثین نے متعدد ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے دوسرے صحابہ سے اختلاف کیا ہے۔ ان میں سے کچھ روایات یہ ہیں۔

حضرت عائشہؓ کے سامنے کسی نے بیان کیا کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ تین چیزیں نحس ہیں، عورت، گھر اور گھوڑا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ابوہریرہؓ نے آدھی بات سنی جب ابوہریرہؓ آگئے تو نبی کریمؐ پہلا فقرہ فرما چکے تھے وہ یہ کہ "یہودی کہتے ہیں۔ نحوست تین چیزوں میں ہے، عورت، گھر اور گھوڑا۔"

حضرت عمر فاروقؓ سے ایک روایت سماع موتیٰ (فوت شدگان کا سننا) کے متعلق ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دریافت کرنے پر فرمایا:

"وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے۔"

جب حضرت عائشہؓ نے اس روایت کو سنا تو فرمایا عمرؓ سے سننے میں غلطی ہوئی۔ رسول اللہ کا ارشاد یہ نہیں تھا کیونکہ قرآن میں اس کے خلاف نص صریح موجود ہے کہ:

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (سورہ روم) وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ (سورہ فاطر)

(یعنی آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ۔ اور آپ نہیں سنانے والے ان کو جو قبروں میں ہیں۔) [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے تھے کہ "مردے پر اہل خانہ کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔" جب حضرت عائشہؓ نے یہ روایت سنی تو اس کے ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا حقیقت حال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودیہ کے جنازے پر گزرے۔ اس کے عزیز و اقارب رو رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا لوگ رو رہے ہیں اور اس پر عذاب ہو رہا ہے۔ (یعنی وہ اپنے اعمال کی سزا بھگت رہی ہے) اس کے بعد فرمایا کہ کلام مجید میں واضح ارشاد ہے:

"کوئی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔"

---

[1] بعض علماء کرام سماع موتیٰ کے قائل ہیں کیونکہ ان کی رائے میں ان آیات سے سماع موتیٰ کی عمومی نفی نہیں ہوتی۔ بہرحال یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ جب ان کا وقتِ وفات قریب آیا تو انھوں نے نئے کپڑے منگا کر پہنے اور فرمایا کہ:

"حضور نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ مسلمان جس لباس میں مرے گا اسی میں اٹھایا جائے گا۔"

حضرت عائشہؓ نے سُن کر فرمایا: "خدا ابوسعیدؓ پر رحم کرے۔ لباس سے حضورؐ کی مراد اعمال تھے۔"

حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ "حضورؐ کا ارشاد ہے نمازِ عصر اور نمازِ فجر کے بعد کوئی نماز یعنی نفل و سُنّت بھی جائز نہیں۔" بظاہر اس ممانعت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ روایت سنی تو فرمایا "عمرؓ کو وہم ہوا۔ حضورؐ نے صرف اس طرح نماز سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص آفتاب کے طلوع یا غروب کو تاک کر نماز نہ پڑھے (یعنی آفتاب پرستی کا شبہ نہ ہو)

(۸)

فضائلِ اخلاق کے لحاظ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کا رتبہ بہت بلند تھا۔ وہ بے حد فیاض، مہمان نواز اور غریب پرور تھیں۔ ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔ انہوں نے اسی وقت سب رقم غریبوں مسکینوں میں تقسیم کر دی۔ اس دن روزے سے تھیں شام ہوئی تو خادمہ نے کہا۔ "ام المومنین کیا اچھا ہوتا آپ نے اس رقم سے کچھ گوشت ہی افطار کے لیے خرید لیا ہوتا۔" فرمایا "تم نے یاد دلایا ہوتا۔"

حضرت عروہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس ستر ہزار کی رقم آئی۔ انہوں نے ان (عروہ) کے سامنے کھڑے کھڑے ساری رقم راہِ خدا میں دے دی اور دوپٹہ کا گوشہ جھاڑ دیا۔

مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ حضرت عائشہؓ ایک دن روزے سے تھیں اور گھر میں ایک روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اتنے میں ایک سائلہ نے آواز دی۔ انہوں نے

لونڈی کو حکم دیا کہ یہ روٹی سائلہ کو دے دو۔ لونڈی نے کہا، شام کو افطار کس چیز سے کیجئے گا۔ اُمّ المومنینؓ نے فرمایا، یہ تو اس کو دے دو۔ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت ہدیۃً بھیج دیا۔ لونڈی سے فرمایا، دیکھو اللہ نے روٹی سے بہتر چیز بھیج دی۔

اُمّ المومنین کی فیاضی کی کوئی حد و نہایت نہیں تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جو ان کے بھانجے اور منہ بولے بیٹے تھے، اکثر ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ خالہ کی فیاضیوں کو دیکھتے دیکھتے ایک دفعہ وہ بھی گھبرا گئے اور ان کے منہ سے نکل گیا کہ اب ان کا ہاتھ روکنا چاہیئے۔ حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئیں اور قسم کھالی کہ اب ابن زبیرؓ سے کبھی نہ بولیں گی۔ ان کے ترکِ کلام نے طول پکڑا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بہت گھبرائے اور بڑی مشکل سے حضرت مسورؓ بن مخرمہ اور عبدالرحمٰنؓ بن اسود کو بیچ میں ڈال کر اپنا قصور معاف کروایا۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی قسم توڑنے کے کفارہ میں چالیس غلام آزاد کیے۔ انہیں جب یہ واقعہ یاد آتا تو روتے روتے آنچل تر ہو جاتا۔ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے رہنے کا مکان امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا، انہیں جو قیمت ملی وہ سب راہِ خدا میں دے ڈالی۔

اُمّ المومنین دن رات کا زیادہ حصّہ عبادت میں یا لوگوں کو مسائل بتانے میں صرف کرتی تھیں۔ ان کا دل مہر و محبت اور عفو و شفقت کا خزینہ تھا۔ دشمنوں اور مخالفوں تک کو معاف کر دیتیں۔ مشہور شاعر صحابی حضرت حسانؓ بن ثابت نے واقعۂ افک میں غلط فہمی کی بناء پر حضرت عائشہؓ کی مخالفت کی تھی۔ حضرت عائشہؓ کو اس واقعہ کا بہت رنج تھا، لیکن اس کے باوجود انھوں نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو معاف کر دیا تھا اور ان کی بہت عزت کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بعض رشتہ دار حضرت حسانؓ کو واقعۂ افک میں شرکت کی وجہ سے بُرا کہنا چاہتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کو سختی سے منع کیا اور فرمایا کہ ان کو بُرا مت کہو، یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شعرائے مشرکین کو جواب دیتے تھے۔

معاویہ بن خدیج نے ان کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ کو قتل کر دیا تھا اس لیے وہ

ان سے کبیدہ خاطر تھیں لیکن جب انھوں نے سنا کہ میدانِ جہاد میں معاویہ کا سلوک اپنے ماتحتوں کے ساتھ بہت اچھا ہوتا ہے۔ کسی کا جانور مر جائے تو اسے اپنا جانور دے دیتے ہیں، کسی کا غلام بھاگ جائے تو اسے اپنا غلام دے دیتے ہیں اور سب لوگ ان سے راضی ہیں تو فرمایا۔ "استغفر اللہ جس شخص میں یہ اوصاف ہوں میں اس سے اس بنا پر ناراض نہیں رہ سکتی کہ وہ میرے بھائی کا قاتل ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ دعا مانگتے سنا ہے کہ "خداوندا جو شخص میری اُمت کے ساتھ ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر، جو اس کے ساتھ سختی کرے تو بھی اس پر سختی کر۔"

اُمّ المؤمنینؓ کو غیبت اور بدگوئی سے سخت اجتناب تھا ان سے مروی کسی حدیث میں کسی شخص کی توہین یا بدگوئی کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ وسعتِ قلب کا یہ عالم تھا کہ اپنی سوکنوں کی خوبیاں اور مناقب خوشدلی سے بیان کرتی تھیں۔

دل میں حد درجہ کا خوفِ خدا تھا۔ بعض اوقات عبرت پذیری کی کوئی بات یاد آ جاتی تو بے اختیار رونے لگتی تھیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے رونا نہ آتا ہو، ان کے ایک شاگرد نے پوچھا، یہ کیوں؟ فرمایا، مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں رسول اللہؐ نے دنیا کو چھوڑا، خدا کی قسم آپؐ نے کبھی دن میں دوبار بھی سیر ہو کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

عبادتِ الٰہی سے بے انتہا شغف تھا۔ فرض نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے پڑھتی تھیں۔ تہجد اور چاشت کی نماز کا ساری عمر ناغہ نہیں کیا۔ حج کی شدت سے پابند تھیں اور رمضان کے روزوں کے علاوہ نفلی روزے بھی بڑی کثرت سے رکھتی تھیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے رمضان ۵۸ھ ہجری میں، ٦٧ سال کی عمر میں وفات پائی۔ وصیت کے مطابق رات کو بعد نمازِ وتر بقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ ایسا پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔ ان کے انتقال سے تمام عالمِ اسلام میں صفِ ماتم بچھ گئی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔ انھوں نے حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اپنے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے نام پر اپنی کنیت "اُمِّ عبداللہ" رکھی تھی ۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضؓ بنتِ عمر رضؓ

(۱)

حفصہؓ نام ۔ قریش کے خاندان عدی سے تھیں ۔ نسب نامہ یہ ہے :

حفصہؓ بنتِ عمر فاروقؓ بن خطّاب بن نفیل بن عبدالعزّیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوّیٔ ۔

والدہ حضرت زینبؓ بنتِ مظعون تھیں ، جو بڑی جلیل القدر صحابیہ تھیں ۔ عظیم المرتبت صحابی حضرت عثمانؓ بن مظعون حضرت حفصہؓ کے ماموں اور فقیہِ اسلام حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرؓ اُن کے حقیقی بھائی تھے ۔

حضرت حفصہؓ بعثتِ نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں ۔

پہلا نکاح حضرت خنیسؓ بن حذافہ بن قیس بن عدی سے ہوا جو بنو سہم سے تھے ۔ وہ دعوتِ حق کی ابتداء میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور حضرت حفصہؓ بھی ان کے ساتھ ہی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں ۔ حضرت خنیسؓ سنہ ۵ بعدِ بعثت میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے ۔ ہجرتِ نبوی سے کچھ عرصہ پہلے مکّہ واپس آ گئے اور پھر حضرت حفصہؓ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے ۔

حضرت خنیسؓ راہِ حق کے ایک جانباز سپاہی تھے ۔ سنہ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو وہ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے ۔ پھر سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحد میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے ۔ اسی حالت میں انھیں اٹھا کر مدینہ لے گئے لیکن علاج کے باوجود جانبر نہ ہو سکے اور حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں ۔ جب ان کی عدّت کا زمانہ پورا ہو گیا تو حضرت

عمر فاروقؓ کو ان کے نکاح ثانی کی فکر ہوئی - ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تخلیہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت حفصہؓ کا ذکر کیا - حضرت عمرؓ کو اس کا علم نہ تھا - چنانچہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کو حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لینے کے لیے کہا وہ خاموش رہے - حضرت عمرؓ کو ناگوار گزرا - پھر وہ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے - اسی زمانے میں حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہؐ کا انتقال ہوا تھا - حضرت عمرؓ نے انہیں اپنی لخت جگر سے نکاح کر لینے کے کہا - حضرت عثمانؓ نے فرمایا - میں ابھی نکاح نہیں کرنا چاہتا - اب حضرت عمر فاروقؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام حالات بیان کیے -

حضورؐ نے فرمایا :

"حفصہؓ کا نکاح ایسے شخص سے کیوں نہ ہو جائے جو ابوبکرؓ اور عثمانؓ دونوں سے بہتر ہے -"

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا :

"حفصہؓ کی شادی اس شخص سے ہو گی جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کا نکاح اس سے ہو گا جو حفصہؓ سے بہتر ہے -"

اس کے بعد حضورؐ نے حضرت حفصہؓ سے نکاح کر لیا اور اپنی دوسری بیٹی حضرت اُم کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا -

(۲)

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُم المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش کے ہاں معمول سے زیادہ دیر ہو گئی - کیونکہ حضورؐ وہاں شہد کھانے میں مشغول رہے جو کسی نے حضرت زینبؓ کو ہدیۃً بھیجا تھا - حضرت عائشہؓ کو بمقتضائے فطرت رشک پیدا ہوا - ان میں اور حضرت حفصہؓ میں بہناپا تھا - چنانچہ وہ حضرت حفصہؓ کے پاس گئیں، صورت واقعہ بیان کی اور کہا کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس تشریف لائیں تو ان سے کہنا - "یا رسول اللہؐ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے -"

یہ ایک لطیف اشارہ تھا۔ مغافیر ایک قسم کا پھول ہے جسے شہد کی مکھی چوستی ہے۔ اس میں ذرا ناخوشگوار سی بُو ہوتی ہے۔ اور رسولِ اطہرؐ کو بُو سے سخت نفرت تھی۔ مقصد یہ کہ حضورؐ نے حضرت زینبؓ کے ہاں سے جو شہد کھایا اس کی وجہ سے مغافیر کی بُو دہن مبارک سے آتی ہے۔ حضرت حفصہؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ویسے ہی کہا۔ حضورؐ نے اسے سخت ناپسند فرمایا کہ مغافیر کی بُو آپؐ کے دہن مبارک سے آئے۔ فرمایا۔ آئندہ میں کبھی شہد نہ کھاؤں گا۔

اس پر آیت تحریم نازل ہوئی :

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ (سورہ تحریم)

یعنی "اے نبیؐ اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو۔"

بعض ارباب سیر آیت وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت حفصہؓ سے کوئی راز کی بات کہی اور وہ انہوں نے فاش کر دی۔ قاضی سلمان منصور پوری نے "رحمۃ للعالمین" میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ جب رب العزت کو اپنے حبیبؐ کے گھرانے کی عزت و حرمت کا اتنا پاس ہے کہ کسی کا نام نہیں لیا تو ہم کو بھی اس بارہ میں جرأت نہیں کرنی چاہیے۔

(۳)

صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حفصہؓ کے مزاج میں کسی قدر تیزی تھی اور وہ کبھی کبھار رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بیباکی سے جواب دیتی تھیں۔ ایک دن ان کے پدرِ محترم حضرت عمر فاروقؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے حضرت حفصہؓ سے پوچھا :

"میں نے سُنا ہے کہ تم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟"

حضرت حفصہؓ نے جواب دیا : "بیشک میں ایسا کرتی ہوں۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے ان سے فرمایا:

"بیٹی خبردار میں تمہیں خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں تم اس خاتون (حضرت عائشہؓ) کی ریس نہ کرو جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے۔"

حضرت حفصہؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر قسم کے مسائل پوچھنے میں بھی بیباک تھیں۔ ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا۔ "اصحاب بدر و حدیبیہ جہنم میں داخل نہ ہوں گے۔" حضرت حفصہؓ نے کہا۔ "یا رسول اللہؐ خدا تو فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا تم میں سے ہر ایک وارد جہنم ہوگا۔

حضورؐ نے فرمایا: ہاں مگر یہ بھی تو ہے: "ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا" "پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں زانوؤں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔"

مزاج کی فطری تیزی کے باوجود حضرت حفصہؓ نہایت خداترس تھیں اور اپنا بیشتر وقت عبادت الٰہی میں گزارتی تھیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں یہ حدیث ان کی شان میں بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل امینؑ نے حضرت حفصہؓ کے بارے میں یہ الفاظ حضورؐ کے سامنے کہے:

"وہ بہت عبادت کرنے والی، بہت روزے رکھنے والی ہیں (اے محمدؐ) وہ جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہیں۔"

(۴)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کی تعلیم کا خاص اہتمام فرمایا۔ مسند احمدؒ میں ہے کہ حضورؐ کے ارشاد کے مطابق حضرت شفاءؓ بنت عبداللہ عدویہ نے ان کو لکھنا سکھایا۔ امام احمدؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت شفاءؓ نے ان کو چیونٹی کاٹنے کا منتر بھی سکھایا۔ بعض اہل سیر نے لکھا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کے تمام کتابت شدہ اجزاء کو یکجا کر کے حضرت حفصہؓ کے پاس رکھوا دیا۔ یہ اجزاء حضورؐ کی وفات

کے بعد تا زندگی اللہ کے پاس رہے۔ یہ ایک عظیم الشان شرف تھا جو حضرت حفصہؓ کو حاصل ہوا۔

حضرت حفصہؓ دجّال کے شر سے بہت ڈرتی تھیں۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ مدینہ میں ایک شخص ابنِ صیاد تھا۔ اس میں دجّال کی بعض علامات پائی جاتی تھیں۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو راستے میں مل گیا۔ انھوں نے اس کی بعض حرکتوں پر اظہارِ نفرت کیا۔ ابنِ صیاد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ انھوں نے اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت حفصہؓ کو خبر ہوئی تو بھائی سے کہنے لگیں:

"تم اس سے کیوں اُلجھتے ہو، تمہیں معلوم نہیں حضورؐ نے فرمایا کہ دجّال کے خروج کا محرک اس کا غصّہ ہوگا"

حضرت حفصہؓ نے ۴۵ ہجری میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ مدینہ کے گورنر مروان نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور کچھ دور تک جنازہ کو کندھا دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ جنازہ کو قبر تک لے گئے پھر ام المؤمنینؓ کے بھائی حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور بھتیجوں نے قبر میں اتارا۔

وفات سے پیشتر حضرت عبداللہؓ کو وصیت کی کہ ان کی غابہ کی جائداد کو صدقہ کر کے وقف کر دیں۔ حضورؐ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت حفصہؓ علم و فضل کے لحاظ سے بھی بڑے بلند مرتبے پر فائز تھیں۔ ان سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں چار متفق علیہ ہیں۔ چھ صحیح مسلم میں اور باقی دیگر کتب احادیث میں ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہ

(۱)

زینبؓ نام، اُمّ المساکین لقب۔ خزیمہ بن حارث بن عبداللہ بن عمرو بن عبدِ مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ کی بیٹی تھیں۔

شروع ہی سے نہایت دریا دل اور کشادہ دست تھیں، فقیروں اور مسکینوں کی امداد کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتی تھیں اور بھوکوں کو نہایت فیاضی سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ ان صفات کی وجہ سے لوگوں میں "اُمّ المَسَاکین" کے لقب سے مشہور ہو گئی تھیں۔ ان کا پہلا نکاح حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہؓ بن جحش سے ہوا جو جلیل القدر صحابی تھے۔ ۳ہجری میں جنگِ اُحُد کے موقع پر حضرت عبداللہؓ بن جحش نے لڑائی سے پہلے دعا مانگی:

"اے خالقِ کون و مکان مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور غضب ناک ہو۔ میں تیری راہ میں لڑتا ہوا اس کے ہاتھ سے قتل ہو جاؤں اور وہ میرے ہونٹ، ناک اور کان کاٹ ڈالے تاکہ میں تجھ سے ملوں اور تو پوچھے کہ اے عبداللہ تیرے ہونٹ ناک اور کان کیوں کاٹے گئے تو میں عرض کروں الٰہی تیرے اور تیرے رسولؐ کے لیے۔"

بارگاہِ الٰہی میں ان کی دعا قبول ہوئی اور ملہمِ غیبی نے انہیں شہادت کی بشارت دی۔ چنانچہ فرمایا:

"خدا کی قسم میں دشمن سے لڑوں گا حتیٰ کہ وہ مجھے قتل کر کے میری لاش کا مُثلہ کرے گا۔"

چنانچہ اُحد کے معرکۂ کارزار میں حضرت عبداللہ بن جحش رض اس جوش سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ حضور ص نے انھیں کھجور کی ایک چھڑی عطا فرمائی جس سے انھوں نے تلوار کا کام لیا۔ اسی حالت میں لڑتے لڑتے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ مشرکین نے ان کے ہونٹ، ناک، کان کاٹ کر دھاگے میں پرو دئے اور یوں ان کی تمنا پوری ہو گئی۔

(۲)

حضرت عبداللہ رض کی شہادت کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سال حضرت زینب رض بنتِ خزیمہ سے نکاح کر لیا۔ حقِ مہر بارہ اوقیہ قرار پایا۔ اس وقت حضرت زینب رض کی عمر تقریباً تیس سال کی تھی۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آئے ہوئے انھیں دو تین مہینے ہی گزرے تھے کہ پیغامِ اجل آ گیا۔ خیر البشر ص نے خود نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن فرمایا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کے بعد حضرت زینب رض بنتِ خزیمہ ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں رخصت ہوئیں۔ دوسری سب ازواجِ مطہرات نے حضور ص کے بعد وفات پائی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ

(۱)

نام ہند، کنیت اُمِّ سلمہؓ، قریش کے خاندانِ مخزوم سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:
ہند بنتِ ابی مغیرہ (ابن مغیرہ) بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔ ماں کا نام عاتکہ بنتِ عامر تھا
اور وہ خاندانِ فراس سے تھیں۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ کے والد ابو اُمیہ ایک دولت مند اور بے حد فیاض آدمی تھے۔
ان کی سخاوت اور دریا دلی کی شہرت چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ بیسیوں لوگ ان
کے دسترخوان پر پلتے تھے۔ اگر کبھی سفر کرتے تو اپنے تمام ہمراہیوں کی خوراک اور
دوسری ضروریات کی کفالت انہی کے ذمہ ہوتی۔ ان فیاضیوں کی بدولت لوگوں نے
انھیں "زاد الراکب" کا لقب دے رکھا تھا اور وہ تمام قبائلِ قریش میں نہایت عزت و
احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ کا پہلا نکاح ان کے چچا زاد بھائی ابو سلمہؓ بن عبد الاسد سے
ہوا۔ وہ نہایت سلیم الطبع نوجوان تھے۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغِ حق کا آغاز
فرمایا تو ناممکن تھا کہ ان کی پاکباز طبیعت اس سے متاثر نہ ہوتی۔ انہوں نے اپنے قبیلہ
کی مخالفت اور دوسرے مصائب کے علی الرغم فی الفور اسلام قبول کر لیا۔ حضرت
اُمِّ سلمہؓ بھی اسی زمانہ میں دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئیں۔ اس طرح یہ دونوں
میاں بیوی ان عظیم پاک فطرت انسانوں میں شامل ہو گئے جنہیں سابقون الاولون بننے
کا شرف حاصل ہوا۔ ان سعید روحوں نے اسلام کی خاطر بڑی مصیبتیں اٹھائیں لیکن
جادۂ حق سے ان کے قدم ذرہ برابر بھی نہ ڈگمگائے۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی

جاتی تھی، کفار بھی اپنی ایذا رسانیوں میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔ جب ان کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو اجازت دے دی کہ جو شخص اپنے دین اور جان کے بچاؤ کے لیے ہجرت کرنا چاہے وہ حبش چلا جائے جہاں ایک نیک دل عیسائی بادشاہ کی حکومت ہے۔

حضرت ابو سلمہؓ اور اُمِ سلمہؓ اس وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔ چنانچہ (بعض روایتوں کے مطابق) وہ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ عازمِ حبش ہوئے۔ کچھ دن وہاں گزارنے کے بعد واپس آگئے اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا قصد کیا۔ اس وقت حضرت ابو سلمہؓ کے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا۔ اس پر انھوں نے حضرت اُمِ سلمہؓ اور اپنے ننھے بچے سلمہ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پاپیادہ چل پڑے۔ ابھی چند قدم ہی چلے ہوں گے کہ اُمِ سلمہؓ کے خاندان کے لوگوں یعنی بنو مغیرہ کو پتہ چل گیا۔ انھوں نے اونٹ کو گھیر لیا۔ اور ابو سلمہؓ سے کہا کہ تم جا سکتے ہو، لیکن ہماری لڑکی تمھارے ساتھ نہیں جا سکتی۔ یہ کہہ کر انھوں نے اونٹ کی نکیل ابو سلمہؓ کے ہاتھ سے چھین لی اور اُمِ سلمہؓ کو زبردستی اپنے ساتھ لے چلے۔ اتنے میں ابو سلمہؓ کے خاندان کے لوگ بنو عبدالاسد آپہنچے۔ انھوں نے اُمِ سلمہؓ کے بچے سلمہ پر قبضہ کر لیا اور بنو مغیرہ سے کہا کہ اگر تم اپنی لڑکی کو ابو سلمہؓ کے ساتھ نہیں جانے دیتے تو ہم اپنے قبیلہ کے بچے کو تمہارے پاس نہیں چھوڑیں گے۔ ابو سلمہؓ سے کہا۔ "تو اکیلا جہاں جی چاہے جا سکتا ہے۔"

(۲)

اس وقت صحابہؓ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا اِذن مل چکا تھا۔ حضرت ابو سلمہؓ بیوی بچے کے بغیر ہی مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اُمِ سلمہؓ بنو مغیرہ کے پاس اور ان کا بچہ بنو عبدالاسد کے پاس تھے۔ گویا دینِ حق کی خاطر تینوں، باپ بیٹا اور بیوی جدائی کی مصیبتیں برداشت کر رہے تھے۔ حضرت اُمِ سلمہؓ کو شوہر اور بچے کی جدائی کا فطری طور پر بہت صدمہ تھا۔ وہ روزانہ صبح کے وقت گھر سے نکلتیں اور

سارا دن ایک ٹیلے پر بیٹھ کر گریہ زاری کرتی رہتیں۔ پورا ایک سال ایسے ہی گزر گیا۔ ایک دن بنو مغیرہ کے ایک صاحب اثر اور رحم دل آدمی نے انھیں اس حال میں دیکھا تو اس کا دل پسیج گیا۔ اس نے اپنے قبیلہ کو اکٹھا کیا اور کہا کہ "یہ لڑکی ہمارا ہی خون ہے ہم کب تک اس بیکس کو اپنے شوہر اور بچے سے جدا رکھیں گے۔ اے بنو مغیرہ بخدا ہمارا قبیلہ بڑا شریف اور شجاع ہے جو ظلم کو دوست نہیں رکھتا۔" اس نیک دل آدمی کی تقریر سن کر دوسرے لوگوں کو بھی رحم آگیا۔ انھوں نے اُمّ سلمہؓ کو اجازت دے دی کہ وہ مدینہ جا سکتی ہیں۔ جب بنو عبدالاسد نے یہ واقعہ سنا تو انھیں بھی ترس آگیا اور انھوں نے سلمہ کو اپنی ماں کے پاس بھیج دیا، اب حضرت اُمّ سلمہؓ نے بچے کو گود میں لیا اور اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں تنعیم کے مقام پر انھیں ایک شریف النفس آدمی عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ ملے۔ انھوں نے جب اُمّ سلمہؓ کو ایک ننھے بچے کے ہمراہ تن تنہا سفر کرتے دیکھا تو دل میں آیا "اے عثمان یہ مردانگی سے بعید ہے کہ قریش کی یہ عورت یوں تنہا سفر کرے اور تو اس کی مدد نہ کرے۔" انھوں نے اُمّ سلمہؓ کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور کشاں کشاں مدینہ کی طرف چل پڑے۔ جب کہیں پڑاؤ ہوتا تو وہ کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے اور چلنے کے وقت اونٹ تیار کر کے لے آتے۔ غرض یونہی چلتے چلاتے وہ قبا پہنچے۔ ابو سلمہؓ یہاں ہی مقیم تھے۔ عثمان بن طلحہ یہاں سے مکہ واپس چلے گئے اور اُمّ سلمہؓ کی ملاقات اپنے بچھڑے ہوئے شوہر سے ہوئی۔ وہ اپنی نیک سیرت بیوی اور بچہ کو پا کر خدا کا شکر بجا لائے۔

حضرت اُمّ سلمہؓ نے عثمان بن طلحہ کی نیکی کو ہمیشہ یاد رکھا۔ ان کا قول تھا:

"میں نے عثمانؓ بن طلحہ سے زیادہ ساتھ دینے والا شریف آدمی نہیں دیکھا۔"

(۳)

۳ھ ہجری میں حضرت ابو سلمہؓ جنگِ اُحد میں شریک ہوئے اور نہایت پامردی سے دادِ شجاعت دی۔ ان کا بازو ایک زہریلے تیر سے زخمی ہو گیا۔ علاج

سے وقتی طور پر صحت یاب ہو گئے لیکن چند ماہ بعد یہ زخم پھر ہرا ہو گیا اور اسی کی تکلیف سے واصل بحق ہو گئے۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ بار بار پکارتی تھیں۔

"ہائے ہائے غربت میں کیسی موت آئی ہے۔"

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کی خبر ملی تو حضورؐ خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور اُمِّ سلمہؓ کو صبر کی تلقین فرمائی اور فرمایا ابو سلمہؓ کی مغفرت کی دعا مانگو۔ حضرت ابُو سلمہؓ کی آنکھیں وفات کے وقت کھلی رہ گئی تھیں۔ حضورؐ نے اپنے دستِ مُبارک سے خود ان کی آنکھیں بند کیں۔ ان کی نمازِ جنازہ پڑھتے وقت حضورؐ نے نو تکبیریں کہیں، لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپؐ نے نو تکبیریں کیسے کہیں؟ فرمایا ابو سلمہؓ ہزار تکبیروں کے مستحق تھے۔

(۴)

حضرت ابو سلمہؓ بڑے عظیم المرتبت صحابی تھے ان کی زندگی میں ایک بار حضرت اُمِّ سلمہؓ نے ابو سلمہؓ سے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر اس کی زندگی میں فوت ہو جائے اور وہ عورت اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ اسے بھی جنت میں داخل کرتا ہے۔ اسی طرح کسی مرد کی زندگی میں اس کی بیوی واصل بحق ہو جائے اور وہ مرد اس کے بعد دوسرا نکاح نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس مرد کو بھی فردوسِ بریں میں جگہ دیتا ہے۔ آؤ ہم دونوں عہد کرلیں کہ ہم میں سے جو پہلے مرے دوسرا اس کے بعد مجرد زندگی گزارے۔"

حضرت ابُو سلمہؓ نے فرمایا۔ "کیا تم میرا کہا مانو گی؟"

حضرت اُمِّ سلمہؓ نے جواب دیا۔ "کیوں نہیں۔ اس سے بڑھ کر میرے لیے کیا سعادت ہو سکتی ہے۔"

حضرت ابو سلمہؓ نے فرمایا۔ "تو سُنو اگر میں پہلے مر جاؤں تو تم میرے بعد ضرور نکاح کر لینا۔"

پھر حضرت ابوسلمہؓ نے دُعا مانگی:

"اے مولائے کریم اگر میں اُمِ سلمہؓ کی زندگی میں مر جاؤں تو تُو اُسے مجھ سے بہتر جانشین دے۔"

ایک روایت میں ہے کہ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہؓ کی وفات پر تعزیت کے لئے حضرت اُمِ سلمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے تو آپؐ نے بھی اُمِ سلمہؓ کو تلقین کی کہ "اے اُمِ سلمہؓ ابوسلمہؓ کے حق میں دعائے خیر مانگو اور اللہ سے التجا کرو کہ وہ تمہیں ابوسلمہؓ سے بہتر جانشین دے۔"

حضرت اُمِ سلمہؓ سوچا کرتیں کہ ابوسلمہؓ سے بہتر کون ہو سکتا ہے۔ تاآنکہ وہ حضورؐ کے نکاح میں آگئیں۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اُمِ سلمہؓ کی کس مپرسی کے خیال سے انھیں نکاح کا پیغام بھیجا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت اُمِ سلمہؓ کی کس مپرسی اور بے مائگی سے بہت متاثر تھے اور ابوسلمہؓ اور اُمِ سلمہؓ نے راہِ حق میں جو مصیبتیں اٹھائی تھیں، حضورؐ کو ان کو بیحد احساس تھا۔ چنانچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروقؓ کی معرفت اُمِ سلمہؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے قبول کر لیا اور شوال ۴ھ میں وہ حضورؐ کے نکاح میں آگئیں۔ نکاح کے بعد وہ حضرت زینبؓ بنتِ خزیمہؓ کے گھر لائی گئیں جو وفات پا چکی تھیں۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے پہلے ہی دن اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کیا۔ حضورؐ نے اُمِ سلمہؓ کو خرمے کی چھال سے بھرا ہُوا ایک چرمی تکیہ، دو مشکیزے اور دو چکیاں عطا فرمائیں۔

حضورؐ سے نکاح کے بعد بھی انھوں نے اپنے پہلے شوہر کی اولاد کی پرورش نہایت شفقت اور توجہ سے کی۔ ایک دفعہ رسولِ کریمؐ سے پوچھا، "یا رسولؐ اللہ!

مجھے ان بچوں کی پرورش کا اجر ملے گا یا نہیں۔" فرمایا "ہاں"

حضرت سفینہؓ حضرت اُمّ سلمہؓ کے غلام تھے۔ انھوں نے سفینہؓ کو اس شرط پر آزاد کر دیا کہ وہ زندگی بھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کریں گے۔

(۵)

حضرت ابو لبابہ انصاریؓ ایک سادہ دل صحابی تھے۔ غزوہ احزاب کے بعد حضورؐ نے بنو قریظہ کے شریر اور بد عہد یہودیوں کا محاصرہ کیا تو آپؐ نے حضرت ابو لبابہؓ کو یہودیوں سے گفتگو کے لیے بھیجا۔ دوران گفتگو میں ان سے ایک ایسا اشارہ ہو گیا جس سے مترشح ہوتا تھا کہ حضورؐ کا ارادہ یہودیوں کو قتل کرنے کا ہے۔ حضرت ابو لبابہؓ کو بعد میں احساس ہوا کہ انھوں نے مسلمانوں کا راز افشا کیا ہے تو بہت منفعل ہوئے۔ اپنی غلطی کی تلافی کے لیے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا اور توبہ استغفار میں مشغول ہو گئے۔

چند دن بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمّ سلمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ صبح اٹھے تو چہرہ اقدس متبسم تھا۔ فرمایا آج ابو لبابہؓ کی توبہ قبول ہو گئی۔

حضرت اُمّ سلمہؓ کو بھی بے حد مسرت ہوئی۔ عرض کی "یا رسول اللہؐ اگر اجازت ہو تو ابو لبابہؓ کو خوشخبری سنا دوں۔"

فرمایا۔ "ہاں اگر چاہو۔"

حضرت اُمّ سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازے پر کھڑی ہو کر پکاریں۔

"ابو لبابہؓ مبارک ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔"

حضرت ابو لبابہؓ سجدہ شکر بجا لائے۔ دوسرے صحابہ کرامؓ میں بھی یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی اور وہ سب ابو لبابہؓ کو مبارکباد دینے مسجد نبوی میں اکٹھے ہو گئے۔

(۶)

ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہؓ کے گھر تھے کہ آیۂ تطہیر اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ کا نزول ہوا۔ حضورؐ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو بلایا۔ ان پر اپنا کمبل ڈال دیا اور فرمایا "بارِ الٰہا یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔" حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہؐ کیا میں بھی اہلِ بیت میں سے ہوں۔" فرمایا۔ "تم اپنی جگہ پر ہو اور اچھی ہو۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے جواب میں فرمایا۔

بَلٰی اِنْ شَآءَ اللّٰہ ہاں اگر خدا نے چاہا۔

(۷)

سنہ ۶ ہجری میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ کا عزم فرمایا۔ قریش نے سنا تو انھوں نے مسلمانوں کی مزاحمت کا ارادہ کر لیا۔ حضورؐ کو قریش کے عزائم کا علم ہوا تو آپؐ نے مکہ سے چند میل کے فاصلہ پر حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا اور حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کے ذریعے قریش کو پیغام بھیجا کہ ہمارا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے صرف حج کرنا مقصود ہے۔ حضرت عثمانؓ کے جانے کے بعد افواہ پھیل گئی کہ قریش نے انھیں شہید کر دیا ہے۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہؓ سے جان نثاری کی بیعت لی کہ اگر قریش مکہ سے ان کے ظلم کا انتقام لینے کے لیے لڑنا بھی پڑا تو آخری دم تک لڑیں گے۔ یہ بیعت تاریخ میں "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ اس بیعت کا حال سن کر قریش مرعوب ہو گئے اور انھوں نے ان شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔

۱۔ دس سال تک باہمی صلح رہے گی۔ دونوں طرف سے کسی کی آمد و رفت میں روک ٹوک نہ کی جائے گی۔

۲۔ اگلے سال مسلمانوں کو طوافِ بیت اللہ کی اجازت ہو گی لیکن طواف

کے وقت ان کے پاس کوئی ہتھیار نہ ہوگا۔

۳۔ تمام قبائل مختار ہیں خواہ قریش سے مل جائیں یا مسلمانوں کا ساتھ دیں۔ حلیف قبائل کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

۴۔ اگر قریش کا کوئی شخص مسلمان ہو کر رسولِ کریمؐ کے پاس چلا جائے تو قریش کے طلب کرنے پر اسے واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص مرتد ہو کر قریش کے پاس چلا جائے تو قریش اسے واپس نہ کریں گے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ الٰہی کے ماتحت یہ شرائط منظور کرلیں۔ لیکن عام مسلمان جو مصلحتِ خداوندی کو نہ سمجھ سکے۔ ان شرائط سے بہت شکستہ دل ہوئے کیونکہ انہیں وہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف معلوم ہوتی تھیں۔ حضورؐ نے صلح کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ قربانی کریں۔ شکستہ دل صحابہؓ نے قربانیاں دینے میں کچھ تامل کیا۔ حضورؐ اس سے ملول ہوئے۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ آپؐ کے ہمراہ تھیں آپؐ نے ان سے ذکر کیا تو انھوں نے مشورہ دیا۔ "یا رسول اللہؐ مسلمانوں نے آپؐ کا فرمان اچھی طرح نہیں سمجھا۔ آپؐ خود باہر نکل کر قربانی کریں اور احرام اتارنے کے لیے بال منڈوائیں۔" حضورؐ نے حضرت اُمِّ سلمہؓ کا مشورہ قبول کرلیا، اور کسی سے کچھ کہے بغیر خود ہی قربانی کی اور احرام اتارا، جب صحابہ کرامؓ نے دیکھا کہ حضورؐ کا فرمان حتمی ہے تو سب نے دھڑا دھڑ قربانیاں کیں اور سر کے بال منڈوا دیئے۔

(۸)

حضرت اُمِّ سلمہؓ کو حدیث سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن بال گندھوا رہی تھیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور خطبہ دینا شروع کیا، ابھی زبانِ مبارک سے اَیُّهَا النَّاس ہی نکلا تھا کہ مشاطہ کو حکم دیا کہ "بال باندھ دو۔" اس نے کہا۔ "اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو حضورؐ نے اَیُّهَا النَّاس ہی فرمایا ہے۔" حضرت اُمِّ سلمہؓ اٹھ کھڑی ہوئیں اپنے بال خود باندھے اور برہمی سے بولیں۔ "کیا ہم

آدمیوں میں شامل نہیں ہیں؟" اس کے بعد بڑے انہماک سے پورا خطبہ سنا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت عقیدت تھی، حضورؐ کے موئے مبارک تبرکاً چاندی کی ایک ڈبیہ میں محفوظ رکھے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ صحابہؓ میں سے کسی کو تکلیف پہنچتی تو وہ ایک پیالہ پانی سے بھر کر ان کے پاس لاتے وہ موئے مبارک نکال کر اس پانی میں حرکت دے دیتیں۔ اس کی برکت سے تکلیف دُور ہو جاتی

مسند احمدؒ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت اُمِّ سلمہؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہمارا قرآن میں ذکر نہیں۔

حضورؐ ان کی بات سن کر منبر پر تشریف لے گئے اور یہ آیت پڑھی:

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ سنہ ۱۱ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے تو حضرت اُمِّ سلمہؓ حضورؐ کی خبر گیری کے لیے اکثر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں جاتی تھیں۔ ایک دن حضورؐ کو بہت علیل دیکھا تو ان کی چیخ نکل گئی۔ حضورؐ نے منع فرمایا کہ مصیبت میں چیخنا مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ کی زندگی نہایت زاہدانہ تھی، عبادتِ الٰہی سے بڑا شغف تھا۔ ہر مہینہ میں تین روزے بالالتزام رکھتی تھیں (رمضان المبارک کے روزوں کے علاوہ)۔ اوامر و نواہی کی بھی بے حد پابند تھیں

ایک مرتبہ ایک ہار پہن لیا جس میں کچھ سونا بھی شامل تھا۔ حضورؐ نے اس کو ناپسند فرمایا تو اس کو اتار ڈالا (یا توڑ دیا)

مسند احمد بن حنبلؒ میں روایت ہے کہ سنہ ۶۱ ہجری میں جس دن امام حسینؓ نے اپنے عظیم المرتبت رفقاء کے ساتھ دشتِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کیا حضرت اُمِّ سلمہؓ نے خواب میں دیکھا کہ رحمتِ دو عالمؐ تشریف لائے ہیں۔ سر اور ریش مبارک غبار آلود ہے اور بہت غمزدہ ہیں۔

حضرت اُمِّ سلمہؓ نے پوچھا "یا رسول اللہؐ کیا حال ہے۔"

فرمایا۔ "حسینؓ کے مقتل سے آرہا ہوں۔"

حضرت اُمِ سلمہؓ کی آنکھ کھل گئی، بے اختیار رونے لگیں اور بلند آواز سے فرمایا۔ "عراقیوں نے حسینؓ کو قتل کیا۔ خدا انہیں قتل کرے، انھوں نے حسینؓ سے دغا کی، خدا اُن پر لعنت کرے۔"

(۹)

حضرت اُمِ سلمہؓ اپنے باپ کی مانند بے حد سخی تھیں، دوسروں کو بھی سخاوت کی ترغیب دیتی تھیں۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل ان کے گھر سے خالی ہاتھ چلا جائے۔ زیادہ نہ ہوتا تو تھوڑا یا جو کچھ بھی ہوتا سائل کو دے ڈالتیں۔ ایک مرتبہ چند مساکین جن میں عورتیں بھی تھیں ان کے گھر آئے اور بڑی لجاجت سے سوال کیا، اُمِ الحسنؓ ان کے پاس بیٹھی تھیں۔ انھوں نے ان کو سخت سست کہا۔ حضرت اُمِ سلمہؓ نے ان کو روکا اور فرمایا، ہم کو اس کا حکم نہیں۔ پھر لونڈی کو حکم دیا کہ ان کو خالی ہاتھ نہ جانے دو۔ اور کچھ نہ ہو تو ایک ایک چھوہارا ان کے ہاتھ پر رکھ دو۔

حضرت اُمِ سلمہؓ سے ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں۔ فضل وکمال میں حضرت عائشہؓ کے بعد انہی کا درجہ مانا جاتا ہے۔ قرآن کی قرأت نہایت عمدہ طریقے سے کرتی تھیں اور یہ حضورؐ کی قرأت سے مشابہت رکھتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خوبروئی، علم، ذہانت اور اصابتِ رائے کی نعمتوں سے کافی حصہ دیا تھا۔

علامہ ابنِ قیمؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُمِ سلمہؓ کے فتاویٰ سے ایک چھوٹا سا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ ان کے فتاویٰ بالعموم متفق علیہ ہیں۔

حضرت اُمِ سلمہؓ نے ۶۳ ہجری میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صلبِ مبارک سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ چار بچے (دو لڑکے اور دو لڑکیاں) ابوسلمہؓ سے تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ سلمہؓ حبشہ میں پیدا ہوئے۔ رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت حمزہؓ کی دختر امامہؓ کا نکاح انہیں سے کیا تھا۔

۲۔ عمرؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے عہدِ خلافت میں بحرین اور فارس کے عامل تھے

۳ و ۴۔ زینبؓ اور دُرّہؓ (بروایت دیگر رقیّہؓ) صاحبزادیاں تھیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت زینب رضؓ بنتِ جحش

(۱)

نام زینبؓ ۔کنیت ام الحکم ۔ ان کا تعلق قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے تھا۔سلسلۂ نسب یہ ہے :

زینب بنتِ جحش بن رُباب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ

ماں کا نام امیمہ بنتِ عبدُالمُطّلِب تھا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔اس لحاظ سے حضرت زینبؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

حضرت زینبؓ ان خوش قسمت لوگوں میں تھیں جنھوں نے سابقون الاولون بننے کا شرف حاصل کیا۔ ۱۳ھ بعد بعثت میں اپنے اہلِ خاندان کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئیں۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے تھے۔حضورؐ اُنھیں بےحد محبوب رکھتے تھے اسی لیے آپؐ نے حضرت زینبؓ کا نکاح حضرت زیدؓ بن حارثہ سے کر دیا۔علاّمہ ابنِ سعدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ کو بعض وجوہ کی بنا پر یہ رشتہ پسند نہ تھا۔اس لیے انھوں نے نکاح سے پہلے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی :

"یا رسولؐ اللہ میں زیدؓ کو اپنے لیے پسند نہیں کرتی ۔"

لیکن حضورؐ اس نکاح میں بہتری سمجھتے تھے۔اس لیے آپؐ کے منشا کے مطابق حضرت زیدؓ کا عقد حضرت زینبؓ سے ہو گیا۔لیکن دونوں میں نباہ نہ ہو سکا۔

تقریباً ایک برس بعد حضرت زیدؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ " یا رسولؐ اللہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہے میں اُسے طلاق دینا چاہتا ہوں ۔ "

حضورؐ نے انھیں سمجھایا کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ فعل نہیں ہے۔ چنانچہ سورۂ احزاب کی اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ

ترجمہ : اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا، یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں رکھو اور خدا سے ڈرو۔

بہرحال حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کا نباہ نہ ہونا تھا نہ ہوا، اور حضرت زیدؓ نے بالآخر حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی۔

جب حضرت زینبؓ ایامِ عدت پورے کر چکیں تو حضورؐ نے خود ان سے نکاح کرنا چاہا لیکن عرب میں اس وقت تک رسومِ جاہلیت کا اثر باقی تھا اور لوگ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھتے تھے۔ چونکہ حضرت زیدؓ حضورؐ کے منہ بولے بیٹے تھے اور لوگوں میں زیدؓ بن محمدؐ کے نام سے مشہور تھے۔ اس لیے حضورؐ کو عام لوگوں (اور بالخصوص منافقوں) کے اعتراض کے خیال سے اس نکاح میں تامل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو چونکہ جاہلیت کی رسوم کا مٹانا منظور تھا اس لیے یہ آیت نازل ہوئی :

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ (احزاب)

(ترجمہ : تم اپنے دل میں وہ بات چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں معترضین کو متنبہ کیا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ

خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

"(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔"

اور پھر حکم ہوا

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ

"لوگوں کو ان کے (حقیقی) باپ کے نام سے پکارو"

اب کوئی امر مانع نہیں تھا چنانچہ حضورؐ نے یہ خدمت حضرت زیدؓ ہی کو تفویض کی کہ وہ آپؐ کا پیغامِ نکاح لے کر حضرت زینبؓ کے پاس جائیں۔ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کے گھر گئے اور کہا:

"زینبؓ رسول اللہ تم سے نکاح کے خواہشمند ہیں۔"

حضرت زینبؓ نے جواب دیا۔ "میں خدا کے حضور استخارہ کرتی ہوں۔" یہ کہہ کر مصلے پر کھڑی ہوگئیں، اِدھر اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہ وحی بھیجی:

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا

(پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کرچکا تو ہم نے وہ (مطلقہ خاتون) تیرے نکاح میں دی)

گویا اللہ تعالیٰ نے خود حضورؐ کا نکاح حضرت زینبؓ سے کر دیا۔ اس کے بعد حضورؐ حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔

صبح کو دعوتِ ولیمہ ہوئی جس میں روٹی اور سالن کا انتظام کیا گیا۔ حضورؐ نے حضرت انسؓ کو لوگوں کے بلانے کے لیے بھیجا، تین سو آدمی دعوت میں شریک ہوئے۔ دس دس کی ٹکڑیوں میں آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ چند لوگ کھانا کھا کر باتوں میں مشغول ہوگئے اور اٹھنے کا خیال ہی نہ رہا۔ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ازراہِ مروت انہیں اٹھنے کے لیے نہ فرماتے اور بار بار اندر آتے اور باہر جاتے۔ اسی مکان میں حضرت زینبؓ بھی دیوار کی طرف منہ

کیے بیٹھی تھیں۔ جب بہت دیر ہوئی تو حضورؐ کو تکلیف ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب نازل کی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ ۖ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۚ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ ۚ (احزاب)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہ چلے آیا کرو۔ نہ کھانے کا وقت تکتے رہو۔ ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، پھر جب کھا چکو تو چلے جاؤ اور باتوں میں نہ لگ جاؤ کیونکہ اس بات سے نبیؐ کو تکلیف ہوتی ہے سو وہ تمہارے لحاظ سے کچھ نہیں کہتے مگر اللہ کو حق بات کہنے میں کوئی شرم نہیں اور جب تم اُن (ازواج مطہراتؓ) سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کی آڑ سے مانگو۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضورؐ نے مکان کے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور لوگوں کو گھر کے اندر داخل ہونے کی ممانعت ہو گئی۔

حضرت زینبؓ کا نکاح کئی خصوصیات کا مظہر تھا۔

(۱) جاہلیت کی رسم کہ متبنیٰ حقیقی بیٹے کا درجہ رکھتا ہے۔ مٹ گئی۔

(۲) لوگوں کو حکم ہوا کہ کسی کو حقیقی باپ کے علاوہ دوسرے (منہ بولے باپ) سے منسوب نہ کرو۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے حضرت زینبؓ کا نکاح وحی کے ذریعے کیا۔

(۴) نہایت شاندار ولیمہ کیا گیا جس میں بکری کا گوشت اور روٹی اور حضرت اُمِ سُلیمؓ کا بھیجا ہوا مالیدہ تھا۔ بکثرت لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔

(۵) اس موقع پر آیتِ حجاب نازل ہوئی اور پردہ کا رواج ہوا۔

یہی خصوصیات تھیں جن کی بنا پر حضرت زینبؓ کو حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ہمسری کا دعوےٰ تھا۔

(۲)

حضرت زینبؓ نہایت دیندار، پرہیزگار، حق گو اور مخیر تھیں۔ ان کی عبادت و زہد کا خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ مہاجرین کی ایک جماعت میں مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ حضرت زینبؓ بھی اس موقع پر موجود تھیں۔ انہوں نے کوئی ایسی بات کہی جو حضرت عمر فاروقؓ کو ناگوار گزری۔ انھوں نے ذرا تلخ لہجے میں حضرت زینبؓ کو دخل دینے سے منع کیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عمرؓ ان سے کچھ نہ کہو یہ اَوَّاہ (یعنی بڑی عبادت گزار اور خدا سے ڈرنے والی) ہیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

"میں نے دین کے معاملہ میں زینبؓ سے بہتر کوئی عورت نہیں دیکھی۔"

واقعہ افک میں حضرت زینبؓ کی حقیقی بہن حمنہؓ بنت جحش بھی غلط فہمی کا شکار ہو گئی تھیں لیکن جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ سے حضرت عائشہؓ کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا:

"میں عائشہؓ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں پاتی۔"

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواجِ مطہراتؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

"تم میں سے وہ مجھے جلد ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا۔"

لمبے ہاتھ سے حضورؐ کی مراد فیاضی تھی۔ حضرت زینبؓ بے حد فیاض اور مخیر تھیں۔ چنانچہ اس پیش گوئی کا مصداق ثابت ہوئیں اور حضورؐ کے بعد تمام ازواجِ مطہرات میں سب سے پہلے انھوں نے ہی وفات پائی۔ حضرت زینبؓ خود اپنے دست و بازو سے روزی کماتی تھیں۔ وہ فنِ دباغت جانتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی تھی، خدا کی راہ میں صدقہ کر دیتی تھیں۔

(۳)

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت زینبؓ کا وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا۔ وہ یہ وظیفہ ملتے ہی حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ سالانہ وظیفہ ملا تو اس کو اپنے رشتہ داروں اور یتیموں میں تقسیم کر کے دعا کی "اے اللہ! آئندہ یہ مال مجھ کو نہ ملے کیونکہ یہ فتنہ ہے"۔

حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: "زینبؓ بڑی مخیر ہیں"۔

پھر مزید ایک ہزار درہم حضرت زینبؓ کی خدمت میں بھیجے۔ انھوں نے وہ بھی فوراً خیرات کر دیئے۔

حضرت زینبؓ نے ترپن ۵۳ برس کی عمر میں سنہ ۲۰ ہجری میں وفات پائی۔ ان کے انتقال سے مدینہ کے فقراء و مساکین میں حشر برپا ہو گیا۔ کیونکہ وہ ان کی مربی و دستگیر تھیں۔ وفات کے وقت سوائے ایک مکان کے کوئی ترکہ نہ چھوڑا، سب کچھ اپنی زندگی میں راہِ خدا میں لٹا چکی تھیں۔ وفات کے وقت سوائے ایک مکان کے کوئی ترکہ نہ چھوڑا، وفات سے کچھ دیر پہلے وصیت کی کہ مجھے تابوتِ رسول اللہ پر اٹھایا جائے چنانچہ ان کی وصیت پوری کی گئی۔ وفات کے دن شدید گرمی تھی، حضرت عمرؓ نے قبر کی جگہ پر خیمہ لگوا دیا۔

نمازِ جنازہ فاروقِ اعظمؓ نے پڑھائی۔ حضرات محمدؓ بن عبداللہ بن جحش، اسامہؓ بن زیدؓ، عبداللہ بن ابی احمد اور محمدؓ بن طلحہؓ نے قبر میں اتارا۔ حضرت عائشہؓ نے ان کی وفات پر فرمایا:

ذَهَبَتْ حَمِيدَةٌ فَقِيدَ مَفزَعِ الْيَتَامىٰ وَالأَرَامِلِ

وہ نیک بخت بے مثل خاتون چلی گئیں اور یتیموں اور رانڈوں کو بے چین کر گئیں۔

حضرت زینبؓ بنت جحش سے گیارہ حدیثیں منقول ہیں جن کے راویوں میں حضرت اُمِ حبیبہؓ اور زینبؓ بنتِ ابی سلمہؓ وغیرہ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہؓ بنت حارث

(۱)

برّہ نام، قبیلۂ خزاعہ کے خاندانِ مصطلق سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:
برّہ بنتِ حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن جذیمہ (مصطلق)
پہلا نکاح اپنے ابنِ عم مسافع بن صفوان (ذی شفر) سے ہوا۔

حضرت جویریہؓ کے والد حارث بنو مصطلق کے سردار تھے۔ انہوں نے قریش کے اشارے سے اپنے قبیلہ کو مدینہ پر حملہ کے لیے تیار کیا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ ۲ شعبان ۵ھ ہجری کو مجاہدین کی ایک جمعیت کے ہمراہ مدینہ سے بنو مصطلق کی طرف روانہ ہوئے۔ حارث کو مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو وہ بھاگ گئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مُریسیع میں قیام کیا۔ یہاں کے لوگوں نے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی، ان کے ۱۱ آدمی مارے گئے اور چھ سو کے قریب گرفتار ہو گئے۔ ان اسیروں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں۔ جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ چونکہ قبیلہ کے رئیس کی بیٹی تھیں، لونڈی بن کر رہنا گوارا نہ ہوا۔ حضرت ثابتؓ سے درخواست کی کہ مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو، وہ راضی ہو گئے اور ۹ اوقیہ سونے کا مطالبہ کیا۔

(۲)

اب حضرت جویریہؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: "مصیبت زدہ ہوں، آزاد ہونا چاہتی ہوں، از راہِ کرم میری مدد فرمایئے۔"
حضورؐ نے فرمایا: "کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ میں تمہارا زرِ مکاتبت ادا کر

دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔"

حضرت جویریہؓ فوراً راضی ہو گئیں۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا زرِ مکاتبت ادا کر کے نکاح کر لیا اور ان کا پہلا نام بَرّہ بدل کر جویریہ نیا نام رکھا۔ اُن کے حرمِ نبویؐ میں داخل ہوتے ہی صحابہ کرامؓ نے قرابتِ نبویؐ کا پاس کرتے ہوئے تمام اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے۔ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر بنو مصطلق کے سو خاندان آزادی کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔

اس واقعہ کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:

"میں نے جویریہؓ سے بڑھ کر کسی عورت کو اپنے قبیلہ کے لیے باعثِ رحمت نہیں پایا۔"

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد کو خبر ملی کہ ان کی بیٹی لونڈی بنا لی گئی ہے تو وہ بہت سا مال و اسباب اونٹوں پر لاد کر بیٹی کی رہائی کے لیے عازمِ مدینہ ہوئے۔ راستہ میں دو اونٹ جو انھیں پسند تھے، عقیق کے مقام پر کسی گھاٹی میں چھپا دیئے اور باقی اونٹ اور مال و اسباب لے کر مدینہ پہنچے۔ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"آپ میری بیٹی کو قید کر لائے ہیں، یہ تمام مال و اسباب لے لیں اور اسے رہا کر دیں۔"

حضورؐ کو غیب سے اطلاع ملی کہ یہ شخص دو اونٹ چھپا آیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "دو اونٹ جو تم چھپا آئے ہو، وہ کہاں ہیں۔"

حارث یہ سُن کر حیران رہ گئے۔ اسی وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چومے اور بطیبِ خاطر اسلام قبول کر لیا۔ جب انھیں بتایا گیا کہ جویریہؓ لونڈی نہیں بنائی گئیں بلکہ حرمِ نبویؐ میں داخل کر لی گئی ہیں تو بے حد مسرور ہوئے اور شاداں و فرحاں بیٹی سے مل کر گھر واپس گئے۔

ایک اور روایت کے مطابق حارث نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میں

رئیسِ عرب ہوں، میری بیٹی لونڈی نہیں بن سکتی۔ آپ اس کو آزاد کردیں۔ حضورؐ نے فرمایا، بہتر یہ ہے کہ معاملہ تمہاری بیٹی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے بیٹی سے کہا کہ محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا ہے۔ دیکھنا مجھے ذلیل نہ کرنا۔ انہوں نے کہا، میں رسول اللہؐ کی غلامی کو پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ حضورؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حارث نے بیٹی کا زرِ فدیہ ادا کر دیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو حضورؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(۳)

حضرت جویریہؓ کو عبادت سے نہایت شغف تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لاتے تو انھیں اکثر عبادت میں مشغول پاتے۔ ایک دن حضورؐ نے انھیں صبح کے وقت مسجد میں عبادت کرتے دیکھا۔ دوپہر کو پھر ادھر سے گزرے تو حضرت جویریہؓ کو اسی حالت میں پایا۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا۔ کیا تم ہمیشہ اسی طرح عبادت کرتی رہتی ہو، جواب دیا "بیشک یا رسول اللہؐ"، حضورؐ نے فرمایا، یہ کلمات پڑھا کرو ان کو تمہاری نفلی عبادت پر ترجیح حاصل ہے۔

سبحان اللّٰہ سبحان اللہ عدد خلقہ سبحان عدد خلقہ سبحان اللہ رضی نفسہ سبحان اللہ رضی لفسہ۔ سبحان اللّٰہ زنہ عرشہ سبحان اللہ زنہ عرشہ سبحان اللہ مداد کلماتہ سبحان اللّٰہ مداد کلماتہ۔

ایک دن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جویریہؓ کے ہاں تشریف لائے اور پوچھا:

"کچھ کھانے کو ہے؟"

عرض کیا: "میری کنیز نے صدقہ کا گوشت دیا تھا بس وہی موجود ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "لے آؤ جس کو صدقہ دیا گیا اس کو پہنچ چکا۔"

حضرت جویریہؓ کو عزتِ نفس کا بھی بہت خیال تھا۔ چنانچہ اسیر ہونے پر

اپنی آزادی کے لیے انھوں نے حتی الامکان پوری کوشش کی۔

حضرت جویریہؓ نے ٦٥ سال کی عمر میں سنہ ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

حضرت جویریہؓ سے چند احادیث منقول ہیں جن کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت اُمِّ حبیبہ رضؓ بنتِ ابوسفیان رضؓ

(۱)

نام رملہ اور کنیت اُمِّ حبیبہؓ تھی۔ نسب نامہ یہ ہے:

اُمِّ حبیبہؓ بنتِ ابوسفیانؓ بن حرب بن اُمیہ بن عبد شمس۔

والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا، جو حضرت عثمان غنیؓ کی پھوپھی تھیں۔ گویا حضرت اُمِّ حبیبہؓ امیر معاویہؓ کی حقیقی اور حضرت عثمانؓ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ وہ بعثتِ نبویؐ سے سترہ سال قبل مکہ میں پیدا ہوئیں۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ کا پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا۔ دونوں نے بعد بعثت کے ابتدائی دور میں اکٹھے ہی اسلام قبول کیا۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کے والد اس وقت اسلام کے سخت ترین دشمن تھے اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ چنانچہ رسول کریمؐ نے جب مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو عبیداللہ بن جحش اور حضرت اُمِّ حبیبہؓ بھی دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حبش کو ہجرت کر گئے۔ حبش پہنچنے کے چند دن بعد عبیداللہ مرتد ہو گئے اور عیسائی مذہب اختیار کر کے شراب نوشی شروع کر دی۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے شوہر کو بہت سمجھایا کہ کیوں اپنی عاقبت خراب کرتے ہو۔ لیکن خدا نے ان کے دل پر مہر لگا دی تھی۔ کوئی اثر نہ ہوا اور عیسائیت میں رندانہ زندگی بسر کرتے ہوئے وفات پائی۔

عبیداللہ کے صلب سے حضرت اُمِّ حبیبہؓ کی ایک بیٹی حبیبہؓ نام کی تھیں۔ ان کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ انہی کے نام کی نسبت سے حضرت رملہ کی کنیت اُمِّ حبیبہؓ مشہور ہوئی۔

(۲)

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب عالمِ غربت میں حضرت اُمِ حبیبہؓ کے بیوہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ان کے ایامِ عدت پورے ہونے کے بعد حضرت عمروؓ بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہِ حبش کے پاس اس غرض کے لیے بھیجا کہ وہ حضورؐ کی طرف سے اُمِ حبیبہؓ کو نکاح کا پیغام دے ۔۔۔ نجاشی نے اپنی ایک لونڈی کے ذریعہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ نکاح حضرت اُمِ حبیبہؓ کو بھیجا۔ انھیں بے حد مسرت ہوئی ۔ اظہارِ تشکر کے طور پر لونڈی کو چاندی کے دو کنگن اور نقرئی انگوٹھیاں عطا کیں، اور حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ شام کو نجاشی نے حضرت جعفرؓ بن ابوطالب اور دوسرے مسلمانوں کو بلا کر خود نکاح پڑھایا ۔ رسمِ نکاح سے فراغت کے بعد حضرت خالدؓ بن سعید نے سب کو کھانا کھلا کر رخصت کیا۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد حضرت اُمِ حبیبہؓ حبش سے مدینہ منورہ آگئیں ۔ حضورؐ ان دنوں خیبر کی مہم پر تشریف لے گئے تھے ۔ یہ اواخر ۶ھ ہجری یا اوائل ۷ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

(۳)

حضرت اُمِ حبیبہؓ بڑی نیک فطرت اور صالح خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قدیم الاسلام ہونے کا شرف عطا کیا ۔ حالانکہ ان کے والد فتح مکہ تک مشرکینِ قریش کی قیادت کرتے رہے ۔ اسلام کی خاطر انھوں نے طویل سفر کی صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں اور حبش میں غربت کی زندگی اختیار کی، حالانکہ ان کا گھرانا تموّل اور ریاست کے لحاظ سے قریش میں بہت ممتاز تھا۔

فتح مکہ سے قبل ان کے والد ایک دفعہ ان سے ملنے مدینہ آئے۔ اس آمد کا مقصد یہ بھی تھا کہ اپنی بیٹی کی معرفت میعادِ صلح کی توسیع کے لیے کوشش کریں۔ جب وہ رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُمِ حبیبہؓ نے بستر الٹ دیا۔ ابوسفیانؓ کو ناگوار گزرا بولے ۔ "تمہیں اس بستر پر اپنے باپ کا بیٹھنا بھی پسند نہیں۔" حضرت اُمِ حبیبہؓ نے جواب دیا ۔ "بے شک مجھے پسند

نہیں کہ رسولِ پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بستر مبارک پر ایک مشرک بیٹھے۔" ابوسفیانؓ خون کے گھونٹ پی کر رہ گئے اور صرف اتنا کہا۔ "تو میرے پیچھے بہت بگڑ گئی۔"

حضرت اُمِ حبیبہؓ حسنِ ظاہری سے بھی متصف تھیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ اپنی بیٹی کے حسن وجمال پر فخر کیا کرتے تھے۔ مسند احمدؒ میں ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص بارہ رکعت نفل روزانہ پڑھے گا اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔"

حضرت اُمِ حبیبہؓ سُن رہی تھیں۔ اس کے بعد ساری زندگی بارہ رکعت نفل روزانہ نہایت پابندی سے پڑھتی رہیں۔

جب ان کے والد ابوسفیانؓ فوت ہوئے تو تین دن کے بعد خوشبو منگا کر رخساروں اور بازوؤں پر ملی اور فرمایا:

"رسولِ کریمؐ کا حکم ہے کہ ایماندار عورت کے لیے تین دن سے زیادہ کسی کا سوگ جائز نہیں، سوائے خاوند کے کہ اس کی موت پر چار مہینے اور دس دن بیوی کو سوگ کرنا چاہیے۔"

اُم المومنین حضرت اُمِ حبیبہؓ نے ۴۴ھ ہجری میں ۷۳ سال کی عمر میں (اپنے بھائی امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں) وفات پائی۔ وفات سے پہلے حضرت عائشہؓ کو بلایا اور کہا:

"میرے اور آپؓ کے درمیان سوکنوں کے تعلقات تھے، اگر کوئی غلطی مجھ سے ہوئی ہو تو معاف کر دیجیے۔"

حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ "میں نے معاف کیا۔" پھر ان کے لیے دعا مانگی۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ نے فرمایا۔ "آپؓ نے مجھے خوش کیا خدا آپؓ کو خوش رکھے۔"

حضرت اُمِ حبیبہؓ سے ۶۵ حدیثیں مروی ہیں جن کے راویوں میں کئی جلیل القدر صحابہؓ اور تابعینؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ بنتِ حُیّیؓ

(۱)

صفیہؓ نام تھا اور حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

صفیہؓ بنت حُیّیؓ بن اخطب بن سعید بن عامر بن عبید بن خزرع بن ابی حبیب بن نضیر بن نحام بن ینحوم۔

ماں کا نام برہ (یا ضرہ) تھا جو بنو قریظہ کے ایک نامور سردار سموئیل کی بیٹی تھیں۔ زرقانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت صفیہؓ کا اصل نام زینب تھا، عرب میں مالِ غنیمت کا جو حصہ فاتح سردار کے حصہ میں آئے وہ صفیہ کہلاتا ہے چونکہ وہ غزوۂ خیبر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آئیں اس لیے صفیہ کے نام سے مشہور ہوئیں لیکن یہ روایت چنداں معتبر نہیں کیونکہ عرب میں صفیہ نام کی اور بھی بہت سی خواتین تھیں۔ خود حضورؐ کی پھوپھی کا نام صفیہؓ تھا

حضرت صفیہؓ کا باپ حیُیّ بن اخطب یہودیوں کے نامور قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ کیونکہ نبی کی اولاد ہونے کی وجہ سے اپنی قوم میں بےحد معزز و محترم تھا اور تمام قوم اس کی وجاہت کے آگے سر جھکاتی تھی۔

چودہ برس کی عمر میں حضرت صفیہؓ کی شادی ایک مشہور اور نامور شہسوار سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی، لیکن دونوں میاں بیوی میں بن نہ آئی نتیجۃً سلام بن مشکم نے طلاق دے دی۔ اس طلاق کے بعد حییؔ بن اخطب نے ان کا نکاح بنی قریظہ کے ایک مقتدر سردار کنانہ بن ابی الحقیق سے کر دیا۔ وہ خیبر کے رئیس ابورافع کا بھتیجا تھا اور خیبر کے قلعہ القموص کا حاکم تھا۔

اوائل ۷ھ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی روز روز کی شرارتوں کا قلع قمع کرنے کے لیے ان کے مرکز خیبر پر چڑھائی کی۔ خیبر مدینہ کے شمال مغرب میں ایک نہایت زرخیز مقام تھا، جہاں یہودیوں نے چند نہایت مضبوط قلعے بنا رکھے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ مدینہ پر قبضہ کر کے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں، چنانچہ اس مقصد کے لیے وہ مدّت سے لشکر اور آلاتِ حرب و ضرب جمع کر رہے تھے۔ اپنی تیاری مکمل کر لینے کے بعد انھوں نے دو اور قبائل بنو غطفان اور بنی اسد کو بھی اس وعدہ پر اپنے ساتھ ملا لیا کہ مدینہ کی فتح کے بعد نصف نخلستان انھیں دے دیا جائے گا۔

جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہودیوں کی اس تیاری کا علم ہوا تو آپؐ نے حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا اور خود چودہ سو صحابہؓ کے ہمراہ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابیّ نے مسلمانوں کی روانگی کی اطلاع یہودیوں کو دے دی۔ چنانچہ وہ مقابلے کے لیے تیار ہو کر کھلے میدان میں نکل آئے۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو خیبر پہنچنے میں کافی دن لگیں گے، لیکن اسلامی لشکر نے حضورِ اکرم کی زیرِ قیادت نہایت تیزی سے مسافت طے کی اور دن رات سفر کرتے ہوئے ایک دن صبح کے وقت خیبر کے نواح میں پہنچ گیا۔ انھیں دیکھ کر یہودی ششدر رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمان اتنی جلدی آ پہنچیں گے۔ کھلے میدان میں لڑنا انھوں نے مناسب نہ سمجھا اور قلعہ بند ہو کر مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے لگے۔ مجاہدینِ اسلام نے نہایت پامردی سے تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کا مقابلہ کیا اور جانبازانہ لڑتے ہوئے یہودیوں کے تین قلعوں پر قابض ہو گئے۔ یہودیوں کا سب سے مضبوط قلعہ القموص تھا۔ کئی دن گزر گئے لیکن سرتوڑ کوششوں کے باوجود یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ آخر ایک دن حضورؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلا بھیجا۔ وہ آشوبِ چشم کے عارضہ میں مبتلا تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی برکت اور دعا سے انہیں صحت ہو گئی۔ پھر حضورؐ

نے عَلَم دے کر انہیں القموص کی تسخیر پر مامور فرمایا۔ القموص کا دفاع مرحب اور حارث دو یہودی سردار کر رہے تھے۔ وہ نامور جنگجو تھے اور ان کی قوت اور شجاعت کی زمانے بھر میں دھوم تھی۔ سب سے پہلے حارث حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے سامنے آیا اور فنونِ جنگ میں اپنی بے مثال مہارت کے باوجود ذوالفقار حیدرؓ کا شکار ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی مرحب غضبناک ہو کر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر جھپٹا، لیکن اس کا حشر بھی اپنے بھائی جیسا ہوا۔ حیدرِ کرارؓ کی اس عدیم النظیر بہادری سے مسلمانوں میں بے پناہ جوش پیدا ہوا اور انھوں نے تکبیر کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہوئے پوری قوت سے یہودیوں پر حملہ کیا۔ یہودی سراسیمہ ہو کر قلعہ کے اندر گھس گئے۔ حیدرِ کرارؓ نے جوشِ شجاعت میں قلعہ القموص کے پھاٹک کو زور سے ہلایا اور پھر اسے اکھاڑ کر پرے پھینک دیا۔ اب مسلمان قلعہ کے اندر گھس گئے اور یہودیوں کو اپنی تلواروں پر رکھ لیا۔ انہوں نے بہت جلد ہتھیار پھینک دیئے اور عاجزی کے ساتھ صلح کے طالب ہوئے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رحم فرمایا اور اس شرط پر صلح کر لی کہ زمین انہی کے پاس رہے۔ البتہ پیداوار کا نصف حصہ وہ مسلمانوں کو دیں گے۔

جنگِ خیبر میں ۹۳ یہودی مارے گئے اور ۱۵ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ لڑائی یہودیوں کے لیے نہایت تباہ کن ثابت ہوئی۔ ان کے کئی نامور بہادر اور سردار اس لڑائی میں مارے گئے۔ حضرت صفیہؓ کے خاندان کے سارے افراد میدانِ جنگ میں کام آئے یا جنگی قیدی بنا لیے گئے۔ مقتولوں میں ان کے باپ بھائی اور شوہر بھی تھے اس طرح وہ نہایت قابلِ رحم حالت میں تھیں۔

(۲)

جنگ کے بعد تمام قیدی اور مالِ غنیمت ایک جگہ جمع کیے گئے۔ سیدنا بلال حبشیؓ حضرت صفیہؓ اور ان کے رشتہ کی ایک بہن کو پکڑ لائے۔ رستہ میں یہودی مقتولین کی لاشیں خاک و خون میں لتھڑی پڑی تھیں۔ ان میں حضرت صفیہؓ کے محبوب والد

بھائی اور شوہر کی لاشیں بھی تھیں اور خاندان کے بعض دوسرے بزرگ بھی کٹے پڑے تھے۔ حضرت صفیہؓ نے حسرت سے ان لاشوں پر نظر ڈالی۔ اور چپ کی چپ رہ گئیں۔ البتہ ان کی ساتھی بہن بے قابو ہو گئیں اور نہایت شدت سے گریہ زاری اور سینہ کوبی شروع کر دی۔ جب حضرت بلالؓ نے انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تو سرکارِ دوعالمؐ اس عورت کی گریہ وزاری سے متاثر ہوئے۔ بی بی صفیہؓ تو خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئیں اور اس عورت کو حضورؐ نے دوسری طرف لے جانے کا حکم دیا اور پھر بلالؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"بلال تمہارے دل میں رحم نہیں ہے کہ ان عورتوں کو اس راستے سے لائے جہاں ان کے باپ اور بھائی خاک و خون میں لتھڑے پڑے ہیں۔"

جب مالِ غنیمت کی تقسیم ہونے لگی تو حضرت دحیہؓ کلبی نے حضرت صفیہؓ کو اپنے لیے پسند فرمایا۔ چونکہ وہ تمام اسیرانِ جنگ میں ذی وقعت تھیں۔ اس لیے بعض صحابہؓ نے عرض کیا۔ "یا رسولؐ اللہ، صفیہ بنی قریظہ اور بنو نضیر کی رئیسہ ہے۔ خاندانی وقار اس کے بشرے سے عیاں ہے۔ وہ ہمارے سردار (یعنی سرکارِ دوعالمؐ) کے لیے موزوں ہے۔" حضورؐ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا۔ دحیہ کلبیؓ کو دوسری لونڈی عطا فرما کر حضرت صفیہؓ کو آزاد کر دیا اور انہیں یہ اختیار دیا کہ چاہے وہ اپنے گھر چلی جائیں یا پسند کریں تو آپؐ کے نکاح میں آجائیں۔

حضرت صفیہؓ نے حضورؐ کے نکاح میں آنا پسند کیا اور ان کے حسب منشا حضورؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔ صہبا کے مقام پر رسمِ عروسی ادا کی گئی اور وہیں دعوتِ ولیمہ بھی ہوئی۔ صہبا سے چلتے وقت حضورؐ نے انہیں خود اپنے اونٹ پر سوار فرمایا اور خود اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا۔ حضرت صفیہؓ کی عمر اس وقت سترہ برس کی تھی۔ اس نکاح کے بعد یہودی پھر مسلمانوں کے خلاف کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔

مدینہ پہنچ کر حضرت صفیہؓ کو حضورؐ نے حضرت حارثؓ بن نعمان انصاری کے مکان پر اتارا۔ ان کے حسن و جمال کا شہرہ سن کر انصار کی عورتیں اور دوسری ازواج

مطہراتؓ انہیں دیکھنے آئیں۔ جب دیکھ کر جانے لگیں تو حضورؐ ان کے پیچھے چلے اور حضرت عائشہؓ صدیقہ سے پوچھا۔ "عائشہؓ تم نے اس کو کیسا پایا؟"

جواب دیا: "یہودیہ ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "یہ نہ کہو وہ مسلمان ہو گئی اور اس کا اسلام اچھا اور بہتر ہے۔"

حضرت صفیہؓ کے چہرے پر چند ابھرے ہوئے نشانات تھے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کہ یہ کیسے نشانات ہیں۔ حضرت صفیہؓ نے عرض کیا کہ "میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ آسمان سے چاند ٹوٹا اور میری گود میں آن گرا۔ میں نے یہ خواب اپنے باپ کو سنایا، جس سے وہ سخت غضب ناک ہوا اور اتنے زور سے میرے منہ پر تھپڑ مارا کہ چہرے پر اس کی انگلیوں کے نشانات ابھر آئے۔ پھر اس نے کہا، "کیا تو ملکۂ عرب بننے کے خواب دیکھتی ہے۔"

(۳)

حضرت صفیہؓ نہایت حلیم الطبع، خلیق، کشادہ دل، سیر چشم اور صابر تھیں۔ جب وہ اُمّ المومنین کی حیثیت سے مدینہ تشریف لائیں اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ انہیں دیکھنے آئیں تو انھوں نے اپنے بیش قیمت طلائی جھمکے اپنے کانوں سے اتار کر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو دے دیئے اور ان کی ساتھی خواتین کو بھی کوئی نہ کوئی زیور دیا۔

حضورؐ انھیں بہت عزیز رکھتے تھے اور ان کی دل جوئی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک بار سفر میں ازواجؓ ساتھ تھیں۔ اتفاق سے حضرت صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہو گیا۔ وہ بہت غمگین اور پریشان ہوئیں۔ حضورؐ نے خود تشریف لا کر ان کی دل جوئی کی اور حضرت زینبؓ بنت جحش سے فرمایا: "زینبؓ تم صفیہؓ کو ایک اونٹ دے دو۔"

حضرت زینبؓ بہت سخی اور با مروت تھیں لیکن نامعلوم کیوں ان کی زبان سے نکل گیا۔ "یا رسول اللہؐ کیا میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دے دوں۔"

یہ کلمہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آیا اور آپؐ نے دو تین ماہ تک حضرت زینبؓ سے کلام تک نہ کیا۔ پھر حضرت عائشہؓ نے بمشکل ان کا قصور معاف کرایا۔ حضرت

زینبؓ بنت جحش کا بیان ہے کہ "رسولؐ اللہ کی خفگی نے مجھے قریب قریب ناامید کر دیا۔ اور میں نے عہد کیا کہ آئندہ کبھی ایسی بات نہ کہوں گی۔"

قبولِ اسلام کے بعد یہودیت کا طعن حضرت صفیہؓ کے لیے بڑی دل آزاری کا موجب ہوتا تھا لیکن وہ نہایت صبر و تحمل سے کام لیتی تھیں اور کبھی کسی کو سخت جواب نہ دیتی تھیں۔

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت صفیہؓ رو رہی تھیں۔ وجہ دریافت کی تو کہا۔ "عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں کیونکہ بیوی ہونے کے علاوہ ہم حضورؐ کے قرابت دار بھی ہیں۔ لیکن تم یہودن ہو" حضورؐ نے حضرت صفیہؓ کی دلجوئی کے لیے فرمایا:

"اگر عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ان کا خاندانِ نبوت سے تعلق ہے تو تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ میرے باپ ہارونؑ اور میرے چچا موسیٰؑ اور میرے شوہر محمدؐ ہیں۔"

ایک دفعہ کسی بات پر حضورؐ حضرت صفیہؓ سے ناخوش ہو گئے۔ حضرت صفیہؓ حضرت عائشہؓ کے پاس گئیں اور کہا۔ "آپ جانتی ہیں کہ میں اپنی باری کسی چیز کے معاوضہ میں نہیں دے سکتی، لیکن اگر آپ سرورِ عالم کو مجھ سے راضی کر دیں تو میں اپنی باری کا دن آپ کو دیتی ہوں۔"

حضرت عائشہؓ اس کام کے لیے تیار ہو گئیں اور زعفران کی رنگی ہوئی ایک اوڑھنی لے کر اس پر پانی چھڑکا تاکہ اس کی خوشبو مہک جائے۔ اس کے بعد حضورؐ کی خدمت میں تشریف لے گئیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "عائشہؓ یہ تمہاری باری کا دن نہیں۔"

بولیں۔ "یہ خدا کا فضل ہے۔ جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔"

پھر تمام واقعہ حضورؐ کو سنایا اور حضورؐ حضرت صفیہؓ سے راضی ہو گئے۔

حضرت صفیہؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ حضورؐ کے

مرض الموت میں تمام ازواجِ مطہراتؓ حضورؐ کی عیادت کے لیے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائیں۔ حضرت صفیہؓ نے حضورؐ کو بے چین کو دیکھا تو عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ کاش آپؐ کی بیماری مجھے ہو جاتی۔" دوسری ازواجؓ نے ان کی طرف دیکھا۔ تو حضورؐ نے فرمایا۔ "واللہ وہ سچی ہے۔" یعنی ان کا اظہارِ عقیدت نمائشی نہیں بلکہ سچے دل سے وہ یہی چاہتی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں نے کوئی عورت صفیہؓ سے اچھا کھانا پکانے والی نہیں دیکھی۔

(۴)

حضرت عمر فاروقؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت صفیہؓ کی ایک لونڈی نے امیرالمومنین سے شکایت کی کہ اُمّ المومنینؓ میں ابھی تک یہودیت کی بو پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اب بھی ہفتہ (سبت) کو اچھا سمجھتی ہیں اور یہودیوں سے دلی لگاؤ رکھتی ہیں۔ حضرت عمرؓ تحقیقِ احوال کے لیے خود اُمّ المومنین صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے جواب دیا۔ "جب سے خدا نے مجھے سبت (ہفتہ) کے بدلے جمعہ عنایت فرمایا تو ہفتہ کو دوست رکھنے کی ضرورت نہیں رہی، ہاں یہودیوں سے بیشک مجھے لگاؤ ہے کہ وہ میرے قرابتدار ہیں اور مجھے صلۂ رحم کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔" حضرت عمرؓ اُمّ المومنینؓ کی حق گوئی سے بہت خوش ہوئے اور واپس تشریف لے گئے۔

اس کے بعد حضرت صفیہؓ نے لونڈی کو بُلا کر پوچھا۔ "تجھے امیرالمومنین کے پاس میری شکایت کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا۔"

اس نے کہا: "مجھے شیطان نے بہکایا تھا۔"

اُمّ المومنین نے فرمایا: "جا میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا۔"

علم وفضل میں حضرت صفیہؓ کا مرتبہ بلند تھا۔ کوفہ کی عورتیں اکثر ان کے پاس مسائل دریافت کرنے آتی تھیں۔ امام زین العابدینؒ، اسحاق بن عبداللہؒ، یزید بن معتبؒ اور مسلم بن صفوانؒ نے چند احادیث بھی حضرت صفیہؓ کی زبانی بیان

کی ہیں۔

بیحد دردمند تھیں۔ جب ۳۵ھ ہجری میں خلیفہ سوم حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے مکان کا مفسدوں نے محاصرہ کر لیا تو ان کو بہت رنج ہوا، ضعیف العمر امیرالمومنینؓ کی مصیبت نے انہیں بے چین کر دیا انہوں نے ایک غلام کو ساتھ لیا اور اپنے خچر پر سوار ہو کر حضرت عثمانؓ کے مکان کی طرف روانہ ہوئیں۔ اشتر نخعی نے ان کے غلام کو دیکھ کر پہچان لیا اور آگے بڑھ کر خچر کو مارنا شروع کر دیا۔ چونکہ حالات بگڑے ہوئے تھے، اور اشتر نخعی کے مقابلہ میں کامیابی مشکل تھی اس لیے وہ مصلحتاً واپس چلی گئیں اور حضرت امام حسنؓ بن علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ حضرت عثمانؓ کو کھانا بھیجا۔

حضرت صفیہؓ نے رمضان المبارک ۵۰ھ ہجری میں ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انھوں نے اپنا ذاتی مکان اپنی زندگی میں راہِ خدا میں دے دیا تھا۔ البتہ ترکہ میں ایک لاکھ درہم نقد چھوڑے اور اس کے ایک تہائی کی وصیت اپنے یہودی بھانجے کے لیے کی۔ لوگوں نے اس کا حصہ دینے میں تامل کیا۔ حضرت عائشہؓ نے سنا تو کہلا بھیجا۔ "لوگو اللہ سے ڈرو اور صفیہؓ کی وصیت پوری کرو۔"

ان کے ارشاد کے مطابق وصیت کی تعمیل کر دی گئی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اُمُّ المؤمنین حضرت میمونہؓ بنتِ حارث

(۱۰)

اصل نام برّہ تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے بعد میمونہ نام رکھا گیا۔ قبیلہ قیس بن عیلان سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

میمونہؓ بنتِ حارث بن حزن بن بجیر بن ہزم بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصیفہ بن قیس بن عیلان بن مضر۔

والدہ کا نام ہند بنتِ عوف بن زہیر بن حارث بن حماطہ بن جرش تھا اور وہ قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتی تھیں۔

پہلا نکاح مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی سے ہوا۔ انھوں نے کسی وجہ سے طلاق دے دی۔ پھر ابورُہم بن عبدالعزّیٰ کے نکاح میں آئیں۔ ۷ھ ہجری میں انھوں نے وفات پائی اور حضرت میمونہؓ بیوہ ہوگئیں۔

اسی سال رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم عمرہ کے لیے مدینہ سے مکّہ روانہ ہوئے تو آپؐ کے عمِّ محترم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے میمونہؓ سے نکاح کر لینے کی تحریک کی۔ حضورؐ رضامند ہوگئے۔ چنانچہ احرام کی حالت میں ہی شوال ۷ھ ہجری میں ۵۰۰ درہم حق مہر پر حضرت میمونہؓ سے نکاح ہوا۔ عمرہ سے فارغ ہو کر مکّہ سے دس میل کے فاصلہ پر بمقام سرف حضورؐ نے قیام فرمایا۔ حضورؐ کے غلام حضرت ابورافعؓ حضرت میمونہؓ کو ساتھ لے کر اسی جگہ آگئے اور یہیں رسمِ عروسی ادا ہوئی۔ حضرت میمونہؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی آخری بیوی تھیں۔

یعنی ان سے نکاح کے بعد حضورؐ نے اپنی وفات تک کوئی اور نکاح نہیں کیا۔

(۲)

حضرت میمونہؓ نہایت خداترس اور متقی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

میمونہؓ ہم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والی اور صلۂ رحم کا خیال رکھنے والی تھیں۔"

مدینہ میں ایک دفعہ ایک عورت سخت بیمار ہوئی۔ اس نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دی اور اس نے اپنی منت پوری کرنے کے لیے بیت المقدس جانے کا ارادہ کیا۔ سفر پر روانہ ہونے سے قبل حضرت میمونہؓ سے رخصت ہونے آئی اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت میمونہؓ نے اسے سمجھایا کہ مسجدِ نبویؐ میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری مساجد میں نماز پڑھنے کے ثواب سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ تم بیت المقدس جانے کی بجائے مسجدِ نبوی ہی میں نماز پڑھ لو۔ ثواب بھی زیادہ ہوگا اور منت بھی پوری ہو جائے گی کہ مسجدِ نبوی اللہ کو بیت المقدس سے زیادہ محبوب ہے۔

ایک دن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اُن کی خدمت میں اس حالت میں آئے کہ سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ پوچھا، "بیٹے پراگندہ مُو کیوں ہو؟" حضرت عبداللہؓ نے کہا، "میری بیوی "ایام" کی حالت میں ہے۔ وہی میرے سر میں کنگھا کیا کرتی تھی لیکن اب اس حالت میں ہونے کی وجہ سے میں نے یہ کام لینا اس سے مناسب نہ سمجھا۔"

حضرت میمونہؓ نے فرمایا، "واہ بیٹے کبھی ہاتھ بھی ناپاک ہوتے ہیں۔ ہم اسی حالت میں ہوتی تھیں اور رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری گود میں سر رکھ کر لیٹتے تھے اور قرآن پڑھتے تھے اور پھر ہم اسی حالت میں مصلّیٰ اٹھا کر مسجد میں

بکھ آتی تھیں۔" ایک اور موقع پر بھی انھوں نے حضرت ابن عباسؓ کو نہایت بلیغ پیرائے میں سمجھایا کہ عورتیں اس حالت میں ہوں تو ان کے چھونے سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہو جاتی۔

ایک دفعہ حضرت میمونہؓ کا ایک قریبی رشتہ دار ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے منہ سے شراب کی بو آرہی تھی — وہ سخت غضب ناک ہوئیں اور اسے سختی سے جھڑک کر کہا۔ "آئندہ کبھی میرے گھر میں قدم نہ رکھنا۔"

ایک دفعہ انھوں نے ایک لونڈی کو راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو حضورؐ نے فرمایا: " خدا تم کو جزا دے۔"

حضرت میمونہؓ بہت مخیر اور فیاض تھیں، اس لیے وقتاً فوقتاً قرض لینے کی نوبت آجاتی تھی۔ ایک دفعہ بہت زیادہ رقم قرض لے لی۔ کسی نے پوچھا، "امّ المومنین اتنی زیادہ رقم کی واپسی کی کیا صورت ہوگی؟"

فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص قرض ادا کرنے کی نیت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ خود اس کا قرض ادا کرنے کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔"

حضرت میمونہؓ نے ۵۱ ہجری میں سرف کے مقام پر (جہاں ان کی رسمِ عروسی ادا ہوئی تھی) وفات پائی۔ جب جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا۔ "جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات تھیں۔ ادب کے ساتھ آہستہ آہستہ چلو۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔

(۳)

حضرت میمونہؓ سے چھیالیس ۴۶ (اور بقول بعض ۷۶) احادیث مروی ہیں۔ ان میں سے ۷ متفق علیہ، ایک میں بخاری اور ۵ میں مسلم منفرد ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن شدادؒ، عبدالرحمن بن سائبؒ،

عبید اللہ الخولانی رح اور عطاء بن یسار رح وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت عباس رض کی بیوی حضرت ام الفضل رض حضرت میمونہ رض کی حقیقی بہن تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت عبداللہ بن عباس رض ان کے بھانجے تھے

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ریحانہؓ بنتِ شمعون

ریحانہ نام - یہود کے خاندان بنو قریظہ سے تھیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے۔ ریحانہ بنتِ شمعون بن زید بن خنافہ۔

بعض روایتوں میں ان کا سلسلۂ نسب اس طرح درج ہے۔

ریحانہ بنتِ زید بن عمر بن خنافہ بن شمعون بن زید

لیکن جمہور اہلِ سیر کے نزدیک پہلا سلسلۂ نسب معتبر ہے، حضرت ریحانہؓ کے والد کا نام شمعونؓ بن زید ہی ہے۔ ان کو صحابیت، سماع اور روایت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت ریحانہؓ کا نکاح بنو قریظہ کے ایک شخص "حکم" سے ہوا۔ غزدۂ بنو قریظہ کے بعد جن یہودیوں کو قتل کیا گیا، حکم بھی ان میں شامل تھا۔ حضرت ریحانہؓ یہودیوں کی ان عورتوں میں تھیں جنھیں اس موقع پر مسلمانوں نے گرفتار کیا۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ نے ان کو حضرت اُمّ المنذرؓ بنتِ قیس کے گھر میں ٹھہرایا۔ ان کے قبول اسلام کے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ پہلی روایت یہ ہے کہ حضورؐ نے ان سے فرمایا کہ تم چاہو تو اسلام قبول کر لو اور چاہو تو اپنے مذہب (یہودیت) پر قائم رہو، انھوں نے اپنے مذہب کو ترجیح دی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تمھیں اپنے پاس رکھوں گا۔ لیکن وہ اپنی بات پر قائم رہیں۔ حضورؐ کو ان کے رویّہ سے رنج ہوا اور آپؐ نے حضرت ریحانہؓ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ ایک دن آپؐ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے درمیان رونق افروز تھے کہ اچانک کسی شخص کے قدموں کی چاپ سنائی دی، حضورؐ کے روئے انور پر بشاشت پھیل گئی اور آپؐ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ ثعلبہؓ بن سعیہ ہیں جو ریحانہؓ

کے اسلام کی خوشخبری لے کر آ رہے ہیں۔ (ابن ہشام نے لکھا ہے کہ ثعلبہؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر آہستہ سے حضورؐ کو حضرت ریحانہؓ کے قبولِ اسلام کی خوشخبری سنائی۔ حضورؐ بہت خوش ہوئے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ ثعلبہؓ ریحانہؓ کے اسلام کی خوشخبری لے کر آئے ہیں۔)

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ریحانہؓ اسیر ہو کر آئیں تو حضورؐ نے ان سے فرمایا "اگر تم اللہ اور رسول کو اختیار کر لو تو میں تمہیں اپنے لیے خاص کر لوں گا"۔ انہوں نے عرض کیا، میں اللہ اور اس کے رسولؐ کو اختیار کرتی ہوں۔

قبولِ اسلام کے بعد حضورؐ نے انہیں اپنی ملک میں رکھا اور بعض روایتوں کے مطابق آپؐ نے انہیں آزاد کر دیا اور پھر ان سے نکاح فرما کر ازواجِ مطہرات میں شامل کر لیا۔ بہرصورت وہ باپردہ رہتی تھیں اور ان کی بھی باری کا دن مقرر تھا۔ حضورؐ کو ان سے بڑی محبت تھی اور آپؐ ان کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔ ان کی مستقل قیام گاہ دارِ قیس بن فہد میں تھی۔ حسنِ صورت کے ساتھ نہایت پاکیزہ اخلاق کی حامل تھیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چند ماہ (ایک روایت کے مطابق دس ماہ) قبل وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ

صلح حدیبیہ (۶ھ) سے فارغ ہونے کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط بھیج کر اطراف و نواح کے حکمرانوں کو اسلام کی دعوت دی۔ ان میں سے ایک خط اسکندریہ کے رومی بطریق (PATRIARCH) کے نام بھی تھا جسے عرب مُقوقِس کہتے تھے۔ مشہور صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ حضورؐ کا مکتوب لے کر مقوقس کے پاس پہنچے تو اس نے اسلام تو قبول نہ کیا لیکن حضرت حاطبؓ سے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آیا۔ جب وہ اسکندریہ سے چلنے لگے تو دو قبطی لڑکیاں ان کے ساتھ کر دیں کہ اس کی طرف سے حضورؐ کی خدمت میں نذر کی جائیں ساتھ ہی ایک خط حضورؐ کو روانہ کیا جس میں لکھا کہ میں دو لڑکیاں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑا مرتبہ رکھتی ہیں۔

یہ دو لڑکیاں حضرت ماریہؓ (Mary) اور حضرت سیرینؓ تھیں۔ مصر سے واپسی پر راستہ میں دونوں حضرت حاطبؓ کی تبلیغ سے سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔ مدینہ پہنچ کر حضرت حاطبؓ نے انہیں حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تو آپؐ نے حضرت سیرینؓ کو حضرت حسانؓ بن ثابت کی ملکِ یمین میں دے دیا اور حضرت ماریہؓ کو اپنے حرم میں داخل فرمایا۔ ۸ھ میں ان کے بطن سے حضورؐ کے صاحبزادے ابراہیمؓ پیدا ہوئے اور ۱۷-۱۸ ماہ زندہ رہ کر داغِ مفارقت دے گئے۔ حضرت ماریہؓ ان کی وفات پر بے اختیار رونے لگیں اور حضورؐ بھی اشکبار ہو گئے۔

اہلِ سیر کا بیان ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا سلوک ازواجِ مطہراتؓ سے کرتے تھے ویسا ہی حضرت ماریہؓ سے کرتے تھے اور انہیں بھی پردہ میں رہنے کا

حکم دیا تھا۔ حضورؐ فرمایا کرتے تھے۔ "قبطیوں (مصر کے عیسائیوں) کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو۔ اس لیے کہ ان سے عہد اور نسب دونوں کا تعلق ہے۔ ان سے نسب کا تعلق تو یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ اور میرے فرزند ابراہیم کی والدہ (ماریہ) دونوں اسی قوم سے ہیں۔ (اور عہد کا تعلق یہ ہے کہ ان سے معاہدہ ہو چکا ہے)۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ماریہؓ کو حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں سے نوازا تھا۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ جتنا رشک مجھے ماریہؓ پر آتا ہے کسی دوسرے پر نہیں۔

حافظ ابنِ کثیرؒ نے "البدایہ والنہایہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ماریہؓ نہایت پاکباز اور نیک سیرت تھیں۔

حضورؐ کے وصال کے بعد خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے بھی حضرت ماریہؓ کا اعزاز و اکرام برقرار رکھا۔

حضرت ماریہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں محرم ۱۶ھ ہجری میں وفات پائی۔ امیر المؤمنین نے تمام اہلِ مدینہ کو جمع کیا اور خود نمازِ جنازہ پڑھا کر جنت البقیع میں سپردِ خاک کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بَنَاتِ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

****

حضرت زینب رضؓ بنتِ رسول اللہؐ

زینبؓ نام تھا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تھیں۔ حضرت زینبؓ بعثت نبوی سے دس برس پہلے مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ حضورؐ کی عمر اس وقت تیس برس کی تھی۔

حضرت زینبؓ کی شادی کمسنی میں (بعثتِ نبوی سے قبل) ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاصؓ (لقیط) بن ربیع سے ہوگئی۔

جب رسولِ کریمؐ منصب رسالت پر فائز ہوئے تو حضرت زینبؓ فوراً ایمان لے آئیں۔

بعثتِ نبوی کے بعد کفارِ مکہ نے سرورِ کائناتؐ اور دعوتِ حق پر لبیک کہنے والوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمِ کلثومؓ ابولہب کے دو بیٹوں کے نکاح میں تھیں، تاہم رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ ان دونوں نے اپنے باپ کے کہنے پر دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دے دی۔ ابوالعاص کو بھی کفار نے بہت اکسایا کہ وہ حضرت زینبؓ کو طلاق دے دیں لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا اور حضرت زینبؓ سے نہایت اچھا سلوک کرتے رہے۔ رسولِ کریمؐ نے ابوالعاصؓ کے اس طرزِ عمل کی ہمیشہ تعریف کی۔ باوجود اتنی شرافت اور نیک نفسی کے ابوالعاصؓ نے اپنا آبائی مذہب ترک نہ کیا حتیٰ کہ رسولِ کریمؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ حضرت

زینبؓ ان دنوں اپنے سسرال میں تھیں۔

(۲)

رمضان المبارک سنہ ۲ھ میں حق اور باطل کے درمیان پہلا معرکہ بدر کے میدان میں ہوا اس میں حق غالب رہا اور قریش مکہ کے بہت سے آدمی مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے۔ ان میں حضرت ابوالعاصؓ بھی تھے۔ انھیں ایک انصاری حضرت عبداللہؓ بن جبیرؓ نے اسیر کیا۔ اہل مکہ نے جب یہ خبر سنی تو قیدیوں کے قرابت داروں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے عزیزوں کی رہائی کے لیے زرِ فدیہ بھیجا۔ حضرت زینبؓ نے بھی مکہ سے اپنے دیور عمرو بن ربیع کے ہاتھ یمنی عقیق کا ایک ہار اپنے شوہر کی رہائی کے لیے بھیجا۔ یہ ہار حضرت زینبؓ کو ان کی والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے شادی کے وقت جہیز میں دیا تھا۔ جب سرور کائناتؐ کی خدمت میں یہ ہار پیش کیا گیا تو حضورؐ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ یاد آ گئیں اور آپؐ آبدیدہ ہو گئے۔

حضورؐ نے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "اگر مناسب سمجھو تو یہ ہار زینبؓ کو واپس بھیج دو۔ یہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔ ابوالعاصؓ کا فدیہ صرف یہ ہے کہ وہ مکہ جا کر حضرت زینبؓ کو فوراً مدینہ بھیج دیں۔" تمام صحابہؓ نے ارشادِ نبویؐ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ حضرت ابوالعاصؓ نے بھی یہ شرط قبول کر لی اور رہا ہو کر مکہ پہنچے۔ رسول کریمؐ نے ان کے ہمراہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو بھیجا کہ وہ بطن یا جج کے مقام پر ٹھہر کر انتظار کریں۔ جب زینبؓ مکہ سے وہاں پہنچیں تو انھیں ساتھ لے کر مدینہ آ جائیں۔ حضرت ابوالعاصؓ نے وعدہ کے مطابق اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ہمراہ حضرت زینبؓ کو مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ کر دیا۔ کفار مکہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ سرور کائناتؐ کی بیٹی مدینہ جا رہی ہے تو انھوں نے کنانہ بن ربیع اور حضرت زینبؓ کا تعاقب کیا اور مقام "ذی طویٰ" میں انہیں جا گھیرا۔ حضرت زینبؓ اونٹ پر سوار تھیں۔ کفار کی جماعت میں سے ہبار بن اسود نے حضرت زینبؓ کو اپنے نیزہ سے

زمین پر گرا دیا۔ (یا اونٹ کا منہ پھیرنے کے لیے اپنا نیزہ گھمایا اور حضرت زینبؓ گر پڑیں) وہ حاملہ تھیں۔ سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہوگیا۔ کنانہ بن ربیع غضبناک ہوگئے۔ اپنے تیر نکالے اور انھیں ترکش پر چڑھا کر للکارے کہ خبردار اب تم میں سے کوئی آگے بڑھا تو اسے چھلنی کردوں گا۔ کفار رک گئے۔ ابوسفیان بھی ان میں شامل تھے۔ انھوں نے کہا۔ بھتیجے اپنے تیر روک لو میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔" کنانہ نے پوچھا، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ ابوسفیان نے ان کے کان میں کہا۔ "محمدؐ کے ہاتھوں ہمیں جس رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا پڑا ہے تم اس سے بخوبی آگاہ ہو۔ اگر تم اسؐ کی بیٹی کو اس طرح کھلم کھلا ہمارے سامنے لے جاؤ گے تو ہماری بڑی سبکی ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ تم اس وقت زینبؓ کے ہمراہ مکہ واپس لوٹ چلو۔ اور پھر کسی وقت خفیہ طور پر زینبؓ کو لے جانا۔" کنانہ نے یہ بات مان لی اور حضرت زینبؓ کو لے کر مکہ واپس آگئے۔ چند دن بعد وہ رات کے وقت چپکے سے حضرت زینبؓ کو ہمراہ لے کر بطن یاجج پہنچے اور انھیں حضرت زیدؓ بن حارثہ کے سپرد کرکے مکہ واپس چلے گئے۔ حضرت زیدؓ حضرت زینبؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

(۳)

حضرت ابوالعاصؓ کو حضرت زینبؓ سے بہت محبت تھی۔ حضرت زینبؓ کے چلے جانے کے بعد وہ بہت بے چین رہنے لگے۔ ایک دفعہ جب وہ شام کی طرف سفر کر رہے تھے تو پُر درد آواز میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

ذکرت زینب لما ورکت ارما	جب میں ارم کے مقام سے گزرا تو زینبؓ کو یاد کیا
فقلت سقیاً لشخص یسکن الحرما	اور کہا کہ خدا اس شخص کو شاداب رکھے جو حرم میں مقیم ہے
بنت الامین جزاھا اللہ صالحۃ	امین کی لڑکی کو خدا جزائے خیر دے
وکل بعل یثنی ما الذی علما	اور ہر خاوند اسی بات کی تعریف کرتا ہے جس کو وہ خوب جانتا ہے

حضرت ابوالعاصؓ بڑے شریف النفس اور دیانت دار آدمی تھے۔ لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھتے، وہ نہایت دیانت کے ساتھ ان کی حفاظت کرتے اور مالکوں

کے طلب کرنے پر فوراً واپس کر دیتے تھے۔ مکے میں ان کی اس قدر ساکھ تھی کہ لوگ اپنا مالِ تجارت انھیں دے کر فروخت کے لئے دوسرے ملکوں میں بھیجا کرتے تھے۔ ۶ھ میں ابوالعاصؓ ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام جارہے تھے کہ عیص کے مقام پر مجاہدین اسلام نے قریش کے قافلہ پر چھاپہ مارا اور تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ حضرت ابوالعاصؓ بھاگ کر مدینہ چلے گئے اور دوسرے مشرکین کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت ابوالعاصؓ نے مدینہ پہنچ کر حضرت زینبؓ کی پناہ لی۔ انھوں نے رسول کریمؐ سے سفارش کی کہ ابوالعاصؓ کا مال انھیں واپس کر دیا جائے چونکہ ابوالعاصؓ نے مکہ میں حضرت زینبؓ کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔ اس لیے حضورؐ ان کا لحاظ کرتے تھے۔ صحابہؓ سے فرمایا۔ "اگر تم ابوالعاصؓ کا مال واپس کر دو گے تو میں ممنون احسان ہوں گا۔"

صحابہ کرامؓ کو تو ہر وقت خوشنودیٔ رسولؐ مطلوب تھی۔ فوراً تمام مال و اسباب حضرت ابوالعاصؓ کو واپس کر دیا۔ وہ تمام مال و متاع لے کر مکہ پہنچے اور تمام لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں۔ پھر اہل مکہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اے اہلِ قریش اب میرے ذمہ کسی کی کوئی امانت تو نہیں ہے؟"

تمام اہل مکہ نے یک زبان ہو کر کہا۔ "بالکل نہیں، خدا تمہیں جزائے خیر دے تم ایک نیک نہاد اور باوفا شخص ہو۔"

حضرت ابوالعاصؓ نے کہا۔ "تو سن لو کہ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ خدا کی قسم اسلام قبول کرنے میں مجھے صرف یہ امر مانع تھا کہ تم لوگ مجھے خائن نہ سمجھو۔"

یہ کہہ کر کلمۂ شہادت پڑھا اور اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ یہ محرم ۷ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

(۴)

چونکہ حضرت زینبؓ اور حضرت ابوالعاصؓ میں شرک کی وجہ سے تفریق ہو گئی تھی۔ اس لیے جب ابوالعاصؓ مشرف باسلام ہو کر مدینہ پہنچے تو حضورؐ نے حضرت زینبؓ کو پہلے حق مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کر کے حضرت ابوالعاصؓ کے گھر بھجوا دیا۔

حضرت زینبؓ اس واقعہ کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہیں اور ۸ ہجری میں خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ گئیں۔ اس کا سبب اسقاطِ حمل کی تکلیف تھی جو پہلی دفعہ مکہ سے آتے ہوئے ذی طویٰ کے مقام پر ہوا۔

حضرت اُمِ ایمنؓ، حضرت سودہؓ اور حضرت اُمِ سلمہؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق میت کو غسل دیا۔ جب غسل سے فارغ ہوئیں تو حضورؐ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے اپنا تہہ بند عنایت فرمایا اور ہدایت کی کہ اسے کفن کے اندر پہنا دو۔

صحیح بخاری میں مشہور صحابیہ حضرت اُمِ عطیہؓ سے روایت ہے کہ میں بھی زینبؓ بنتِ رسول اللہؐ کے غسل میں شریک تھی۔ غسل کا طریقہ حضورؐ خود بتلاتے جاتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا پہلے ہر عضو کو تین بار یا پانچ بار غسل دو اور اس کے بعد کافور لگاؤ۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت اُمِ عطیہؓ سے فرمایا:

"اے اُمِ عطیہ میری بیٹی کو اچھی طرح کفن میں لپیٹنا اس کے بالوں کی تین چوٹیاں بنانا اور اسے بہترین خوشبوؤں سے معطر کرنا۔"

نمازِ جنازہ رسولِ مقبولؐ نے خود پڑھائی اور حضرت ابوالعاصؓ نے قبر میں اتارا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ خود بھی قبر میں اترے۔

جس دن حضرت زینبؓ نے وفات پائی حضورؐ بحید مغموم تھے۔ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور آپؐ فرما رہے تھے:

"زینبؓ میری سب سے اچھی لڑکی تھی جو میری محبت میں ستائی گئی۔"

حضرت زینبؓ نے اپنے پیچھے ایک لڑکا علیؓ اور ایک لڑکی امامہؓ چھوڑی۔ ایک روایت کے مطابق فتح مکہ کے موقع پر علیؓ بن ابوالعاصؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اونٹ پر سوار تھے۔ ایک اور روایت کے مطابق انہوں نے جنگِ یرموک میں شہادت پائی اور ایک تیسری روایت کے مطابق وہ سنِ بلوغ کو پہنچنے سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔

تھوڑے عرصہ بعد حضرت ابوالعاصؓ نے بھی وفات پائی۔ وفات سے پیشتر انہوں نے اپنی لڑکی امامہؓ کو حضرت زبیرؓ بن عوام (اپنے ماموں زاد بھائی) کی سرپرستی میں دے دیا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی وفات کے بعد حضرت امامہؓ حضرت زبیرؓ کے ایماء پر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے عقدِ نکاح میں آئیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت رقیہؓ بنتِ رسول اللہؐ

(۱)

رقیہؓ نام۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ تھیں۔ بعثت نبوی سے سات سال پہلے متولد ہوئیں۔ سرورِ کائنات کی عمر اس وقت تینتیس برس کی تھی۔ حضرت رقیہؓ حضرت زینبؓ سے تین برس چھوٹی تھیں۔

ان کا پہلا نکاح اپنے ابن عم عتبہ بن ابولہب سے ہوا۔ جب سورۂ تبّت یدا ابی لہب، نازل ہوئی تو عتبہ نے اپنے باپ ابی لہب کے حکم کے مطابق حضرت رقیہؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت رقیہؓ کی رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی۔

چند دن بعد حضرت عثمانؓ بن عفان نے اسلام قبول کیا۔ وہ نہایت صالح متمول اور مخیر نوجوان تھے۔ حضورؐ نے اپنی دامادی کے لیے انہیں منتخب فرمایا۔ حضرت عثمانؓ کی اپنی دلی خواہش بھی یہی تھی۔ چنانچہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ ہی میں حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ سے کردی۔

مکہ میں کفار نے جب مسلمانوں کو بے حد ستایا تو حضورؐ نے انھیں حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ حضرت عثمانؓ بھی حضرت رقیہؓ کے ہمراہ حبش کو ہجرت کر گئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا:

"ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے خدا کی راہ میں اپنی بیوی کے ہمراہ ہجرت کی ہے۔"

کچھ عرصہ بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ واپس مکہ تشریف لے آئے۔ لیکن کفار کی ایذا رسانیاں پہلے سے بھی بڑھ گئی تھیں۔ چنانچہ دوبارہ حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ جب عرصہ تک ان کی کوئی خبر نہ ملی تو حضورؐ کو بہت فکر ہوئی۔ ایک دن کسی عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے عثمانؓ اور رقیہؓ کو بچشم خود حبش میں بخیریت دیکھا ہے۔ اس پر حضورؐ کو اطمینان ہو گیا۔

کافی عرصہ بعد حبش میں قیام کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کو خبر ملی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں۔ چنانچہ کچھ دوسرے مسلمانوں اور حضرت رقیہؓ کے ہمراہ انہوں نے مکہ کی طرف مراجعت کی اور پھر چند دن کے بعد رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت رقیہؓ کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ وہاں حضرت اوسؓ بن ثابت کے گھر اترے۔ کچھ عرصہ بعد حضورؐ بھی مدینہ تشریف لے آئے۔ ۲ھ ہجری میں حضرت رقیہؓ کو چیچک نکلی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بدر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ روانگی سے پہلے آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ وہ رقیہؓ کی خبرگیری کے لیے مدینہ ہی میں ٹھہریں، اس کے عوض اللہ تعالیٰ انھیں جہاد میں شریک ہونے کا ثواب بھی دے گا — اور مالِ غنیمت سے بھی انھیں حصہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ حضرت رقیہؓ کے پاس ہی ٹھہرے۔ رسول کریمؐ ابھی بدر ہی میں تھے کہ حضرت رقیہؓ کی تکلیف بڑھ گئی اور انہوں نے اکیس سال کی عمر میں داعئ اجل کو لبیک کہا۔ عین اس وقت جب قبر پر مٹی ڈالی جا رہی تھی، حضرت زیدؓ بن حارثہ بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ میں داخل ہوئے۔

سرورِ عالمؐ اپنی لختِ جگر کی وفات کی اطلاع پا کر بہت مغموم ہوئے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ مدینہ واپس تشریف لا کر حضورؐ حضرت رقیہؓ کی قبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا: "عثمانؓ بن مظعون جا چکے اب تم بھی ان سے جا ملو۔" (مہاجرین میں حضرت عثمانؓ بن مظعون پہلے صحابی تھے جنھوں نے

مدینہ آکر وفات پائی تھی۔) حضورؐ کے اس ارشاد پر عورتوں میں کہرام مچ گیا۔ حضرت عمرؓ نے انھیں منع کیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "عمرؓ انھیں رونے دو، دل اور آنکھ کے رونے میں کوئی حرج نہیں، البتہ نوحہ وبین سے بچنا چاہیئے۔"

حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی اپنی بہن کی قبر پر تشریف لائیں اور قبر کے کنارے بیٹھ کر رونے لگیں۔ حضورؐ اپنی چادر مبارک کے کناروں سے ان کے آنسو پونچھتے تھے۔

حضرت رقیہؓ کے قیام حبش کے دوران میں ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا ان کا نام عبداللہؓ رکھا گیا تھا۔ انہی صاحبزادے کے نام کی نسبت سے حضرت عثمانؓ نے اپنی کنیت ابوعبداللہ اختیار کی تھی۔

حضرت عبداللہؓ کی عمر ابھی چھ برس کی تھی کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری جس سے تمام چہرہ متورم ہو گیا اور اسی تکلیف سے جمادی الاول ۴ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ حضورؐ نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت عثمانؓ نے قبر میں اتارا۔

حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ میں باہم بےحد محبت تھی۔ ان کے تعلقات اتنے خوشگوار اور مثالی تھے کہ لوگوں میں یہ مقولہ ان کی نسبت بطور ضرب المثل مشہور ہو گیا تھا۔

احسن الزوجین راہما الانسان رقیہ وزوجہا عثمان

یعنی رقیہ اور عثمانؓ سے بہتر میاں بیوی کسی انسان نے نہیں دیکھے

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِّ کلثوم رضؓ بنتِ رسول اللہ صلعم

(۱)

اُمِّ کلثومؓ نام۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی تھیں والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ تھیں۔ اکثر اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت اُمِّ کلثومؓ بعثتِ نبوی سے چھ سال قبل پیدا ہوئیں۔

ان کا نکاح بعثتِ نبویؐ سے پہلے اپنے ابنِ عم عتیبہ بن ابولہب سے ہوا۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے لوگوں کو دعوتِ اسلام دینی شروع کی تو ابی لہب اور اس کی بیوی آپؐ کے سخت دشمن ہو گئے۔ اور انہوں نے حضورؐ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور سورۃ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّتَبَّ نازل ہوئی۔ ابولہب کو سخت غصہ آیا۔ اس کے ایک بیٹے عتبہ کے نکاح میں رقیہؓ بنتِ رسول اللہ تھیں اور دوسرے بیٹے عتیبہ سے حضرت اُمِّ کلثوم کا نکاح ہوا تھا (اگرچہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی) ابولہب نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا:

راسی من راسک حرام ان لم تطلق ابنتہ

یعنی میرا اٹھنا بیٹھنا تمہارے ساتھ حرام ہے اگر تم نے اس (محمدؐ) کی لڑکی کو طلاق نہ دی

دونوں بیٹوں نے بدبخت باپ کے حکم کی تعمیل کی۔

عتبہ نے حضرت رقیہؓ کو اور عتیبہ نے حضرت اُمِّ کلثومؓ کو طلاق دے دی۔

واقعۂ طلاق کے بعد حضرت رقیہؓ حضرت عثمانؓ کے عقدِ نکاح میں آئیں اس نکاح کو چند ہی سال گزرے تھے کہ حضرت رقیہؓ کا وقتِ آخر آپہنچا اور انہوں نے

۲ سنہ ہجری میں وفات پائی۔ حضرت عثمانؓ کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ اسی زمانے میں حضرت عمرؓ فاروق کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ بھی بیوہ ہوئیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ حفصہؓ سے نکاح کرلیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے تامل کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میں تم کو حفصہؓ کے لیے عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتہ دیتا ہوں اور عثمانؓ کے لیے حفصہؓ سے بہتر رشتہ بتاتا ہوں۔ پھر فرمایا۔ حفصہؓ کا نکاح مجھ سے کردو اور میں اپنی بیٹی کی شادی عثمانؓ سے کر دیتا ہوں جو رقیہؓ کے فوت ہو جانے سے بہت غمگین ہے۔ حضرت عمرؓ فوراً رضامند ہو گئے چنانچہ حضرت حفصہؓ کا نکاح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا۔ اور حضرت اُمِ کلثومؓ کا نکاح حضورؐ نے حضرت عثمانؓ سے پڑھا دیا۔ نکاح کے وقت حضورؐ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ خداوند تعالےٰ نے جبریلِ امین کی معرفت مجھے حکم بھیجا ہے کہ اپنی بیٹی اُمِ کلثومؓ کو اسی حق مہر پر جو رقیہؓ کا تھا تمہارے عقد میں دے دوں۔

حضرت اُمِ کلثومؓ اس نکاح کے بعد چھ سال تک زندہ رہیں اور شعبان ۹ سنہ میں وفات پائی۔ حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب، حضرت اُمِ عطیہؓ اور حضرت اسماء بنت عمیس نے رسول کریمؐ کی ہدایت کے مطابق غسل دیا۔ حضورؐ نے کفن کے لیے اپنی چادر دی اور خود نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابوطلحہؓ، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ قبر میں اترے اور سیّدہ کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کر دیا۔

حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ جس وقت سیّدہ اُمِ کلثومؓ کو قبر میں اتارا گیا تو حضورؐ قبر کے پاس تشریف فرما تھے اور آپ کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں تھا ——— سیّدہ اُمِ کلثومؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

رضی اللہ تعالےٰ عنہا

خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رض

(۱)

فاطمہ نام۔ سرورِ کائنات صلعم کی چوتھی اور سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ والدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔ سیدۃ النساء العالمین، سیدۃ النساء اہل الجنۃ، زہرا، بتول، طاہرہ، مطہرہ، راضیہ، مرضیہ اور زاکیہ ان کے مشہور القاب ہیں۔

سیدہ فاطمۃ الزہرا رض کے زمانہ ولادت کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ان کی ولادت بعثتِ نبوی سے پانچ سال قبل ہوئی جبکہ سرورِ کائنات صلعم کی عمر مبارک پینتیس برس کی تھی۔ ایک اور روایت کے مطابق ان کی پیدائش بعثت سے ایک سال پہلے ہوئی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ سنہ ۱ بعثت میں پیدا ہوئیں۔

بچپن ہی سے نہایت متین اور تنہائی پسند تھیں۔ نہ کبھی کسی کھیل کود میں حصہ لیا اور نہ گھر سے قدم باہر نکالا۔ ہمیشہ والدہ ماجدہ کے پاس بیٹھی رہتیں۔ ان سے اور رسولِ اکرم صلعم سے ایسے ایسے سوالات پوچھتیں جن سے ان کی ذہانت وفطانت کا ثبوت ملتا۔ دنیا کی نمود و نمائش سے سخت نفرت تھی۔ ایک دفعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کے کسی عزیز کی شادی تھی۔ انھوں نے فاطمۃ الزہرا کے لیے عمدہ کپڑے اور زیورات بنوائے جب گھر سے چلنے کا وقت آیا تو سیدہ نے یہ قیمتی کپڑے اور زیور پہننے سے صاف انکار کر دیا اور سادہ حالت میں ہی محفلِ شادی میں شرکت کی۔ گویا بچپن ہی سے ان کی حرکات وسکنات سے خدا دوستی اور استغنا کا اظہار ہوتا تھا۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض سیدہ فاطمۃ الزہرا رض کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دیتی تھیں۔ ایک دفعہ جب وہ ان کو تعلیم دے رہی تھیں تو ننھی بچی نے پوچھا۔" اماں جان اللہ تعالےٰ

کی قدرتیں تو ہم ہر وقت دیکھتے ہیں کیا اللہ تعالےٰ خود نظر نہیں آ سکتے۔"

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے فرمایا: "میری بچی اگر ہم دنیا میں اچھے کام کریں گے اور خدا کے احکام پر عمل کریں گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے مستحق ہوں گے اور یہی اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا۔"

سنہ بعثت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے وفات پائی تو سیدہ رضؓ پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا حضورؐ نے سیدہ رضؓ کی تربیت اور نگہداشت کے خیال سے حضرت سودہ رضؓ سے نکاح کر لیا۔ حضورؐ کی حیاتِ مبارک یکسر تبلیغِ حق کے لیے وقف تھی لیکن جب بھی آپؐ کو فرصت ملتی آپؐ فاطمۃ الزہرا رضؓ کے پاس تشریف لاتے انھیں دلاسا دیتے اور نہایت قیمتی نصائح سے نوازتے۔

تنہائی کے اوقات میں حضرت حفصہ رضؓ بنت عمر فاروق رضؓ۔ حضرت عائشہ رضؓ بنتِ ابوبکر صدیق رضؓ۔ حضرت اسماء رضؓ بنتِ ابوبکر صدیق رضؓ اور فاطمہ بنتِ زبیر رضؓ وغیرہ سیدہ رضؓ کے پاس وقتاً فوقتاً آ بیٹھتیں اور ان کی غمگساری و دلجوئی کرتیں۔ تبلیغِ حق کے جرم میں مشرکین رسولِ مقبولؐ کو بڑی تکلیفیں پہنچاتے۔ کبھی سرِ اقدس پر خاک ڈال دیتے کبھی راستے میں کانٹے بچھا دیتے۔ جب حضورؐ گھر تشریف لاتے تو حضرت فاطمہ رضؓ انہیں تسلّی دیا کرتیں۔ کبھی وہ خود بھی اپنے جلیل القدر باپؐ کی مصیبتوں پر اشکبار ہو جاتیں اس وقت حضورؐ انھیں تسلّی دیتے اور فرماتے: "میری بچی گھبراؤ نہیں خدا تمہارے باپؐ کو تنہا نہ چھوڑے گا۔"

ایک مرتبہ حضورؐ خانۂ کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ کفّار کو شرارت سوجھی۔ انھوں نے اونٹ کی اوجھڑی لا کر سجدہ کی حالت میں حضورؐ کی گردنِ مبارک پر ڈال دی۔ اس شریر گروہ کا سرغنہ عقبہ بن ابی معیط تھا۔ کسی نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ کو آ بتایا کہ تمہارے باپؐ کے ساتھ شریروں نے یہ حرکت کی ہے۔ بےچین ہو گئیں، دوڑتی ہوئی کعبہ پہنچیں اور حضورؐ کی گردن مبارک سے اوجھڑی ہٹائی۔ کفار ارد گرد کھڑے ہنستے اور تالیاں بجاتے تھے۔ سرورِ کونینؐ کی جلیل القدر بیٹی رضؓ نے ایک نگاہِ خشم آلود ان پر ڈالی اور فرمایا: "شریرو! احکم الحاکمین تمہیں ان شرارتوں کی ضرور سزا دے گا۔" خدا کی قدرت چند سال بعد یہ سب جنگِ بدر میں ذلّت کے ساتھ مارے گئے۔

جب کفارِ مکہ کی شر انگیزی اور ایذا رسانی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو بارگاہِ الٰہی سے رسولِ کریمؐ

کو ہجرت کا حکم ہوا۔ ۱۳ بعد بعثت میں حضورؐ ایک رات حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اپنے بسترِ مبارک پر سلا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں عازمِ مدینہ ہوئے۔ مدینہ پہنچنے کے کچھ دن بعد حضورؐ نے اپنے اہل و عیال کو لانے کے لیے اپنے غلام حضرت ابو رافعؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہؓ کو مکہ بھیجا۔ ان دونوں حضرات کے ہمراہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت اُمِّ کلثومؓ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت اُمِّ ایمنؓ اور اُسامہ بن زیدؓ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی مدینہ پہنچ کر حضرت سودہؓ اور بناتِ طاہراتؓ حضورؐ کے پاس اپنے نئے گھر میں قیام پذیر ہوئیں۔

(۲)

ہجرتِ مدینہ کے وقت سیدہ فاطمۃ الزہراؓ سنِ بلوغت کو پہنچ چکی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضورؐ کو حضرت فاطمہؓ کے لیے پیغام بھیجا لیکن حضورؐ خاموش رہے یا بعض روایتوں کے مطابق فرمایا۔ "جو خدا کا حکم ہوگا۔" پھر حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضرت فاطمہؓ کے لیے پیغام بھیجا۔ حضورؐ نے انھیں بھی یہی جواب دیا۔ چند دن بعد حضورؐ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسبت شیرِ خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے کر دی۔ یہ نسبت کیسے قرار پائی اس کے متعلق تین مختلف روایتیں ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ ایک دن حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، اور سعدؓ بن ابی وقاص نے مشورہ کیا کہ فاطمۃ الزہراؓ کے لیے کئی پیغام حضورؐ کو پہنچے ہیں لیکن آپؐ نے کوئی بھی منظور نہیں فرمایا اب علیؓ باقی ہیں جو رسول اللہؐ کے جاں نثار اور محبوب بھی ہیں اور عم زاد بھائی بھی، معلوم ہوتا ہے فقر و تنگدستی کی وجہ سے وہ فاطمہؓ کے لیے پیغام نہیں بھیجتے۔ کیوں نہ انھیں پیغام بھیجنے کی ترغیب دی جائے اور ضرورت ہو تو ان کی مدد بھی کی جائے۔ تینوں حضراتؓ یہ مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو ڈھونڈنے نکلے۔ وہ جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہے تھے۔ انھوں نے پورے خلوص کے ساتھ علی کرم اللہ وجہہٗ کو حضرت فاطمہؓ کے لیے پیغام بھیجنے کی ترغیب دی۔ انھیں اپنی بے سرو سامانی کی وجہ سے پیغام بھیجنے میں تامل ہوا مگر ان حضرات کے مجبور کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس سے پہلے دلی خواہش تو ان

کی بھی یہی تھی لیکن فطری حیا پیغام بھیجنے میں مانع تھی۔ اب جرأت کر کے حضورؐ کو پیغام بھیجدیا۔ حضورؐ نے ان کی استدعا فوراً قبول کرلی۔ پھر حضورؐ نے حضرت فاطمۃ الزہرارضؓ سے اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے بھی بزبانِ خاموشی اپنی رضامندی کا اظہار کردیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ انصارؓ کی ایک جماعت نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو حضرت فاطمہؓ کے لیے پیغام بھیجنے کی ترغیب دی۔ حضرت علیؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حرفِ مدعا زبان پر لائے۔ حضورؐ نے فوراً فرمایا اھلاً ومرحبا اور پھر خاموش ہوگئے۔ انصارؓ کی جماعت باہر منتظر تھی۔ حضرت علیؓ نے انہیں حضورؐ کا جواب سنایا تو انھوں نے حضرت علیؓ کو مبارکباد دی کہ حضورؐ نے آپ کا پیغام منظور فرمالیا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی ایک آزاد کردہ لونڈی نے ایک دن ان سے پوچھا:

"کیا فاطمہؓ کا پیغام حضورؐ کو کسی نے بھیجا۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا "مجھے معلوم نہیں۔"

اس نے کہا۔ "آپؓ کیوں پیغام نہیں بھیجتے؟"

علیؓ مرتضیٰ نے فرمایا۔ "میرے پاس کیا چیز ہے کہ میں عقد کروں۔"

اس نیک بخت نے مجبور کر کے جناب علی مرتضےٰؓ کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ کچھ حضورؐ کی جلالت اور کچھ فطری حیا کہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے اور سر جھکا کر خاموش بیٹھ رہے۔ حضورؐ نے خود ہی توجہ فرمائی اور پوچھا "علی، آج خلافِ معمول بالکل ہی چپ چاپ ہو، کیا فاطمہؓ سے نکاح کی درخواست لے کر آئے ہو؟"

حضرت علیؓ نے عرض کی۔ "بیشک یا رسولؐ اللہ"

حضورؐ نے پوچھا۔ "تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے بھی کچھ ہے؟" حضرت علیؓ نے نفی میں جواب دیا۔

پھر حضورؐ نے فرمایا: "میں نے تمہیں جو زرہ دی تھی، وہی مہر میں دے دو۔"

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے ارشادِ نبویؐ کے آگے سرِ تسلیم خم کردیا۔

اس کے بعد حضرت علیؓ زرہ فروخت کرنے کے لیے بازار کی طرف روانہ ہوئے راستے میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ مل گئے۔ انہوں نے چار سو اسّی درہم پر یہ زرہ خرید لی اور پھر یہی زرہ حضرت علیؓ کو بطور ہدیہ واپس کر دی۔

زرہ کی قیمتِ فروخت حضرت علی مرتضٰیؓ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر کی تو آپؐ نے فرمایا۔ "دو تہائی خوشبو وغیرہ پر صرف کرو اور ایک تہائی سامانِ شادی اور دیگر اشیائے خانہ داری پر خرچ کرو۔"

پھر حضورؐ نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ جاؤ ابوبکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور دیگر مہاجرین وانصارؓ کو بلا لاؤ۔ جب سب دربارِ رسالتؐ میں جمع ہو گئے تو حضورؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

"اے گروہِ مہاجرین وانصارؓ ابھی جبریلِؑ امین میرے پاس یہ اطلاع لے کر تشریف لائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور میں فاطمہؓ بنتِ محمدؐ کا نکاح اپنے بندۂ خاص علیؓ ابن ابی طالب سے کر دیا اور مجھے حکم ہوا ہے کہ عقدِ نکاح کی تجدید کر کے گواہان کے روبرو ایجاب وقبول کراؤں۔"

پھر حضورؐ نے خطبۂ نکاح پڑھا اور علی مرتضٰیؓ سے متبسم ہو کر فرمایا:

"میں نے چار سو مثقال چاندی مہر پر فاطمہؓ کو تیرے نکاح میں دیا۔ کیا تجھے منظور ہے ـــــ"

حضرت علیؓ نے عرض کیا: "بسر وچشم"

پھر حضورؐ نے دعا فرمائی "جمع اللّٰہ شملکما وعز وجل کما وبارک علیکما واخرج منکما کنزاً طیباً۔" یعنی خدا تم دونوں کی پراگندگی جمع کرے اور تمہاری سعی مشکور ہو، تم دونوں پر برکت نازل کرے اور تم سے پاک اولاد پیدا ہو۔

پھر سب نے دعائے خیر وبرکت مانگی اور حضورؐ نے ایک طبق چھوہارے حاضرین پر لٹا دیئے۔

زمانۂ نکاح کے متعلق روایتوں میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مبارک نکاح

صفر ۲ ہجری اور بعض کے نزدیک محرم یا رجب ۲ ہجری میں ہوا۔ ایک اور روایت کے مطابق یہ نکاح شوال ۳ ہجری میں ہوا۔ بعض مؤرخین کا قول ہے کہ یہ نکاح جنگِ احد کے بعد اور حضرت عائشہؓ صدیقہ کی رخصتی کے ساڑھے چار ماہ بعد ہوا۔ بہرحال نکاح کے وقت اکثر اہلِ سیر کے نزدیک حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی عمر تقریباً پندرہ سال کی تھی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی عمر تقریباً اکیس سال کی تھی۔

(۳)

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہٗ نے سرورِ کائناتؐ کے مکان سے کچھ فاصلہ پر ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔ سیدۃ النساءؓ رخصت ہو کر اسی گھر کی ملکہ بنیں۔ رخصتی سے پہلے حضورؐ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بلایا۔ اپنے سینۂ مبارک پر ان کا سر رکھا اور پیشانی پر بوسہ دیا پھر اپنی لختِ جگر کا ہاتھ حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ میں دے کر فرمایا:

"اے علیؓ پیغمبرؐ کی بیٹی تجھے مبارک ہو۔" اس کے بعد حضرت فاطمہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے فاطمہؓ تیرا شوہرؓ بہت اچھا ہے۔"

پھر آپؐ نے دونوں میاں بیوی کو فرائض وحقوق بتائے اور خود دروازے تک وداع کرنے آئے۔ دروازے پر علی مرتضیٰؓ کے دونوں باز و پکڑ کر انہیں دعائے خیر وبرکت دی۔ حضرت علیؓ اور سیدۃ النساءؓ دونوں اونٹ پر سوار ہوئے۔ حضرت سلمانؓ فارسی نے اس کی نکیل پکڑی۔ حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور بعض روایتوں کے مطابق سلمیٰؓ ام رافع یا ام ایمنؓ ان کے ہمراہ گئیں۔

سرورِ کائناتؐ نے اپنی لختِ جگر کو جو سامان جہیز میں دیا اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ایک بستر مصری کپڑے کا جس میں اون بھری ہوئی تھی۔

۲۔ ایک نقشی تخت یا پلنگ۔

۳۔ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔

۴۔ ایک مشکیزہ۔

۵- دو مٹی کے برتن (یا گھڑے) پانی کے لیے۔

۶- ایک چکی

۷- ایک پیالہ

۸- دو چادریں۔

۹- دو بازو بند نقرئی۔

۱۰- ایک جائے نماز

شادی کے بعد حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ دعوت ولیمہ بھی ہونی چاہیے، مہر ادا کرنے کے بعد جو رقم بچ گئی تھی حضرت علیؓ نے اسی سے ولیمہ کا انتظام کیا۔ دستر خوان پر پنیر، کھجور، نانِ جو اور گوشت تھا۔ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ یہ اس زمانے کا بہترین ولیمہ تھا۔

جب فاطمۃ الزہراؓ اپنے نئے گھر چلی گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اجازت مانگی، پھر اندر داخل ہوئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ اپنے دستِ مبارک اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو اپنے پاس بلایا۔ وہ شرم حیا سے جھجکتی ہوئی حضورؐ کے سامنے آئیں۔ آپؐ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا:

"اے فاطمہؓ میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں بہترین شخص سے کی ہے۔"

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا گھر مسکنِ نبویؐ سے کسی قدر فاصلے پر تھا۔ آنے جانے میں تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دن رسولِ کریمؐ نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: "بیٹی مجھے اکثر تمہیں دیکھنے کے لیے آنا پڑتا ہے۔ میں چاہتا ہوں تمہیں اپنے قریب بلا لوں۔"

حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا "حضورؐ کے قرب وجوار میں حارثہ بن نعمان کے بہت سے مکانات ہیں۔ آپؐ ان سے فرمایئے وہ کوئی نہ کوئی مکان خالی کر دیں گے۔"

حارثہ بن نعمان ایک متمول انصاری تھے اور کئی مکانات کے مالک تھے۔ جب سے حضورؐ مدینہ تشریف لائے تھے وہ اپنے کئی مکانات یکے بعد دیگرے حضورؐ کی نذر کر چکے تھے۔

جب حضرت فاطمہؓ نے حارثہؓ کے مکان کے لیے حضورؐ سے التماس کی تو آپؐ نے فرمایا

"میری لختِ جگر! حارثہؓ سے اب کوئی مکان مانگتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے کیونکہ وہ پہلے ہی اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی کے لیے کئی مکان دے چکے ہیں۔"

حضرت فاطمہؓ خاموش ہو گئیں۔

ہوتے ہوتے یہ خبر حضرت حارثہؓ بن نعمان تک پہنچی کہ حضورؐ فاطمہؓ کو اپنے قریب بلانا چاہتے ہیں لیکن مکان نہیں مل رہا۔ وہ فوراً حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا رسول اللہ آپ فاطمہؓ کو کسی قریبی مکان میں لانا چاہتے ہیں، یہ مکان جو آپؐ کے متصل ہے میں خالی کیے دیتا ہوں، آپؐ فاطمہؓ کو بلا لیجیے۔ اے میرے آقا میرا جان و مال حضورؐ پر قربان ہے۔ خدا کی قسم جو چیز حضورؐ مجھ سے لیں گے مجھے اس کا حضورؐ کے پاس رہنا زیادہ محبوب ہوگا، بہ نسبت اس کے کہ میرے پاس رہے۔" حضورؐ نے فرمایا "تم سچ کہتے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و برکت دے۔" اس کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کو حارثؓ بن نعمان کے مکان میں منتقل کر لیا

(۴)

حضرت فاطمۃ الزہرا رفتار و گفتار اور عادات و خصائل میں رسولِ کریمؐ کا بہترین نمونہ تھیں۔ وہ نہایت متقی، صابرہ قانع اور دیندار خاتون تھیں۔ گھر کا تمام کام کاج خود کرتی تھیں، چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دینے اور چولھا پھونکنے سے کپڑے میلے ہو جاتے تھے لیکن ان کے ماتھے پر بل نہیں آتا تھا۔ گھر کے کاموں کے علاوہ عبادت بھی کثرت سے کرتی تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سلطان الفقرا تھے۔ فاطمۃ الزہراؓ نے بھی فقر و فاقہ میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ جلیل القدر والد شہنشاہِ عرب ملکہ شہنشاہِ دو جہاں تھے لیکن داماد اور بیٹی پر کئی کئی وقت کے فاقے گزر جاتے تھے۔ ایک دن دونوں میاں بیوی آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو کہیں سے مزدوری میں ایک درہم مل گیا۔ رات ہو چکی تھی۔ ایک درہم کے جو کہیں سے خرید کر گھر پہنچے۔ فاطمہ بتولؓ نے ہنسی خوشی اپنے نامدار خاوند کا استقبال کیا۔ جو ان سے لے کر چکی میں پیسے، روٹی پکائی اور علی مرتضیٰؓ کے سامنے رکھ دی جب وہ کھا چکے تو خود کھانے بیٹھیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سید البشرؐ کا یہ ارشاد

یاد آیا کہ فاطمہؓ دنیا کی بہترین عورت ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب فتوحاتِ اسلام روز بروز وسعت پذیر ہو رہی تھیں۔ مدینہ منورہ میں بکثرت مالِ غنیمت آنا شروع ہو گیا تھا۔ ایک دن حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ مالِ غنیمت میں کچھ لونڈیاں آئی ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ سے کہا "فاطمہ چکی پیستے پیستے تمہارے ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے ہیں اور چولھا پھونکتے پھونکتے تمہارے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا ہے۔ آج حضورؐ کے پاس مالِ غنیمت میں بہت سی لونڈیاں آئی ہیں، جاؤ سرکارِ دو عالمؐ سے ایک لونڈی مانگ لاؤ۔" حضرت فاطمۃ الزہراؓ نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں لیکن شرم و حیا حرفِ مدعا زبان پر لانے میں مانع ہوئی۔ تھوڑی دیر حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہ کر واپس آ گئیں، اور حضرت علیؓ سے کہا کہ مجھے حضورؐ سے کنیز مانگنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ پھر دونوں میاں بیوی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی تکالیف بیان کیں اور ایک لونڈی کے لیے درخواست کی۔ سرورِ کائناتؐ نے فرمایا:

> "میں تم کو کوئی قیدی خدمت کے لیے نہیں دے سکتا۔ ابھی اصحابِؓ صفہ کی خورد و نوش کا تسلی بخش انتظام مجھے کرنا ہے، میں ان لوگوں کو کیسے بھول جاؤں جنھوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر خدا اور خدا کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر فقر و فاقہ اختیار کیا ہے۔"

دونوں میاں بیوی خاموشی سے گھر تشریف لے گئے۔ ابن سعدؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ رات کو حضورؐ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم جس چیز کے خواہش مند تھے اس سے بہتر ایک چیز میں تم کو بتاتا ہوں۔ ہر نماز کے بعد دس دس بار سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر پڑھا کرو اور سوتے وقت سبحان اللہ الحمد للہ ۳۳، ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لیے بہترین خادم ثابت ہو گا۔

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس واقعہ کا خوب نقشہ کھینچا ہے:

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال | گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں | چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

اٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی ہر صبح شام تھا

آخر گئیں جنابِ رسولؐ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق وہاں اذنِ عام تھا

محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاسِ حیا کا مقام تھا

پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے
کل کس لیے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا

غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا

ارشاد یہ ہوا کہ غریبانِ بے وطن
جن کا کہ صفۂ نبویؐ میں قیام تھا

میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا

جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں
میں اس کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا

کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیدۂ پاکؓ رہ گئیں
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کی بسر اہلِ بیتِ مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانامؐ تھا

ایک دفعہ رسولِ کریمؐ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے ہاں تشریف لے گئے دیکھا کہ سیدۃ النساءؓ اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور اس میں بھی تیرہ پیوند لگے ہیں۔ آٹا گوندھ رہی ہیں اور زبان پر کلام اللہ کا ورد جاری ہے۔ حضورؐ یہ منظر دیکھ کر آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا

"فاطمہؓ دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی دائمی مسرت کا انتظار کر اللہ تمہیں نیک اجر دے گا۔"

حضرت ابوذر غفاریؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے مجھے حکم دیا کہ علیؓ کو بلا لاؤ۔ جس وقت میں ان کے گھر گیا تو دیکھا کہ سیدۃ النساءؓ حضرت حسینؓ کو گود میں لیے چکی پیس رہی ہیں۔

فی الحقیقت سیدہؓ کا اکثر یہ حال ہوتا تھا کہ دو دو وقت کے فاقے ہوتے تھے اور بچوں کو گود میں لے کر چکی پیسا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ فاطمۃ الزہراؓ مسجدِ نبویؐ میں تشریف لائیں اور روٹی کا ایک ٹکڑا سرکارِ دو عالمؐ کو دیا۔ حضورؐ نے پوچھا: "یہ کہاں سے آیا ہے۔" سیدہؓ نے جواب دیا: "ابا جان تھوڑے سے جَو پیس کر روٹی پکائی تھی جب بچوں کو کھلا رہی تھی، خیال آیا کہ آپ کو بھی تھوڑی سی کھلا دوں۔ اے خدا کے رسولِ برحق یہ روٹی تیسرے وقت نصیب ہوئی ہے۔" حضورؐ نے روٹی تناول فرمائی اور فرمایا:

"اے میری بچیؓ چار وقت کے بعد یہ پہلا ٹکڑا ہے جو تیرے باپؐ کے منہ میں پہنچا ہے۔"

(۵)

ایک دفعہ حضورؐ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے گھر تشریف لے گئے دیکھا کہ دروازے پر ایک رنگین پردہ لٹکا ہوا ہے اور حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں چاندی کے دو کنگن ہیں۔ آپؐ یہ دیکھ کر واپس لوٹ گئے۔ حضرت سیدہؓ بہت دلگیر ہوئیں اور رونے لگیں۔ اتنے میں حضورؐ کے غلام حضرت ابو رافعؓ پہنچ گئے۔ رونے کا سبب پوچھا۔ حضرت سیدہؓ نے ماجرا سنایا۔ تو بولے حضورؐ نے کنگن اور پردے کو ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے دونوں چیزوں کو فوراً حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ میں نے انہیں راہِ خدا میں دے دیا۔ حضورؐ بہت خوش ہوئے۔ اپنی بچی کے حق میں دعائے خیر و برکت مانگی اور ان اشیاء کو بیچ کر قیمتِ فروخت اصحابِ صفہ کے اخراجات میں صرف کر دی۔

ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ گھر تشریف لائے کچھ کھانے کو مانگا۔ سیدہؓ نے بتایا کہ آج تیسرا دن ہے۔ گھر میں جَو کا ایک دانہ تک نہیں۔ جنابِ مرتضیٰؓ نے فرمایا: "اے فاطمہؓ مجھ سے تم نے ذکر کیوں نہیں کیا۔"

سیدۃ النساءؓ نے جواب دیا: "اے میرے سرتاج میرے باپؐ نے رخصتی کے وقت نصیحت کی تھی کہ میں کبھی سوال کر کے آپ کو شرمندہ نہ کروں۔"

ایک دفعہ دوپہر کے وقت رسولِ کریمؐ بھوکے گھر سے نکلے۔ راستے میں حضرت

ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ ملے، وہ بھی بھوکے تھے۔ تینوں حضرت ابوایوب انصاریؓ کے کھجوروں کے باغ میں پہنچے۔ انھوں نے فوراً کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ کر ان کے سامنے رکھا اور پھر ایک بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کے کباب بنوائے اور سالن پکوایا۔ دسترخوان بچھایا گیا تو حضورؐ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ یہ فاطمہؓ کو بھجوا دو انہیں کئی دن سے فاقہ ہے۔

ایک دفعہ قبیلہ بنو سلیم کا ایک بوڑھا ضعیف آدمی مسلمان ہوا، حضورؐ نے اسے دین کے ضروری احکام و مسائل بتائے! ور پھر اس سے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ مال بھی ہے۔ اس نے کہا "خدا کی قسم بنی سلیم کے تین ہزار آدمیوں میں سب سے زیادہ غریب اور فقیر میں ہی ہوں۔" حضورؐ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا: "تم میں سے کون اس مسکین کی مدد کریگا؟"

حضرت سعدؓ بن عبادہ اٹھے اور کہا: یا رسول اللہؐ میرے پاس ایک اونٹنی ہے جو میں اس کو دیتا ہوں۔"

حضورؐ نے پھر فرمایا: "تم میں سے کون ہے جو اس کا سر ڈھانک دے۔"
سیدنا علی مرتضیٰؓ اٹھے اور اپنا عمامہ اتار کر اس اعرابی کے سر پر رکھ دیا۔
پھر حضورؐ نے فرمایا: "کون ہے جو اس کی خوراک کا بندوبست کرے؟"

حضرت سلمانؓ فارسی نے اعرابی کو ساتھ لیا اور اس کی خوراک کا انتظام کرنے نکلے۔ چند گھروں سے دریافت کیا لیکن وہاں سے کچھ نہ ملا۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پوچھا کون ہے۔ انھوں نے سارا واقعہ بیان کیا اور التجا کی کہ "اے اللہ کے سچے رسولؐ کی بیٹی اس مسکین کی خوراک کا بندوبست کیجیے۔"

سیدۂ عالمؓ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: "اے سلمانؓ خدا کی قسم آج ہم سب کو تیسرا فاقہ ہے۔ دونوں بچے بھوکے سوئے ہیں لیکن سائل کو خالی ہاتھ جانے نہ دوں گی۔ جاؤ یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور کہو فاطمہؓ بنت محمدؐ کی یہ چادر رکھ لو اور اس غریب انسان کو تھوڑی سی جنس دے دو۔"

سلمانؓ اعرابی کو ساتھ لے کر یہودی کے پاس پہنچے۔ اس سے تمام کیفیت بیان کی

وہ حیران رہ گیا اور پھر پکار اٹھا "اے سلمانؓ خدا کی قسم یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی ہے، گواہ رہنا کہ میں فاطمہؓ کے باپؐ پر ایمان لایا۔" اس کے بعد کچھ غلہ حضرت سلمانؓ کو دیا اور چادر بھی سیدہ فاطمہؓ کو واپس بھیجدی، وہ لے کر ان کے پاس پہنچے۔ سیدہؓ نے اپنے ہاتھ سے اناج پیسا اور جلدی سے اعرابی کے لیے روٹی پکا کر حضرت سلمانؓ کو دی۔ انھوںؓ نے کہا۔ "اس میں سے کچھ بچوں کے لیے رکھ لیجیے۔" جواب دیا۔ "سلمانؓ جو چیز خدا کی راہ میں دے چکی وہ میرے بچوں کے لیے جائز نہیں۔"

حضرت سلمانؓ روٹی لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے وہ روٹی اعرابی کو دی اور فاطمۃ الزہراؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کے سر پر اپنا دستِ شفقت پھیرا، آسمان کی طرف دیکھا اور دعا کی:

"بارِ الہٰا فاطمہؓ تیری کنیز ہے، اس سے راضی رہنا۔"

ایک دفعہ کسی نے سیدہؓ سے پوچھا، چالیس اونٹوں کی زکوٰۃ کیا ہوگی۔ سیدہؓ نے فرمایا: "تمہارے لیے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوں تو میں سارے ہی راہِ خدا میں دے دوں۔"

حضرت ابنِ عباسؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ساری رات ایک باغ سینچا اور اجرت میں تھوڑے سے جَو حاصل کیے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کا ایک حصہ لے کر آٹا پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا "میں بھوکا ہوں۔" حضرت سیدہ نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج کا کچھ حصہ لے کر پیسا اور کھانا پکایا۔ ابھی کھانا پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک یتیم نے دروازہ پر آکر دستِ سوال دراز کیا۔ وہ سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج پیسا اور کھانا تیار کیا۔ اتنے میں ایک مشرک قیدی نے اللہ کی راہ میں کھانا مانگا۔ وہ سب کھانا اس کو دے دیا گیا۔ غرض سب اہلِ خانہ نے اس دن فاقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس سارے گھر کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۔

(اور وہ اللہ کی راہ میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں) (الدھر)

غزوۂ اُحد میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہو گئے اور آپؐ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ مدینہ میں یہ خبر پہنچی تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ چند دوسری خواتین کے ہمراہ با دیدۂ گریاں میدانِ اُحد میں پہنچیں۔ حضورؐ کو زندہ و سلامت دیکھ کر جان میں جان آئی لیکن پدرِ محترم کو اس حالت میں دیکھ کر سخت غمزدہ ہوئیں۔ حضورؐ کے زخموں کو بار بار دھوتی تھیں لیکن پیشانی کے زخم سے خون نہ تھمتا تھا۔ آخر کھجور کی چٹائی جلا کر زخم میں بھری جس سے خون تھم گیا۔

ایک دفعہ سیدۃ النساءؓ بیمار ہو گئیں۔ نبی کریمؐ نے اپنے ایک معمر صحابی حضرت عمرانؓ بن حصین کو اپنے ہمراہ لیا اور اپنی لختِ جگر کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ دروازہ پر پہنچ کر داخلے کی اجازت مانگی۔ سیدۃؓ نے عرض کی: "تشریف لائیے۔" حضورؐ نے فرمایا میرے ساتھ عمرانؓ بن حصین بھی ہیں۔ حضرت بتولؓ نے جواب دیا: "ابا جانؐ میرے پاس ایک عبا کے سوا کوئی دوسرا کپڑا نہیں کہ پردہ کر دوں۔" حضورؐ نے اپنی چادر مبارک اندر پھینک کر فرمایا: "بیٹی اس سے پردہ کر لو۔"

اس کے بعد حضورؐ اور حضرت عمرانؓ اندر تشریف لے گئے اور سیدۃؓ سے ان کا حال پوچھا۔ فاطمۃ الزہراؓ نے عرض کیا: "ابا جان شدتِ درد سے بے چین ہوں اور بھوک نے نڈھال کر رکھا ہے کیونکہ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اے میری بیٹی صبر کر۔ میں بھی آج تین دن سے بھوکا ہوں اللہ تعالیٰ سے میں جو کچھ مانگتا وہ ضرور مجھے عطا کرتا لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔"

پھر آپؐ نے اپنا دستِ شفقت حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی پشت پر پھیرا اور فرمایا:

"اے لختِ جگر دنیا کے مصائب سے دل شکستہ نہ ہو، تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو۔"

فاطمۃ الزہراؓ اس فقر و غنا کے ساتھ کمال درجہ کی عابدہ تھیں۔ امام حسنؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی ماں کو شام سے صبح تک عبادت کرتے اور خدا کے حضور گریہ وزاری کرتے دیکھا لیکن انھوں نے کبھی اپنی دعاؤں میں اپنے لیے کوئی درخواست نہ کی۔

ایک دفعہ سیدۃؓ علیل تھیں لیکن علالت میں بھی رات بھر عبادت میں مصروف رہیں جب حضرت علیؓ صبح کی نماز کے لیے مسجد گئے تو وہ نماز کے لیے کھڑی ہو گئیں، نماز سے فارغ ہو کر چکی پیسنے لگیں۔ حضرت علیؓ نے واپس آکر ان کو چکی پیستے دیکھا تو فرمایا: اے رسولِ خدا کی بیٹیؓ اتنی مشقت نہ اٹھایا کرو، تھوڑی دیر آرام کر لیا کرو کہیں زیادہ بیمار نہ ہو جاؤ۔"

فرمانے لگیں: "خدا کی عبادت اور آپ کی اطاعت مرض کا بہترین علاج ہے اگر ان میں سے کوئی موت کا باعث بن جائے تو اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی کیا ہوگی۔"

ایک مرتبہ حضورؐ نے سیدۃؓ سے پوچھا: "جانِ پدر (مسلمان) عورت کے اوصاف کیا ہیں۔"

انہوں نے عرض کیا: "ابا جان عورت کو چاہیے کہ خدا اور رسول کی اطاعت کرے، اولاد پر شفقت کرے۔ اپنی نگاہ نیچی رکھے، اپنی زینت کو چھپائے، نہ خود غیر کو دیکھے نہ غیر اس کو دیکھ پائے۔" حضورؐ یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے۔

(۶)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عوراء بنت ابی جہل سے نکاح کا ارادہ کیا۔ سیدۃ النساءؓ سخت آزردہ ہوئیں۔ جب رسولِ کریمؐ ان کے پاس تشریف لائے تو سیدۃؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہؐ علیؓ مجھ پر سوت (سوکن) لانا چاہتے ہیں۔" حضورؐ کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ ادھر عوراء کے سرپرست بھی حضورؐ سے اس نکاح کی اجازت لینے آئے۔ سرورِ کائناتؐ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر چڑھ کر فرمایا:

"آلِ ہشام علیؓ سے اپنی لڑکی کا عقد کرنے کے لیے مجھ سے اجازت چاہتے ہیں۔ لیکن میں اجازت نہ دوں گا۔ البتہ علیؓ میری لڑکی کو طلاق دے کر دوسری لڑکی سے شادی کر سکتے ہیں۔ فاطمہؓ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے، جس نے اس کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔ جس نے اس کو دکھ پہنچایا اس نے

مجھے دکھ پہنچایا۔ میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرنا چاہتا لیکن خدا کی قسم اللہ کے رسولؐ کی بیٹیؓ اور دشمنِ خدا کی بیٹی دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔"

اس کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علیؓ نے ارادۂ نکاح فوراً ترک کر دیا اور سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی زندگی تک پھر دوسرے نکاح کا خیال تک دل میں نہ لائے۔

(۷)

حضورؐ کو جیسے اپنی بیٹیؓ سے محبت تھی ویسے ہی اپنے داماد اور نواسوں سے بھی بے حد پیار تھا۔ ان سے فرمایا کرتے "جن لوگوں سے تم ناراض ہو گئے میں بھی ان سے ناخوش ہوں گا جن سے تمہاری لڑائی ہے ان سے میری بھی لڑائی ہے، جن سے تمہاری صلح ہے ان سے میری بھی صلح ہے۔"

حضرت علیؓ سے فرمایا کرتے۔ "اے علیؓ تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

فاطمۃ الزہراؓ کے فرزندوں امام حسنؓ اور حسینؓ کو حضورؐ بھی اپنے جگر کے ٹکڑے سمجھتے تھے۔ نہایت محبت سے انھیں بوسے دیتے اور اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتے تھے۔

(۸)

وصالِ نبویؐ سے کچھ دن پہلے حضرت فاطمۃ الزہراؓ حضورؐ کی خبر گیری کے لیے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ میں تشریف لائیں۔ حضورؐ نے نہایت شفقت سے انہیں اپنے پاس بٹھا لیا اور ان کے کان میں آہستہ سے کوئی بات کہی جسے سن کر وہ رونے لگیں، پھر حضورؐ نے کوئی اور بات ان کے کان میں کہی جسے سن کر وہ ہنسنے لگیں۔ جب چلنے لگیں تو عائشہ صدیقہؓ نے ان سے پوچھا، "اے فاطمہؓ تیرے رونے اور ہنسنے میں کیا بھید تھا؟" سیدہؓ نے فرمایا جو بات حضورؐ نے اخفا میں رکھی ہے، میں اسے ظاہر نہ کروں گی۔"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد ایک دن حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت اُمِّ سلمہؓ، نے حضرت فاطمہؓ سے اس دن کے واقعہ کی تفصیل پوچھی۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے فرمایا: "پہلی دفعہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ پہلے جبریلؑ امین سال

میں ہمیشہ ایک بار قرآن مجید کا دَور کیا کرتے تھے۔ اس سال خلافِ معمول دوبار کیا ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ میری وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔" اس پر میں رونے لگی۔

پھر حضورؐ نے فرمایا تھا۔ "تم اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے مجھے ملوگی اور تم جنت کی عورتوں کی سردار ہوگی۔" اس بات سے مجھے خوشی ہوئی اور میں ہنسنے لگی۔

رحلت سے قبل جب حضورؐ پر بار بار غشی طاری ہوئی تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ فرمایا واکرب اباہ۔ ہائے میرے باپ کی بے چینی۔

حضورؐ نے فرمایا: "تمہارا باپ آج کے بعد بے چین نہ ہوگا۔"

سرورِ کائناتؐ کے وصال سے حضرت فاطمۃ الزہراؓ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انہوں نے بے اختیار ہوکر فرمایا:

پیارے باپ نے دعوتِ حق کو قبول کیا اور فردوسِ بریں میں داخل ہوئے۔ آہ جبریلؑ کو ان کے انتقال کی خبر کون پہنچا سکتا ہے۔

پھر دعا مانگی: "بار الٰہا روحِ فاطمہؓ کو روحِ محمدؐ کے پاس پہنچادے۔ خدایا مجھے رسولِ کریمؐ کے دیدار سے مسرور کردے۔ الٰہی بروزِ محشر شفاعتِ محمدؐ سے محروم نہ فرما۔"

بعض روایتوں میں ان سے ایک مرثیہ بھی منسوب ہے۔ جو انہوں نے حضورؐ کے وصال پر کہا۔ اس مرثیہ میں وہ کہتی ہیں

> "آسمان غبار آلود ہوگیا۔ آفتاب لپیٹ دیا گیا۔ دنیا میں تاریکی ہوگئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زمین نہ صرف غمگین ہے بلکہ فرطِ الم سے شق ہوگئی ہے۔ ان پر قبیلہ مضر کے لوگ اور تمام اہلِ یمن روتے ہیں۔ بڑے بڑے پہاڑ اور محلات روتے ہیں۔ اے خاتم الرسلؐ خدا آپؐ پر رحمت نازل فرمائے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین کے بعد صحابیات اور صحابہؓ کرام تعزیت کے لیے ان کے پاس آتے تھے لیکن ان کو کسی پہلو قرار نہ آتا تھا۔ تمام کتبِ سیر متفق ہیں کہ حضورؐ کے وصال کے بعد کسی نے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۹)

حضورؐ کے وصال کے بعد حضورؐ کی میراث کا مسئلہ پیش ہوا۔ فدک ایک موضع تھا جو حضورؐ نے بعض لوگوں کو اس شرط پر دے رکھا تھا کہ جو پیداوار ہو نصف وہ رکھیں اور نصف حضورؐ کو بھیج دیا کریں۔ حضورؐ اپنے حصے میں سے کچھ اپنے اہل وعیال کے خرچ کے لیے رکھ لیتے اور باقی مسافروں اور مساکین پر صرف کر دیتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بعض لوگوں نے بتایا کہ فدک نبی کریمؐ کی ذاتی ملک تھا اور آپ اس کی وارث ہیں۔ چنانچہ انہوں نے خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس فدک کی وراثت کا دعویٰ کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا "اے فاطمہؓ میں رسول اللہ کے اعزہ کو اپنے اعزہ سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں، لیکن مشکل یہ ہے کہ انبیائے کرامؑ جو متروکہ چھوڑتے ہیں وہ کل کا کل صدقہ ہوتا ہے۔ اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اس لیے میں اس جائداد کو تقسیم نہیں کر سکتا۔ البتہ حضورؐ کی حیاتِ اقدس میں اہلِ بیت اس سے جو استفادہ کرتے تھے وہ اب بھی کر سکتے ہیں۔"

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو اس جواب سے بہت رنج پہنچا اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ناراض ہو گئیں اور اپنی وفات تک ان سے نہ بولیں۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ بیمار ہوئیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ سیدہؓ نے انہیں اپنے مکان کے اندر آنے کی اجازت دے دی اور اپنی رنجش دور کر دی

(۱۰)

رسولِ کریمؐ کی جدائی کا سب سے زیادہ صدمہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو ہوا اور وہ ہر وقت غمگین و دل گرفتہ رہنے لگیں۔ ان کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ حضورؐ کی رحلت کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ ہجری کو ۲۹ سال کی عمر میں عازمِ فردوسِ بریں ہوئیں۔ وفات سے پہلے حضرت اسماءؓ بنت عمیس کو بلا کر فرمایا: "میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردہ کا پورا لحاظ رکھنا اور سوائے اپنے اور میرے شوہرِ نامدارؓ کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا۔ تدفین کے وقت زیادہ ہجوم نہ ہونے دینا۔"

حضرت اسماءؓ نے کہا: "اے بنتِ رسول اللہؐ میں نے حبش میں دیکھا ہے کہ جنازے

پر درخت کی شاخیں باندھ کر ایک ڈولے کی صورت بنا لیتے ہیں اور اس پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔"
پھر انہوں نے کھجور کی چند شاخیں منگوائیں اور انہیں جوڑ کر اور پھر ان پر کپڑا تان کر سیدہؓ کو دکھایا۔ انہوں نے اسے پسند فرمایا۔ چنانچہ وفات کے بعد ان کا جنازہ اسی طریقے سے اٹھا۔ جنازہ میں بہت کم لوگوں کو شرکت کا موقع ملا کیونکہ سیدہؓ کی وفات رات کے وقت ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وصیت کے مطابق رات ہی کو دفن کیا۔ نمازِ جنازہ حضرت عباسؓ نے پڑھائی اور حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت فضل بن عباسؓ نے قبر میں اتارا۔ دارِ عقیل کے ایک گوشہ میں مدفون ہوئیں۔

سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے چھ اولادیں ہوئیں۔ حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت محسنؓ، حضرت امِ کلثومؓ، رقیہؓ اور زینبؓ۔ محسنؓ اور رقیہؓ نے بچپن ہی میں انتقال کیا۔ حضرت امام حسنؓ، امام حسینؓ، حضرت زینبؓ اور حضرت امِ کلثومؓ تاریخِ اسلام کی نامور شخصیتیں ہیں۔ حضورؐ کی نسل فاطمۃ الزہراؓ ہی سے باقی رہی۔

اہلِ سیر نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے بے شمار فضائل و مناقب بیان کیے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

سید المرسلینؐ نے حضرت فاطمہؓ کو "جنت کی عورتوں کا سردار" فرمایا:
حضورؐ حضرت فاطمہؓ سے فرمایا کرتے "اے فاطمہؓ تم اور تمہارا خاوند اور تمہاری اولاد میرے ساتھ جنت میں سب ایک جگہ ہوں گے۔"
ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا: "فاطمہؓ میرا پارۂ گوشت ہے جس نے اس کو غصہ دلایا اور ناراض کیا اس نے مجھے غصہ دلایا اور ناراض کیا۔"
حضرت فاطمۃ الزہراؓ، ان کے شوہرِ نامدار اور فرزندوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے آیہ تطہیر نازل کی۔

حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے کتب احادیث میں اٹھارہ حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے رواۃ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور

حضرت امِ سلمہؓ جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے:

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ ‏ ‏ مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت ‏ ‏ با یہودے چادرِ خود را فروخت

نوری و ہم آتشی فرمانبرش ‏ ‏ گم رضائش در رضائے شوہرش

آں ادب پروردۂ صبر و رضا ‏ ‏ آسیا گرداں و لب قرآں سرا

گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز ‏ ‏ گوہر افشاندے بدامانِ نماز

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد

(۱)

ہجرتِ نبوی کے چار پانچ سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک اندوہناک خبر سن کر سخت ملول و محزون ہو گئے اور آپ کی چشم ہائے مقدس سے سیلِ اشک رواں ہو گیا۔ یہ ایک خاتون کی وفات کی خبر تھی۔ آپؐ فوراً میت والے گھر تشریف لے گئے اور ابدی نیند سونے والی خاتون کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا:

"اے میری ماں خدا آپ پر رحم کرے۔ آپ میری ماں کے بعد ماں تھیں، آپ خود بھوکی رہتی تھیں، مگر مجھے کھلاتی تھیں، آپ کو خود لباس کی ضرورت ہوتی تھی، لیکن آپ مجھے پہناتی تھیں۔"

اس کے بعد آپؐ نے غمزدہ اہلِ خانہ کو اپنی قمیص مبارک مرحمت فرمائی اور ہدایت کی کہ انہیں میری قمیص کا کفن پہناؤ۔

پھر آپؐ نے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ (حِبُّ النبیؐ) اور حضرت ابو ایوب انصاریؓ (میزبانِ رسولؐ) کو حکم دیا کہ جنت البقیع میں جا کر قبر کھودیں۔ جب وہ قبر کا اوپر کا حصہ کھود چکے تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم خود نیچے اترے اور اپنے دستِ مبارک سے لحد کھودی اور خود ہی اس میں سے مٹی نکالی۔ جب یہ کام پورا ہو گیا تو ساقیٔ کوثرؐ لحد کے اندر لیٹ گئے اور دعا مانگی:

"الٰہی! میری ماں کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو وسیع کر دے۔"

یہ دعا مانگ کر آپؐ قبر سے باہر نکلے، تو شدتِ غم سے ریش مبارک ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی اور رخساروں پر آنسو بہہ رہے تھے۔

یہ خوش بخت اور عالی مرتبہ خاتون جن سے سید المرسلین خیر الخلائق فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا گہرا لگاؤ اور پیار تھا، حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد تھیں۔

(۲)

حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد کا شمار ان جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے جو اُمّتِ مسلمہ کے لیے سرمایہ فخر و ناز ہیں۔ وہ سردارِ قریش ہاشم بن عبد مناف کی پوتی، حضرت عبدالمطّلب کی بھتیجی اور بہو۔ حضرت ابوطالب کی زوجہ، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی اور سیّدنا حضرت جعفر طیارؓ شہید موتہ اور شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰؓ کی والدہ اور خاتونِ جنّت سیّدۃ النّساء حضرت فاطمۃ الزہرا بتولؓ کی خوشدامن تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کے والد اسد بن ہاشم، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطّلب بن ہاشم کے سوتیلے بھائی تھے۔ (اسد کی والدہ کا نام قیلہ بنتِ عامر تھا اور حضرت عبدالمطّلب سلمیٰ بنتِ عمرو بن زید نجاری کے بطن سے تھے) تاریخ میں اسد بن ہاشم کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ نے قریش کے معزز ترین گھرانے بنو ہاشم میں ہوش کی آنکھیں کھولیں اور اسی میں پروان چڑھیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بچپن ہی سے نہایت اعلیٰ اوصاف و خصائل کی مالک تھیں۔ چنانچہ حضرت عبدالمطّلب کی نگاہِ گوہر شناس نے انہیں اپنی بہو بنانے کے لیے منتخب کر لیا اور اپنے فرزند عبد مناف (ابوطالب) سے ان کا نکاح کر دیا۔ ان سے اللہ تعالیٰ نے انہیں چار فرزند اور تین لڑکیاں عطا کیں۔ لڑکوں کے نام طالب، عقیلؓ، جعفرؓ اور علیؓ تھے اور لڑکیوں کے نام اُمِّ ہانیؓ (ان کا اصل نام باختلافِ روایت فاختہ، ہند یا فاطمہ) جمانہ اور ربطہ تھے۔ علامہ ابنِ عبدالبرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے۔ ھی اوّل ھاشمیۃ ولدت لھاشمی (یعنی یہ پہلی ہاشمی خاتون ہیں جن سے ہاشمی اولاد پیدا ہوئی) کہا جاتا ہے کہ وہ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ چنانچہ یہ شعر ان سے منسوب ہے، جو انہوں نے اپنے فرزند عقیلؓ کے بارے میں کہا تھا:

انت تکون ماجدٌ نبیل　　اذا تھب شمال بلیل

بعثت کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو بنو ہاشم

نے آپ کا سب سے زیادہ ساتھ دیا۔ حضرت فاطمہؓ کے فرزند حضرت علی کرم اللہ وجہہ تو دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے اوّلین نوجوان (لڑکے) تھے۔ خود حضرت فاطمہؓ بھی ابتدائے دعوت میں سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔ کچھ عرصہ بعد ان کے دوسرے فرزند جعفرؓ بھی پرستارانِ حق میں داخل ہو گئے۔ علامہ ابن اثیرؒ نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ ایک دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کے ساتھ مشغولِ عبادت تھے۔ حضرت ابو طالب نے انھیں دیکھا تو حضرت جعفرؓ سے فرمایا

"بیٹے تم بھی اپنے ابن عم کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔"

حضرت جعفرؓ حضورؐ کی بائیں جانب کھڑے ہو گئے، عبادت میں انہیں ایسا لطف آیا کہ حضورؐ کے دارِ ارقمؓ میں پناہ گزین ہونے سے پہلے ہی شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔

حضرت ابو طالب، حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرتے تھے۔ فی الحقیقت حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد حضرت ابو طالب اور ان کی اہلیہ فاطمہؓ نے جس خلوص اور دلسوزی کے ساتھ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی اور نہایت نامساعد حالات میں بھی آپؐ کی حفاظت و حمایت میں جان کی بازی لگا دی، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

بعثت کے بعد جب اہلِ حق پر مشرکینِ قریش کے مظالم انتہا کو پہنچ گئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ ۵ سنہ بعدِ بعثت اور ۶ سنہ بعدِ بعثت میں مسلمانوں کے دو قافلے یکے بعد دیگرے ارضِ مکّہ کو الوداع کہہ کر حبشہ چلے گئے۔ ان مہاجرین میں حضرت فاطمہؓ کے فرزندِ دلبند حضرت جعفرؓ بھی تھے اور ان کے ساتھ ان کی اہلیہ حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس بھی تھیں۔ ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ حضرت جعفرؓ پہلی ہجرتِ حبشہ کے شرکاء میں سے تھے، لیکن موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں لکھا ہے کہ وہ دوسری ہجرت کے مہاجرین میں سے تھے۔ بہر صورت حضرت فاطمہؓ نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ اپنے فرزند اور بہو کی جدائی برداشت کی۔

۷ سنہ نبوت میں مشرکینِ قریش نے فیصلہ کیا کہ جب تک بنو ہاشم اور بنو مطّلب

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کریں گے کوئی شخص ان کے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھے گا۔ نہ ان کے پاس کوئی چیز فروخت کی جائے گی اور نہ ان سے رشتہ ناتا کیا جائے گا۔ اس فیصلہ کو الغرض تحریر میں لاکر ہر قبیلہ کے نمائندے نے دستخط کیے یا انگوٹھا لگایا اور اسے درِ کعبہ پر آویزاں کر دیا۔ حضرت ابوطالب کو اس معاہدہ کا علم ہوا تو وہ ہاشم اور ان کے بھائی مطلب کی تمام اولاد و احفاد کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہو گئے صرف ابولہب اور اس کے زیرِ اثر چند ہاشمیوں نے مشرکین کا ساتھ دیا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب مسلسل تین برس تک شعب ابی طالب میں زہرہ گداز مصائب و آلام جھیلتے رہے۔ ان محصورین میں حضرت فاطمہؓ بنت اسد بھی تھیں۔ اس دورِ ابتلا میں انہوں نے اپنے اہلِ کنبہ کے ساتھ کمال درجے کی ہمت اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔

سنہ ۱۰ نبوت میں حضورؐ کے چچا حضرت ابوطالب نے وفات پائی، تو آپؐ کی سرپرستی کی ذمہ داری حضرت فاطمہؓ نے اٹھالی۔ وہ اپنے فرزندوں سے بھی بڑھ کر آپؐ پر شفیق تھیں۔

جب عام مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم ملا تو حضرت فاطمہؓ بھی ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئیں۔ ہجرت کے موقع پر ان کے لختِ جگر حضرت علی مرتضیٰؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضورِ پرنور انہیں اپنے بستر پر سُلا کر سفرِ ہجرت پر روانہ ہوئے۔

ہجرتِ نبوی کے دو یا تین سال بعد حضرت فاطمہؓ بنت اسد کے فرزندِ دلبند جناب علی مرتضیٰؓ کا نکاح رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت فاطمۃ الزہرا بتولؓ سے ہوا۔ اس موقع پر زوجِ بتولؓ نے اپنی والدہ ماجدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

كفى فاطمه بنت رسول الله سقاية الماء والذهاب فى الحاجة ويكفك الداخل الطحن والعجن۔

(فاطمہ بنتِ رسول اللہ آتی ہیں۔ میں پانی بھروں گا اور باہر کا کام کروں گا اور وہ چکی پیسنے اور آٹا گوندھنے میں آپ کی مدد کریں گی۔)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد سے بڑی محبت تھی۔ آپؐ اکثر ان سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے اور ان کے گھر آرام فرماتے حضورؐ نے کئی بار ان کی شفقت، شرافت اور خصائلِ حمیدہ کی تحسین فرمائی۔ "درِ منثور" میں ہے:

"یہی فاطمہ ہیں جن کے فضائل و مآثر کتبِ سِیَر میں مذکور ہیں۔"

حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے ہجرت کے چند سال بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک ہی میں وفات پائی۔ حضورؐ نے ان کی وفات کو شدت سے محسوس کیا۔ اپنی قمیص مبارک اتار کر کفن دیا اور تدفین سے پہلے قبر میں اتر کر لیٹ گئے۔ لوگوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو فرمایا:

"ابو طالب کے بعد ان سے زیادہ میرے ساتھ کسی نے مہربانی نہیں کی۔ میں نے اپنی قمیص ان کو اس لیے پہنائی کہ جنت میں انہیں حُلّہ ملے اور قبر میں اس لیے لیٹا کہ شدائدِ قبر میں آسانی ہو۔"

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو فاطمہؓ بنتِ اسد پر درود پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت جعفرؓ کے علاوہ حضرت فاطمہؓ بنتِ اسد کے فرزند عقیلؓ اور صاحبزادیوں میں اُمِّ ہانیؓ اور جمانہؓ کو بھی قبولِ اسلام کی سعادت نصیب ہوئی۔ ربطہ کے حالات کا پتہ نہیں چلتا۔

جس خاتون کو سید المرسلین، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک کا کفن ملا ہو اور جس کی آخری آرام گاہ سے باعثِ تکوینِ روزگار صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر مَس ہوا ہو، اس کے علوِ مرتبت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِّ ایمن رضؓ

(۱)

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃٌ للعلمین تھے۔ آپؐ عرب کی اسلامی مملکت کے سربراہ بھی تھے اور خیر الخلائق بھی۔ حضورؐ کا سحاب جود و کرم خلق خدا پر مسلسل برستا رہتا تھا۔ کوئی سائل آپ کے در پر آئے اور خالی ہاتھ پلٹ جائے، یہ ممکن ہی نہیں تھا۔ بیکس اور نادار آتے تھے اور بے احتیاج ہو کر لوٹتے تھے۔ ایک دن گہرے سانولے رنگ کی ایک خاتون، جن کے چہرے پر کچھ عجیب قسم کا جلال اور رونق تھی، بڑے وقار کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں انہیں دیکھتے ہی حضورؐ "امی امی" فرماتے ہوئے تعظیماً کھڑے ہو گئے اور بڑی عزت اور احترام کے ساتھ انہیں بٹھایا، پھر آپؐ نے ان سے پوچھا "امی آج کیسے تکلیف فرمائی؟"۔

خاتون : یا رسول اللہ مجھے ایک اونٹ کی ضرورت ہے یہی مانگنے آئی ہوں۔

رسولِ اکرمؐ : اونٹ کا آپ کیا کریں گی ؟

خاتون : یا رسول اللہ آج کل ہمارے ہاں سواری کا کوئی جانور نہیں ہے۔ نہ گدھا نہ اونٹ، کبھی دُور کا سفر پیش آجائے تو بڑی دشواری ہوتی ہے۔

رسولِ اکرمؐ : (متبسم ہو کر) اچھا تو اونٹ کا ایک بچہ حاضر کیے دیتا ہوں۔

خاتون : اے ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ اونٹ کے بچے کو میں کیا کروں گی، مُجھے تو اونٹ چاہیئے اونٹ۔

رسولِ اکرمؐ : میں تو آپ کو اونٹ کا بچہ ہی دونگا۔

خاتون : اونٹ کا بچہ بھلا میرے کس کام کا ؟ وہ تو میرا بوجھ بھی نہیں سہار سکے گا۔ مجھے تو اونٹ عطا فرمایئے۔

رسولِ اکرمؐ : "آپ کو اونٹ کا بچہ ہی ملے گا اور میں ابھی یہ آپ کو سوار کراؤں گا۔"

یہ فرما کر حضورؐ نے ایک خادم کو اشارہ فرمایا۔ وہ تھوڑی دیر میں ایک جوان فربہ اونٹ لے آئے اور اس کی مہار سائل خاتون کو تھما دی۔

حضورؐ نے فرمایا، "امی ذرا دیکھیے تو، یہ اونٹ ہی کا بچہ ہے یا کچھ اور۔"

اب وہ خاتون حضورؐ کے لطیف مزاح کی تہہ تک پہنچیں، بے اختیار ہنس پڑیں اور دعائیں دینے لگیں۔ حاضرینِ مجلس بھی شگفتہ ہو گئے۔ یہ خاتون جن کی حضورؐ اس قدر تعظیم فرماتے تھے اور کبھی کبھار ان سے اس قسم کا پاکیزہ مزاح بھی فرما لیتے تھے۔ حضرت اُمِّ ایمنؓ تھیں۔

(۲)

حضرت اُمِّ ایمنؓ کا نام برکتہ تھا اور عرف اُمِّ الظباء۔ والد کا نام ثعلبہ بن عمرو تھا جو حبش کے رہنے والے تھے۔ وہ مکے میں کب اور کیسے پہنچیں؟ مؤرخین نے ان کے بارے میں تصریح نہیں کی، البتہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں اور بچپن سے حضورؐ کے والدِ ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کے ساتھ کنیز کے طور پر رہتی تھیں۔ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو وہ حضورؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کی خدمت کرنے لگیں۔ سرورِ عالمؐ کی ولادت باسعادت کے وقت حضرت آمنہ کی خبر گیری اور خدمت پر وہی مامور تھیں۔ حضورؐ نے پانچ یا چھ برس تک حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے ہاں پرورش پائی۔ اس کے بعد حضرت حلیمہؓ نے آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کے سپرد کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت آمنہ ننھے حضورؐ اور حضرت اُمِّ ایمنؓ کے ہمراہ یثرب (مدینہ منورہ) تشریف لے گئیں۔ گویا سرزمینِ یثرب آقائے دوجہاںؐ کے قدومِ میمنت لزوم سے پہلی مرتبہ اس وقت مشرف ہوئی جب آپؐ کی عمر صرف چھ برس کی تھی۔ یثرب میں حضرت

آمنہؓ خاندانِ بنو نجار کے ہاں مقیم ہوئیں، جو حضورؐ کے دادا کا ننہال تھا۔ انہوں نے یثرب میں کم و بیش ایک مہینہ قیام کیا اور پھر ننھے حضورؐ اور اُمّ ایمنؓ کے ساتھ مکہ معظمہ کو مراجعت کی۔ جب ابواء کے مقام پر جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے پہنچیں تو یک بیک علیل ہو کر پیک اجل کو لبیک کہا۔ دشتِ غربت میں حضرت آمنہؓ کی اچانک موت سے ننھے حضورؐ اور اُمّ ایمنؓ کو انتہائی صدمہ ہوا۔ لیکن اُمّ ایمنؓ نے بڑے ضبط اور حوصلے سے کام لیا۔ انہوں نے کمر ہمت باندھ کر حضرت آمنہؓ کو وہیں سپردِ خاک کیا اور حضورؐ کو انتہائی شفقت کے ساتھ اپنے ہمراہ لے کر بادیدۂ گریاں مکہ مکرمہ پہنچیں جہاں عبدالمطلب نے آمنہ کے دُرِّ یتیم کو اپنی کفالت میں لے لیا اور اُمّ ایمنؓ کو حضورؐ کی پرورش اور پرداخت پر مامور کر دیا۔

علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت آمنہ اور ننھے حضورؐ کے ساتھ اپنے قیامِ یثرب کی ایک خاص بات حضرت اُمّ ایمنؓ کو مدت العمر یاد رہی۔ وہ فرماتی تھیں کہ:

"قیامِ یثرب کے دوران میں یہود کی ایک جماعت کے لوگ آ آ کر (ننھے) حضورؐ کو دیکھا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے سُنا کہ یہ لڑکا نبی آخر الزمان معلوم ہوتا ہے اور یہی شہر اس کا دارِ ہجرت ہے۔ اس یہودی کی یہ بات میرے دل پر نقش ہو گئی۔"

(۳)

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جوان ہوئے تو اُمّ ایمنؓ وراثۃً (بطور کنیز) حضورؐ کے حصے میں آئیں لیکن آپؐ نے انہیں آزاد کر دیا۔

حضرت اُمّ ایمنؓ کا پہلا نکاح عبید بن زید سے ہوا۔ مولانا سعید انصاری نے "سیر الصحابیات" میں لکھا ہے کہ عبید یثرب کے خاندان حارث بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے لیکن ابنِ سعد اور ابنِ مندہ نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے:

عبید بن زید بن عمرو بن بلال بن ابی الحرباء بن قیس بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج۔

اس نسب نامہ کی رو سے وہ خاندانِ عوف بن خزرج کے فرد ٹھہرتے ہیں۔ اسے خاندان حبلی بھی کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ حبلی سالم بن غنم کا لقب تھا اور اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ اس کا پیٹ بہت بڑا تھا۔ یثرب میں یہ خاندان بہت معزز مانا جاتا تھا۔ مشہور منافق عبداللہ بن اُبی اسی خاندان سے تھا۔

عبید زمانہ جاہلیت میں یثرب سے مکہ آکر مقیم ہو گئے تھے یہیں ان کا نکاح اُمِ ایمنؓ سے ہوا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کی بعثت کے بعد وہ حضرت اُمِ ایمنؓ کے ساتھ مشرف باسلام ہو گئے تھے کیونکہ بعض روایتوں میں ان کو صحابی اور انصاری بھی لکھا گیا ہے۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد عبید اُمِ ایمنؓ کو ساتھ لے کر یثرب چلے گئے۔ وہیں ان کے صلب سے مشہور صحابی حضرت ایمنؓ پیدا ہوئے۔ عبید بیٹے کی ولادت کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور انہوں نے ہجرتِ نبوی سے کئی سال قبل یثرب میں ہی وفات پائی۔

نیاز فتح پوری نے اپنی کتاب "صحابیات" میں لکھا ہے کہ "عبید نے جنگ حنین میں شہادت پائی" یہ بالکل غلط ہے۔ نیاز صاحب کو کسی وجہ سے تسامح ہوا۔ تمام کتب سیر سے عبید کا ہجرتِ نبوی سے قبل وفات پانا ثابت ہے۔ اختلاف کی گنجائش اگر کسی بات میں ہے تو وہ یہ ہے کہ وفات کے وقت عبید مکہ میں تھے یا یثرب میں بہرصورت عبید کی وفات کے بعد حضرت اُمِ ایمنؓ اپنے خوردسال فرزند ایمنؓ کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے ان کی ہر طرح سے دلجوئی فرمائی ایک دن صحابہ کے مجمع میں ارشاد فرمایا:

"اگر کوئی شخص جنت کی عورت سے عقد کرنا چاہے تو وہ اُمِ ایمنؓ سے نکاح کرے۔"

حضورؐ کا ارشاد سن کر آپؐ کے محبوب خاص حضرت زیدؓ بن حارثہ نے حضرت اُمِ ایمنؓ سے نکاح کر لیا۔ ۵ بعثت میں حضرت اُمِ ایمنؓ کے بطن سے حضرت اسامہؓ بن زیدؓ پیدا ہوئے۔ اپنے جلیل القدر والد کی طرح انہیں بھی حِبُّ النبیؐ بننے کا شرف

حاصل ہوا۔

(۴)

سرورِ عالمؐ کی بعثت کے بعد جن خوش نصیبوں کو قبولِ اسلام میں تقدم کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت اُمِ ایمنؓ بھی ان میں شامل تھیں۔ سابقین اولین کی اس مقدس جماعت کو جن زہرہ گداز مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا یہ تاریخ کا ایک اندوہناک باب بھی ہے اور عزم و استقامت کی ایک ایمان افروز داستان بھی۔ حضرت اُمِ ایمنؓ اسی داستان کا ایک کردار تھیں۔ کفار کی ایذا رسانیوں سے وہ بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو حضورؐ نے ۵ سنہ نبوت میں مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ اس سال گیارہ مردوں اور چار خواتین نے ہجرت کی۔ پھر ۶ سنہ نبوت میں ۸۳ مردوں اور ۱۸ خواتین کی ایک جماعت نے حبشہ کی غریب الوطنی اختیار کی۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے مسلمان اِکا دُکا ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ حضرت اُمِ ایمنؓ ایسے ہی مہاجرین میں شامل تھیں۔

سرورِ عالمؐ کے ایما اور اپنے شوہر (حضرت زیدؓ بن حارثہ) کی اجازت سے وہ بھی حبش چلی گئیں۔ اہلِ سِیَر نے ان کی ہجرت حبشہ کے زمانے کی تصریح نہیں کی لیکن قیاس غالب یہی ہے کہ وہ ۶ سنہ بعثت کے بعد حبشہ گئیں اور کئی سال تک وہیں مقیم رہیں یہاں تک کہ ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ حضرت اُمِ ایمن کو حضورؐ کی ہجرت کی اطلاع ملی تو وہ حبشہ سے مدینہ منورہ آ گئیں گویا اس طرح انہیں دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہو گیا۔ جس زمانے میں وہ مدینہ پہنچیں، غزوۂ بدر گزر چکا تھا۔ غزوۂ اُحد (۳ ھ) کے وقت اگرچہ وہ کافی معمر تھیں لیکن ان کے دل نے گوارا نہ کیا کہ گھر میں بیٹھی رہیں۔ چنانچہ وہ ان خواتین میں شامل ہو گئیں جو مجاہدین کو پانی پلاتی تھیں اور مریضوں کی تیمارداری کرتی تھیں۔ اُحد کے بعد وہ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئیں اور یہی خدمت انجام دی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کے صاحبزادے ایمنؓ بھی اس جنگ میں ان کے ساتھ شریک ہوئے اور بڑی بہادری سے لڑ کر شہید ہو گئے۔ لیکن اکثر

کتبِ سِیَر میں شہدائے خیبر کی فہرست میں حضرت ایمنؓ کا نام نہیں ملتا۔ البتہ ابنِ اسحاق نے انہیں شہدائے حنین میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ ان آٹھ صحابہ میں تھے جو غزوۂ حنین میں شروع سے اخیر تک حضورؐ کے ساتھ میدانِ جنگ میں جمے رہے۔ ان آٹھ میں سے صرف ایمنؓ رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت اُمِّ ایمنؓ نے ان کی شہادت پر بڑے صبر و ضبط سے کام لیا۔ اور ایمنؓ کے فرزند حجاج کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا۔ حجاج بڑے ہو کر فضلائے مدینہ میں شمار ہوئے۔ چند احادیث بھی ان سے مروی ہیں

جنگِ موتہ میں اُمِّ ایمنؓ کے شوہر حضرت زیدؓ بن حارثہ نے شہادت پائی تو انہیں بہت صدمہ ہوا تاہم رحمتِ عالمؐ کی سرپرستی اور دلداری نے ان کے غم کو بڑی حد تک ہلکا کر دیا۔ ان کے فرزند حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی محبت فرماتے تھے اور وہ "حِبِّ رسول اللہ[1]" مشہور تھے۔ حضورؐ کو اپنے متعلقین میں حضرت حسنؓ اور حسینؓ سے زیادہ کسی سے محبت نہ تھی، لیکن آپ بعض دفعہ اس محبت میں حضرت اسامہؓ کو بھی شریک فرما لیتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضورؐ ایک زانو پر حسنؓ اور دوسرے پر اسامہؓ کو بٹھاتے اور پھر فرماتے :

"خدایا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں اس لیے تو بھی ان سے محبت فرما۔"

حضرت اسامہؓ سے حضورؐ کی غیر معمولی محبت دیکھ کر بعض لوگ ان سے حسد کرنے لگے اور انہوں نے مشہور کر دیا کہ اسامہؓ زیدؓ کے صلب ہی سے نہیں (یہ جنگِ موتہ سے پہلے کا واقعہ ہے) حاسدوں کی اس شر انگیزی کی زد حضرت اُمِّ ایمنؓ پر بھی پڑتی تھی۔ حضورؐ کے سمعِ اقدس تک یہ بات پہنچی تو آپ سخت آزردہ خاطر ہوئے۔ اسی زمانے میں اتفاق سے ایک دن عرب کا مشہور قیافہ شناس مجزز مدلجی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت اسامہؓ اپنے والد زیدؓ کے ساتھ سر سے پاؤں تک ایک چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں کے صرف پاؤں چادر سے باہر تھے۔ حضورؐ نے مجزز سے

---

[1] رسول اللہ کے محبوب

فرمایا: "ذرا بتاؤ تو ان پاؤں کا آپس میں کیا تعلق ہے؟" مجززنے پاؤں پر نظر ڈالی اور عرض کی "یہ باپ اور بیٹا ہیں" اس کا جواب سن کر حضورؐ کو بڑی مسرت ہوئی اور حاسدین کی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی۔

سنہ ۱۱ھ میں حضورؐ نے جنگِ موتہ کا بدلہ لینے کے لیے ایک لشکر تیار فرمایا جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت سعیدؓ بن زید اور کئی دوسرے جلیل القدر صحابہ شامل تھے لیکن ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کی قیادت پر نوجوان اسامہؓ بن زیدؓ کو مقرر فرمایا۔ اس وقت حضورؐ کی علالت کا آغاز ہو چکا تھا تاہم آپؐ نے اس لشکر کو کوچ کا حکم دیا اس نے مدینہ سے چل کر جرف کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اسی دوران میں حضورؐ کی علالت شدید سے شدید تر ہو گئی۔ حضرت اُمّ ایمنؓ خاندانِ ہاشمی کے بہت سے مرد اور عورتوں کا وقت آخر دیکھ چکی تھیں۔ حضورؐ کی بیماری میں کچھ ایسی علامات پائیں کہ انہیں یقین ہو گیا کہ اب حضورؐ اس دارِ فانی سے رخصت ہو رہے ہیں۔ فوراً حضرت اُسامہؓ کے پیچھے آدمی دوڑایا کہ حضورؐ ہمیں داغِ مفارقت دے رہے ہیں فوراً مدینہ آؤ۔ چنانچہ حضرت اسامہؓ بعض دوسرے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ فوراً جرف سے مدینہ واپس آ گئے اور حضورؐ کے وصال کے بعد آپؐ کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے۔

حضرت اُمّ ایمنؓ کو حضورؐ کی رحلت سے سخت صدمہ پہنچا۔ فرطِ الم سے نڈھال ہو گئیں ان کا رونا تھمتا ہی نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو معلوم ہوا تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا: "رسولِ اکرمؐ کے لیے خدا کے پاس بہتر چیز موجود ہے۔" حضرت اُمّ ایمنؓ نے جواب دیا۔ "یہ تو مجھے معلوم ہے۔ روتی میں اس لیے ہوں کہ اب وحی الٰہی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔" یہ سن کر حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ پر رقت طاری ہو گئی اور دونوں رونے لگے۔

یہ روایت صحیح مسلم کی ہے۔ طبقات ابن سعد میں ہے کہ لوگوں نے حضرت اُمّ ایمنؓ کو سمجھایا تو کہنے لگیں۔ "یہ تو میں جانتی تھی کہ رسول اللہؐ سے مفارقت ہو گی لیکن

رونا مجھے اس بات پر آتا ہے کہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔"

(۵)

حضرت اُمِ ایمنؓ نے نہ صرف حضورؐ کو گود میں کھلایا تھا اور آپؐ کی پرورش کی تھی بلکہ آپؐ کے والد، والدہ، دادا اور دوسرے بزرگوں کی آنکھیں بھی دیکھی تھیں، اس لیے حضورؐ اُن کی بے حد تعظیم فرمایا کرتے تھے اور اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے "میری والدہ کے بعد اُمِ ایمن میری ماں ہیں۔" چنانچہ حضورؐ انہیں "امی" کہہ کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپؐ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے "ھذا بقیۃ اھل بیتی" حضرت اُمِ ایمنؓ کو بھی حضورؐ پر بڑا ناز تھا۔ ایک دفعہ آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آپؐ کی خدمت میں شربت پیش کیا۔ حضورؐ نے اس کے پینے میں (کسی وجہ سے) عذر کیا (غالباً آپؐ روزہ سے تھے جس کا اظہار نہ فرمایا) اس پر اُمِ ایمنؓ نے خفگی کا اظہار کیا۔ تاہم حضورؐ نے ان کی باتوں کا مطلق برا نہ مانا۔ حضورؐ کے پاس انصار کے دیئے ہوئے بہت سے نخلستان تھے۔ جب بنو قریظہ اور بنو نضیر پر غلبہ حاصل ہوا تو حضورؐ نے انصار کو ان کے نخلستان واپس کرنا شروع کیے ان میں سے کچھ نخلستان حضرت انسؓ بن مالک کے بھی تھے جو حضورؐ نے اُمِ ایمنؓ کو عطا کر دیئے تھے۔ جب حضورؐ نے یہ نخلستان حضرت انسؓ کو واپس لوٹائے اور وہ ان کا قبضہ لینے گئے تو حضرت اُمِ ایمنؓ ان کے واپس دینے میں متردد ہوئیں۔ حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ نے ان باغات سے دس گنا زیادہ عطا فرما کر اُمِ ایمنؓ کو راضی کر دیا۔

(۶)

علامہ ابنِ اثیرؒ نے اُسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت اُمِ ایمنؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے پانچ چھ ماہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں وفات پائی لیکن دوسری مستند روایتوں سے اس روایت کی تائید نہیں ہوتی۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ ۲۴ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی

تو اُمِ ایمنؓ کو بہت صدمہ ہوا۔ روتی تھیں اور کہتی تھیں " آج اسلام کمزور پڑ گیا۔" صاحب طبقات علامہ ابنِ سعد کا بیان ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں کھجور کے درختوں کی قیمت بہت بڑھ گئی تھی یہاں تک کہ ایک درخت ایک ہزار دینار اٹھتا تھا اسی زمانہ میں ایک دن حضرت اُسامہؓ بن زید نے ایک درخت کی بیڑی کھوکھلی کر کے اس کا مغز نکالا۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا " یہ آپ کیا کر رہے ہیں کہ اتنے قیمتی درخت کو ضائع کرتے ہیں۔" حضرت اسامہؓ نے جواب دیا:

" میری ماں نے اس کی فرمائش کی تھی اور وہ جس چیز کا حکم دیتی ہیں میں اس کی تعمیل کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُمِ ایمنؓ، حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت تک زندہ تھیں اور صحیح یہی ہے کہ انہیں کے دورِ خلافت میں انہوں نے بڑی طویل عمر کے بعد وفات پائی، ان سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت انسؓ بن مالک، حنش بن عبداللہ اور ابو یزید مدنیؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا بنتِ عبد المطّلب

(۱)

غزوۂ احزاب (۵ھ ہجری) میں سارے عرب کے مشرکین اور یہود نے متحد ہو کر مرکزِ اسلام پر یلغار کر دی تھی اور خاص مدینہ منورہ کے اندر یہودِ بنو قریظہ غداری کر کے اہلِ حق کی جانوں کے لاگو ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے لیے یہ بہت بڑی آزمائش تھی، لیکن آفریں، اللہ کے ان پاکباز بندوں پر کہ کیا مجال ایک لمحے کے لیے ان کے پائے استقامت میں لغزش آئی ہو۔ انھوں نے تو اپنی جانیں اور مال راہِ حق میں بیع کر دیے تھے اور زندگی کے آخری سانس تک کفر و شرک کے طوفان سے ٹکرانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ تاہم عورتوں اور بچوں کو گھر کے دشمنوں، یہودِ بنو قریظہ کی دست درازی اور شر سے بچانا ضروری تھا۔ چنانچہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمان خواتین اور بچوں کو بنظرِ احتیاط انصار کے ایک قلعہ فارع یا اطم میں منتقل کر دیا اور حضرت حسّان رضی اللہ عنہ بن ثابت (شاعرِ رسول اللہ) کو ان کی نگرانی پر مامور فرما دیا۔ قلعہ اگرچہ خاصا مضبوط تھا، لیکن پھر بھی یہ انتظام خطرے سے یکسر خالی نہ تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام جاں نثاروں کے ہمراہ جہاد میں مشغول تھے اور بنو قریظہ کے محلے اور اس قلعے کے درمیان کوئی فوجی دستہ موجود نہ تھا۔ انہی پُر آشوب ایام میں ایک دن ایک یہودی اس طرف آ نکلا اور قلعے میں موجود لوگوں کی سن گن لینے لگا۔ حسنِ اتفاق سے ایک بوڑھی لیکن صحت مند خاتون نے اس یہودی کو دیکھ لیا، وہ اپنی خداداد فراست سے سمجھ گئیں کہ یہ شخص جاسوس ہے، اگر اس نے بنو قریظہ کے شریر النفس لوگوں کو جا کر بتا دیا کہ قلعے میں صرف

عورتیں اور بچے ہیں تو ہو سکتا ہے وہ میدان خالی دیکھ کر قلعے پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ انھوں نے نگرانِ قلعہ حضرت حسانؓ سے کہا کہ باہر نکل کر اس یہودی کو قتل کر دیں۔

حضرت حسانؓ نے عذر کیا۔ اس کا سبب اہلِ سیَر کے نزدیک ان کی جسمانی یا قلبی کمزوری تھی جو کسی مرض میں مبتلا رہنے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انھوں نے اس موقع پر یہ جواب دیا:

"میں اس یہودی سے لڑنے کے قابل ہوتا تو اس وقت رسول اللہ کے ساتھ نہ ہوتا؟"

وہ خاتون حضرت حسانؓ کا جواب سن کر فوراً اٹھیں، خیمے کی ایک چوب اکھاڑی قلعے سے باہر آئیں اور اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ یہودی کو قتل کرنے کے بعد انھوں نے حضرت حسانؓ سے کہا، جا کر اس کا سر کاٹ لاؤ، انھوں نے اس میں بھی عذر کیا تو بہادر خاتون نے خود ہی اُس کا سر کاٹ کر قلعے سے نیچے پھینک دیا۔ یہودِ بنی قریظہ کو کٹا ہوا سر دیکھ کر یقین ہو گیا کہ قلعہ کے اندر بھی مسلمانوں کی فوج موجود ہے چنانچہ انھیں قلعے پر حملہ کرنے کی ہمت نہ پڑی۔ علامہ ابن اثیرؒ جزری کا بیان ہے کہ پھر اس خاتون نے حضرت حسانؓ سے کہا: "اب جا کر مقتول یہودی کا سامان اُتار لو۔" وہ بولے: "مجھے اس کی خواہش نہیں۔" ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلی بہادری تھی جو ایک مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی۔ چنانچہ سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مالِ غنیمت میں سے حصّہ عطا فرمایا۔

یہ شیر دل خاتون جن کی شجاعت اور بے خوفی نے ایک بڑا خطرہ ٹال دیا اور تمام مسلمان عورتوں اور بچوں کو یہودیوں کے دستِ ستم سے بچا لیا، بنو ہاشم کی چشم و چراغ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب تھیں۔

(۲)

حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا

ہے۔ وہ ہالہ بنت وہیب (یا اہیب) بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے بطن سے تھیں۔ جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب بن عبدمناف کی چچازاد بہن تھیں۔ اس رشتے سے وہ حضورؐ کی خالہ زاد بہن بھی ہوتی تھیں۔ شیرِ خدا حضرت حمزہؓ شہیدِ اُحد اُن کے حقیقی بھائی تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ ماجد عبداللہ، عبدالمطلب کی ایک دوسری بیوی فاطمہ بنت عمرو کے بطن سے تھے اس رشتے سے حضرت صفیہؓ حضورؐ کی پھوپھی تھیں، اس لیے انہیں عمۃ النبیؐ کہا جاتا ہے۔ حضورؐ کی دوسری پھوپھیوں، اُمّ حکیم بیضا، امیمہ، عاتکہ، برّہ اور اروی کے اسلام کے بارے میں اہلِ سیَر میں اختلاف ہے، لیکن حضرت صفیہؓ کے اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے۔ "والصحیح انہ لم یسلم غیرھا" صحیح یہ ہے کہ ان کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی پھوپھی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

اگرچہ ابن سعدؒ اور حافظ ابن قیمؒ نے عاتکہ اور اروی کو بھی اسلام لانے والی خواتین میں شامل کیا ہے۔ لیکن حضرت صفیہؓ کا یہ شرف پھر بھی باقی رہتا ہے کہ وہ دعوتِ حق کے آغاز ہی میں سعادت اندوزِ ایمان ہوگئیں اور سابقون الاولون کی اس مقدس جماعت میں شمار ہوئیں جس کو اللہ تعالیٰ نے کھُلے لفظوں میں جنت کی بشارت دی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ولادت کے زمانے میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ اس لیے وہ قریب قریب حضورؐ کی ہم سن تھیں۔

(۲)

حضرت صفیہؓ کا پہلا نکاح حارث بن حرب اموی سے ہوا جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس کے انتقال کے بعد عوّام بن خویلد قرشی الاسدی کے عقدِ نکاح میں آئیں جو اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھائی تھے۔ حواریٔ رسولؐ حضرت زبیرؓ انہی عوّام سے پیدا ہوئے۔ حضرت زبیرؓ ابھی کمسن ہی تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے۔ اس وقت حضرت صفیہؓ بالکل جوان تھیں، لیکن اس کے بعد اُنھوں نے ساری زندگی بیوگی کے عالم میں کاٹ دی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور لوگوں کو حق کی طرف

بلانا شروع کیا تو حضرت صفیہؓ نے بلا تامل اسلام قبول کر لیا۔ ان کے ساتھ ہی اُن کے سولہ سالہ فرزند حضرت زبیرؓ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے

حضرت صفیہؓ نے زبیرؓ کی تربیت نہایت عمدہ طریق سے کی، اُن کی خواہش تھی کہ اُن کا فرزند بڑا ہو کر ایک نڈر اور بہادر سپاہی بنے۔ چنانچہ وہ حضرت زبیرؓ سے سخت محنت و مشقت کا کام لیتیں اور وقتاً فوقتاً زجر و توبیخ اور زدوکوب سے بھی گریز نہ کرتیں۔ حضرت زبیرؓ کے چچا نوفل بن خویلد ایک دن بھتیجے کو ماں کے ہاتھوں پٹتے دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور حضرت صفیہؓ کو سختی سے ڈانٹا کہ اس طرح تو تم بچے کو مار ڈالو گی۔ نوفل نے بنو ہاشم اور اپنے قبیلے کے بعض دوسرے لوگوں سے بھی کہا کہ وہ صفیہؓ کو بچے پر سختی کرنے سے روکیں۔ جب اُن کی سخت گیری کا چرچا عام ہوا تو اُنھوں نے لوگوں کے سامنے یہ رجز پڑھا ؎

من قال ابغضه فقد كذب

انما اضربه لكے يلب

"جس نے یہ کہا کہ میں اس (زبیرؓ) سے بغض رکھتی ہوں اس نے غلط کہا، میں اس کو اس لیے پیٹتی ہوں کہ عقل مند ہو۔"

ويهزم الجيش ويأتي السلب

"اور فوج کو شکست دے اور مالِ غنیمت حاصل کرے۔"

حافظ ابن حجرؒ عسقلانی نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت زبیرؓ کو لڑکپن میں ایک جوان اور قوی آدمی سے مقابلہ پیش آ گیا۔ انہوں نے ایسی ضرب لگائی کہ اس کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ لوگوں نے حضرت صفیہؓ سے شکایت کی تو انہوں نے معذرت کرنے کی بجائے لوگوں سے سوال کیا: "تم نے زبیر کو کیسا پایا بہادر یا بزدل؟"

غرض ماں کی تربیت کا یہ اثر ہوا کہ حضرت زبیرؓ بڑے ہو کر ایک نڈر، دلاور، صف شکن اور ضیغم شجاعت بنے۔ مبدأ فیض نے حضرت زبیرؓ کو یوں بھی فطرت سعید سے نوازا تھا، ماں کی تربیت نے اُن کی خوبیوں کو اور بھی چمکا دیا اور اُن کے دل میں اسلام

اور داعیٔ اسلامؐ کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زبیرؓ کی والہانہ شیفتگی کا عجیب عالم تھا۔ بعثت کے ابتدائی زمانے میں ایک دن جب یہ افواہ سنی کہ حضورؐ کو نصیب دشمناں مشرکین نے گرفتار کر لیا ہے یا شہید کر دیا ہے تو ایسے بے قرار ہوئے کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ تلوار سونت کر برق رفتاری سے آستانۂ نبویؐ پر پہنچے۔ حضورؐ کو وہاں بخیریت موجود پایا تو جان میں جان آئی اور چہرہ فرطِ بشاشت سے گلنار ہو گیا۔ حضورؐ نے اُن کی شمشیرِ برہنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "زبیرؓ یہ کیا ہے؟"

عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میں نے سنا تھا، آپ کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا ہے یا شاید آپ شہید کر دیئے گئے ہیں"۔

حضورؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو تم کیا کرتے؟"

حضرت زبیرؓ نے بے ساختہ عرض کیا: "یا رسولؐ اللہ خدا کی قسم میں اہلِ مکّہ سے لڑ مرتا۔"

(۴)

۵ھ بعثت میں حضرت صفیہؓ کو اپنے محبوب لختِ جگر کی عارضی جدائی کا صدمہ سہنا پڑا، قبولِ اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کی طرح زبیرؓ بھی کفار کے جور و ستم کا ہدف بن گئے تھے، بالخصوص اُن کا چچا نوفل بن خویلد اُن پر بڑا ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ چنانچہ حضورؐ کے ایما پر بندرہ بلاکشانِ اسلام کا ایک قافلہ رجب ۵ھ میں حبش کی طرف ہجرت کر گیا، اس میں حضرت زبیرؓ بھی شامل تھے۔ ماں پر اُن کی جدائی سخت شاق تھی، لیکن حضورؐ کے ایما اور بیٹے کی سلامتی کے خیال سے انھوں نے بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ فرزندِ عزیز کو کالے کوسوں دور روانہ کر دیا۔ اُن مہاجرینِ راہِ حق کو حبش میں ابھی تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انھوں نے ایک دل خوش کُن خبر سُنی۔ یہ کہ مشرکینِ مکّہ نے اسلام قبول کر لیا ہے یا (ایک دوسری روایت کے مطابق) یہ کہ رسولِ اکرمؐ اور کفار کے درمیان مصالحت ہو گئی ہے۔ چنانچہ شوال ۵ھ بعد بعثت میں سب (یا ان میں سے اکثر) مہاجرین مکے واپس آ گئے۔

اُن میں حضرت زبیرؓ بھی تھے۔ جب وہ مکے کے قریب پہنچے، تو معلوم ہوا کہ یہ خبر بالکل غلط تھی، چنانچہ واپس آنے والے سبھی حضرات قریش کے کسی نہ کسی سردار کی پناہ حاصل کر کے مکے میں داخل ہوئے۔ علامہ بلاذریؒ کا بیان ہے کہ حضرت زبیرؓ بن العوام نے زمعہ بن الاسود کی پناہ حاصل کی۔ حضرت صفیہؓ اپنے لختِ جگر سے مل کر بہت خوش ہوئیں اور اُن کے یوں اچانک بخیریت واپس آجانے پر سجدۂ شکر بجالائیں۔ مکے میں کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت زبیرؓ نے تجارت کا شغل اختیار کر لیا اور تجارتی قافلوں کے ساتھ شام آنے جانے لگے۔ اُسی زمانے میں حضرت صفیہؓ نے حضرت زبیرؓ کی شادی حضرت اسماءؓ بنتِ ابوبکر صدیقؓ سے کر دی یوں وہ صدیقِ اکبرؓ کی سمدھن بن گئیں۔

(۵)

ارباب سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے اپنے فرزند حضرت زبیرؓ کے ساتھ مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر عازمِ مدینہ ہوئے، تو حضرت زبیرؓ تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے۔ جب وہ شام سے مکے واپس آ رہے تھے تو راستے میں سرورِ عالمؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات ہوئی جو مکے سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے۔ حضرت زبیرؓ نے حضورؐ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ (اپنے خسر) کی خدمت میں چند سفید کپڑے تحفۃً پیش کیے اور وہ یہی سفید کپڑے زیبِ تن فرما کر مدینے میں داخل ہوئے۔ صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، زبیرؓ سے ملے جو تاجر مسلمانوں کے ایک قافلے کے ساتھ شام سے پلٹ رہے تھے، زبیرؓ نے رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ کو سفید کپڑے پہنائے۔" (بخاری کتاب المناقب باب ہجرۃ النبیؐ)

مکے واپس آنے کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت زبیرؓ نے اپنی والدہ حضرت صفیہؓ اور اہلیہ حضرت اسماءؓ بنتِ ابی بکر صدیقؓ کے ہمراہ مدینے کی طرف ہجرت کی اور کچھ مدت قبا میں قیام پذیر رہے۔ وہیں سنہ ۱ ھ میں (اور ایک دوسری روایت کے مطابق سنہ ۲ ھ میں)

حضرت اسماءؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت صفیہؓ کے اس پوتے کی ولادت تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس لیے کہ اُن کی ولادت سے پہلے کئی ماہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تھی اور یہودِ مدینہ نے مشہور کر دیا تھا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے، اور ان کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بے حد مسرت ہوئی اور انہوں نے جوشِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت و جبل گونج اٹھے۔ مدینہ منورہ میں حضرت صفیہؓ، حضرت زبیرؓ کے ساتھ ہی رہتی تھیں اور وہ ان کی دل و جان سے خدمت کرتے تھے۔

(۶)

غزوۂ اُحد (۳ ہجری) میں جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا، تو حضرت صفیہؓ ہاتھ میں نیزہ لیے مدینہ سے نکلیں۔ جو لوگ میدانِ جنگ سے منہ موڑ کر مدینہ کی طرف آ رہے تھے اُن کو شرم اور غیرت دلاتی تھیں اور نہایت غصے سے فرماتی تھیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چل دیے؟"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو میدانِ جنگ کی طرف آتے دیکھا تو اُن کے ثابت قدم فرزند حضرت زبیرؓ کو پاس بلا کر ارشاد فرمایا:

"صفیہؓ اپنے بھائی حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔"

حضرت حمزہؓ مردانہ وار لڑتے ہوئے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی بن حرب کے برچھے سے شہید ہو گئے تھے۔ ہند بنتِ عتبہ نے اپنے باپ عتبہ (مقتولِ بدر) کے جوشِ انتقام میں اُن کی نعش کا مثلہ کیا تھا۔ یعنی ناک اور کان کاٹ ڈالے تھے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر سید الشہداءؓ کا پیٹ چاک کر کے اُن کا کلیجہ نکال کر چبا ڈالا تھا۔ رسولِ اکرمؐ نہیں چاہتے تھے کہ صفیہؓ اپنے محبوب اور شجاع بھائی کی لاش کو اس حالت میں دیکھیں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنی ماں کو حضورؐ کے ارشاد سے مطلع کیا تو وہ اس کا سبب سمجھ گئیں، بولیں: "مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ میرے بھائی کی لاش بگاڑی گئی ہے۔ خدا کی قسم

مجھے یہ پسند نہیں، لیکن میں صبر کروں گی اور انشاء اللہ ضبط سے کام لوں گی۔"

حضورؐ حضرت صفیہؓ کے جواب سے آگاہ ہوئے تو آپؐ نے انھیں شہید راہِ حق حضرت حمزہؓ کی لاش دیکھنے کی اجازت دے دی۔ وہ با دیدۂ پُرنم لاش پر آئیں اور اپنے محبوب بھائی کے جسم کے ٹکڑے بکھرے دیکھ کر ایک آہ سرد کھینچی اور اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھ کر خاموش ہو گئیں، پھر اُن کے لیے دُعائے مغفرت مانگی اور اُن کی تدفین کے لیے دو چادریں حضورؐ کی خدمت میں پیش کر کے واپس مدینہ چلی گئیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے "اِصابہ" میں بیان کیا ہے کہ حضرت صفیہؓ نے حضرت حمزہؓ کی شہادت پر ایک پُر درد مرثیہ کہا جس کے ایک شعر میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں مخاطب کیا:

اِنَّ یَوْمًا اَتیٰ عَلَیْکَ لَیَوْمٌ

کورت شمسہ وکان مضیئا

ترجمہ: "آج آپ پر وہ دن آیا ہے کہ آفتاب سیاہ ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ روشن تھا۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت صفیہؓ محبوب بھائی کے لیے دعائے مغفرت مانگ کر اپنے آنسو ضبط نہ کر سکیں اور بے اختیار رونے لگیں، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں روتے دیکھا تو آپؐ کی آنکھوں سے بھی سیلِ اشک رواں ہو گیا۔ پھر آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے جبریلِ امینؑ نے خبر دی ہے کہ عرشِ معلیٰ پر حمزہؓ بن عبدالمطلب کو اسد اللہ اسد الرسول (اللہ کا شیر اور رسولؐ کا شیر) لکھا گیا ہے۔"

(۷)

غزوۂ احزاب (۵ھ) میں حضرت صفیہؓ نے جس بے مثال شجاعت اور بے خوفی کا مظاہرہ کیا اس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اس وقت اُن کی عمر اٹھاون برس کے لگ بھگ تھی۔

ارباب سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت صفیہؓ نہایت زیرک، دور اندیش، شجاع اور صابر خاتون تھیں اور تمام عرب میں اپنے حسب و نسب اور قول و فعل کے اعتبار سے امتیازی درجہ رکھتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ملکۂ شاعری بھی عطا کیا تھا۔ سیرت کی بعض کتابوں میں اُن کے کہے ہوئے چند مرثیے ملتے ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں نہایت فصاحت و بلاغت تھی۔ اپنے والد عبدالمطلب کی وفات پر اُنھوں نے جو مرثیہ کہا اس کے چند اشعار یہ ہیں: (ترجمہ)

"رات کو ایک نوحہ کرنے والی کی آواز نے مجھے رُلا دیا۔
وہ ایک مردِ کریم پر نوحہ کناں تھی۔
اور اس حال میں میرے آنسو موتیوں کی طرح میرے گالوں پر بہنے لگے۔
افسوس ہے اس مردِ کریم کی موت پر
جو بیہودہ نہ تھا اور اس کی بزرگی کا چرچا دُور دُور تک تھا۔
وہ عالی نسب، صاحبِ جود و سخا اور قحط سالی میں لوگوں کے لیے ابرِ رحمت تھا۔
پس اگر انسان کو اپنی قدیم بزرگی کی وجہ سے دوام ہوتا
(لیکن دوام کی کوئی صورت نہیں)
تو وہ مردِ کریم اپنی قدیم شرافت اور فضیلت کی بنا پر بہت زمانے تک زندہ رہتا۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہؓ کے بھتیجے، خالہ زاد بھائی اور شوہر کے بہنوئی تھے۔ بچپن میں اُنھوں نے حضورؐ کے ساتھ ایک ہی گھر میں پرورش پائی تھی اس لیے انھیں حضورؐ سے غیر معمولی محبت تھی۔ سرورِ عالمؐ کو بھی اُن سے بڑا تعلقِ خاطر تھا اور آپؐ اُن کے فرزند حضرت زبیرؓ کو اکثر "ابن صفیہؓ" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ۱۱ھ میں حضورؐ نے رحلت فرمائی تو حضرت صفیہؓ پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ اس موقع پر اُنھوں نے جو دردناک مرثیہ کہا، اس کے چند اشعار یہ ہیں: (ترجمہ)

"یا رسول اللہ آپ ہماری اُمید تھے

آپ ہمارے محسن تھے، ظالم نہ تھے
آپ رحیم تھے، ہدایت کرنے والے اور تعلیم دینے والے تھے۔
آج ہر رونے والے کو آپ پر رونا چاہیے۔
رسول اللہ پر میری ماں، خالہ، چچا اور ماموں قربان ہوں،
پھر میں خود اور میرا مال بھی۔
کاش اللہ ہمارے آقا کو ہمارے درمیان رکھتا،
تو ہم کیسے خوش قسمت تھے۔
لیکن حکمِ الٰہی اٹل ہے
آپ پر اللہ کا سلام ہو اور آپ جنّاتِ عدن میں داخل ہوں۔"
ایک اور مرثیہ کا مطلع ہے ؎

"اے آنکھ رسول اللہ کی وفات پر خوب آنسو بہا۔"

حضرت صفیہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی اُس وقت اُن کی عمر ۷۳ برس کی تھی۔ آخری آرام گاہ قبرستانِ بقیع میں ہے۔

رضی اللہ تعالٰی عنہا

حضرت سُمَیَّہؓ بنتِ خباط

(۱)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو وہی قریشِ مکہ جن کی زبانیں آپؐ کو "امین امین" کہتے نہیں تھکتی تھیں وہ نہ صرف آپؐ کے خون کے پیاسے بن گئے بلکہ جو شخص بھی دعوتِ حق پر لبیک کہتا اس پر بے تحاشا ظلم وستم ڈھانا شروع کر دیتے تھے۔ اس میں مرد یا عورت کی کوئی تخصیص نہ تھی۔

اسی زمانے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن بنو مخزوم کے محلے سے گزرے تو آپؐ نے دیکھا کہ کفارِ قریش نے ایک ضعیف العمر خاتون کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں زمین پر لٹا رکھا ہے اور پاس کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں ساتھ ہی اس خاتون سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں "محمدؐ کا دین قبول کرنے کا مزہ چکھ"۔

مظلوم خاتون کی بے بسی دیکھ کر حضورؐ آبدیدہ ہو گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "صبر کرو تمہارا ٹھکانا جنت میں ہے۔"

راہِ حق میں ظلم سہنے والی یہ خاتون جن کو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تلقین فرمائی اور جنت کی بشارت دی، حضرت سُمَیَّہؓ بنتِ خباط تھیں۔

(۲)

حضرت سُمَیَّہؓ بنتِ خباط کا شمار نہایت بلند پایہ صحابیات میں ہوتا ہے انہوں نے راہِ حق میں اپنے ضعف اور کبر سنی کے باوجود زہرہ گداز مظالم جھیلے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اسی راہ میں قربان کر دی اور اسلام کی سب سے پہلی شہید ہونے کا مہتم بالشان شرف حاصل کیا۔

حضرت سُمیّہؓ کے آباؤ اجداد میں صرف ان کے باپ "خباط" کا نام معلوم ہے ان کا وطن اور خاندان کون سا تھا اور وہ کب اور کیسے مکّہ پہنچیں؟ کتب سِیَر ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں دیتیں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایامِ جاہلیت میں مکّہ کے ایک رئیس ابو حذیفہ بن المغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ یہ بعثتِ نبوی سے تقریباً پینتالیس سال پہلے کا ذکر ہے۔ اسی زمانے میں یمن سے ایک قحطانی النسل شخص یاسر بن عامر اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش کرتے ہوئے مکّہ میں وارد ہوئے اور یہیں مستقل اقامت اختیار کر کے ابو حُذیفہ بن المغیرہ کے حلیف بن گئے۔ اس نے حضرت سُمیّہؓ کی شادی یاسر بن عامر سے کر دی ان کے صلب سے حضرت سُمیّہؓ کے دو بیٹے پیدا ہوئے عبداللہؓ اور عمارؓ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن اور جوانی کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ حضورؐ کی حیاتِ اقدس کا یہ سارا دور یاسرؓ، سُمیّہؓ، عبداللہؓ اور عمارؓ کے سامنے گزرا اور انہوں نے حضورؐ کی عظیم ترین شخصیت اور اعلیٰ سیرت و کردار کا نہایت گہرا اثر قبول کیا۔ کیونکہ بعثت کے بعد حضورؐ نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو اس سارے خاندان نے کسی تامل کے بغیر اس پر لبیک کہا۔ اس وقت ابو حذیفہ مخزومی کا انتقال ہو چکا تھا اور حضرت سُمیّہؓ اس کے وُرثاء کی غلامی میں تھیں۔ یہ اہلِ حق کے لیے بڑا پُر آشوب زمانہ تھا۔ مکّہ کا جو شخص اسلام قبول کرتا، مشرکینِ قریش کے غیظ و غضب اور لرزہ خیز جور و تشدّد کا نشانہ بن جاتا، مشرکین اس معاملے میں اپنے قریب ترین عزیزوں کا بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ حضرت یاسرؓ اور ان کے لڑکے غریب الوطن تھے اور حضرت سُمیّہؓ کو بھی ابھی بنو مخزوم نے آزاد نہیں کیا تھا۔ ان بےچاروں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں مشرکین کو کوئی چیز مانع نہیں تھی۔ انہوں نے اس بے کس خاندان پر ایسے ایسے مظالم ڈھائے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ حضرت یاسرؓ اور حضرت سُمیّہؓ دونوں بہت ضعیف اور کبیر السن تھے مگر ان کی قوتِ ایمانی اور استقامت کا یہ عالم تھا کہ مشرکین ان کو طرح طرح کی دردناک تکلیفیں دیتے تھے اور شرک پر مجبور کرتے تھے

لیکن ان کے قدم جادۂ حق سے ایک لمحہ کے لیے بھی نہ ڈگمگاتے تھے۔ یہی حال ان کے بیٹوں کا تھا۔ ان مظلوموں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر مکہ کی جلتی تپتی ریت پر لٹانا، ان کی پشت کو آگ کے انگاروں سے داغنا اور پانی میں غوطے دینا کفار کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مقام سے گزرے جہاں ان مظلوموں کو عذاب دیا جا رہا تھا۔ آپ کو اس پر سخت دکھ ہوا اور آپؐ نے فرمایا: "صبر کرو اے آلِ یاسرؓ تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ حضرت یاسرؓ، حضرت سُمَیّہؓ اور ان کے بچوں کو مبتلائے مصیبت دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: "صبر کرو، الٰہی آلِ یاسرؓ کی مغفرت فرما دے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی"۔ بوڑھے یاسرؓ یہ ظلم سہتے سہتے ایک دن جان بحق ہو گئے لیکن مشرکین کو پھر بھی اس خاندان پر رحم نہ آیا اور انہوں نے حضرت سُمَیّہؓ اور ان کے بچوں پر ظلم کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔

(۳)

ایک دن حضرت سُمَیّہؓ دن بھر سختیاں سہنے کے بعد شام کو گھر آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کر دیں اور پھر اس کا غصہ اس قدر تیز ہوا کہ اپنا برچھا حضرت سُمَیّہؓ کو کھینچ مارا۔ وہ اسی وقت زمین پر گر گئیں اور اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل نے تیر مار کر حضرت سُمَیّہؓ کے فرزند عبداللہؓ کو بھی شہید کر دیا۔ اب صرف عمارؓ باقی رہ گئے تھے۔ ان کو اپنی والدہ کی مرگِ بیکسی پر سخت صدمہ ہوا۔ روتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ سنا کر عرض کی:

"یا رسول اللہ اب تو ظلم کی انتہا ہو گئی۔"

حضورؐ نے ان کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا:

"اے اللہ آلِ یاسر کو دوزخ سے بچا۔"

حضرت عمارؓ تو بیٹے تھے اس لیے ان کو والدہ کی مظلومانہ شہادت کبھی نہیں

بھول سکتی تھی لیکن سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ابوجہل کی شقاوت اور حضرت سُمیّہؓ کی مرگِ بیکسی یاد رہی۔ چنانچہ غزوۂ بدر (رمضان المبارک ۲ھ ہجری) میں ابوجہل جہنم واصل ہوا تو حضورؐ نے حضرت عمّار بن یاسرؓ کو بلا کر فرمایا:

قَدْ قَتَلَ اللّٰہُ قَاتِلَ اُمِّكَ

(اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا)

حضرت سُمیّہؓ کی شہادت ہجرتِ نبوی سے کئی سال قبل واقع ہوئی اس لیے تمام اہلِ سیر نے انھیں اسلام کی شہیدِ اوّل قرار دیا ہے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمّ رُومانؓ

(۱)

۹ھ ہجری میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن ایک ایسی خاتون کی وفات کی خبر ملی جو شمعِ رسالت پر پروانہ وار فدا تھیں۔ حضورؐ یہ خبر سن کر سخت حزن و ملال کے عالم میں ان کے جنازے پر تشریف لے گئے، خود قبر میں اتارا اور پھر ارشاد فرمایا:

من سرہ ان ینظر الی امرأۃ من الحور العین فلینظر الی اُمّ رُومان

(جو شخص عورتوں میں حورِ عین کو دیکھنا چاہے وہ اُمِ رُومان کو دیکھے)

یہ اُمِ رُومانؓ جن کو سید المرسلین فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی حور قرار دیا، سیدنا صدیقِ اکبرؓ کی رفیقۂ حیات، حضورِ پُرنورؐ کی خوشدامن اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی والدہ ماجدہ تھیں۔

(۲)

حضرت اُمِ رومانؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق قبیلہ کنانہ کے خاندان فراس سے تھا، اہلِ سیَر میں سے کسی نے ان کا اصل نام نہیں لکھا اس لیے اپنی کنیت "اُمِ رومان" ہی سے مشہور ہیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے

اُمِ رومانؓ بنت عامر بن عویمر بن عبد شمس بن عتاب بن اذینہ بن سبیع بن دہمان بن حارث بن غنم بن مالک بن کنانہ

حضرت اُمِ رومان کا پہلا نکاح (زمانۂ جاہلیت میں) عبداللہ بن حارث بن سنجرہ سے ہوا، اور انہی کے ساتھ مکہ آکر سکونت پذیر ہوئیں۔ عبداللہ کے

صلب سے ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام طفیل[1] رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد عبداللہ بن حارث نے وفات پائی اور اُمِّ رُومانؓ بے سہارا رہ گئیں۔ چونکہ عبداللہ اپنی زندگی میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حلیف بن گئے تھے اس لیے ان کے انتقال کے چند ماہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُمِّ رومانؓ سے خود نکاح کر لیا۔ صدیق اکبرؓ کے صلب سے اُمِّ رُومانؓ کے ہاں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے جو تاریخ اسلام کی نہایت درخشندہ ہستیاں ہیں۔

بعثت کے بعد سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ ان چار عظیم المرتبت ہستیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے سب سے پہلے لوائے توحید کو تھاما (یعنی اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ) حضرت اُمِّ رومانؓ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی بلا تامل ان کی تقلید کی اور یوں سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شامل ہو گئیں۔

سفرِ ہجرت میں صدیق اکبرؓ کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا عظیم الشان شرف حاصل ہوا۔ مکہ سے چلتے وقت انہوں نے بھی حضورؐ کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال کو اللہ کے بھروسے پر دشمنوں کے درمیان چھوڑ دیا۔ جب مدینہ پہنچ کر کچھ اطمینان ہوا تو حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت رافعؓ کو اپنے اہل وعیال لانے کے لیے مکے بھیجا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کے ہمراہ عبداللہ بن اُرَیقِط[2] کو اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی

---

[1] بعض روایتوں میں حضرت اُمِّ رومانؓ کے پہلے خاوند کا نام طفیل بن سنجرہ بیان کیا گیا ہے اور ان کے صلب سے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام طفیل کے بجائے عبداللہ دیا گیا ہے۔

[2] عبداللہ بن اُرَیقِط تاریخ اسلام کی ایک حیرت انگیز شخصیت ہے۔ اس کا تعلق بنی الدیل سے تھا اور وہ مختلف مقامات کو ایک دوسرے سے ملانے والے راستوں سے ماہرانہ واقفیت رکھتا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امِ رومانؓ، اسماءؓ اور عائشہؓ کو اپنے ہمراہ مدینہ منورہ لے آئیں۔ چنانچہ حضرت اُمِ رومانؓ حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ سفرِ ہجرت میں جب ہم لوگ بیداء کے مقام پر پہنچے تو میرا اونٹ بدک گیا، میں اور میری والدہ اُمِ رومانؓ اس کے ہودج میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اونٹ نے کودنا پھلانگنا شروع کی تو میری ماں بہت مضطرب ہوئیں اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا۔ "ہائے میری بیٹی ہائے میری دلہن"۔ بارے اللہ نے خیر کی، اونٹ پکڑا گیا اور ہم لوگ خیریت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اہل وعیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلے میں قیام کیا جہاں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک مکان پہلے ہی سے لے رکھا تھا۔

(۳)

۵ھ ہجری میں افک کا افسوسناک واقعہ پیش آیا جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر منافقینِ مدینہ کی سازش سے ناپاک تہمت لگائی گئی۔ واقعہ کی صورت کچھ ایسی تھی کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعِ مبارک بھی پُرملال ہو گئی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے لئے اپنے آقا کا ملال قیامت سے کم نہ تھا۔ دکھیا بیٹیوں کی پناہ گاہ دامانِ مادر ہی ہوتی ہے۔ حضورؐ سے اجازت لے کر گرتی پڑتی اپنے والدین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ تھا۔ سفرِ ہجرت میں اسی نے مکہ سے مدینہ تک اجرت پر راہنمائی کی خدمت انجام دی۔ یہ شخص اگرچہ مشرف اسلام سے بہرہ ور نہ ہوا لیکن اس نے اپنے آپ کو محیر العقول اعتماد کا اہل ثابت کیا۔ مشرکین قریش نے حضورؐ کی مخبری کرنے کے لیے گرانقدر انعام کا اعلان کر رکھا تھا لیکن اس نے اسے ٹھکرا دیا اور کسی کے کان میں سفرِ ہجرت کے پُرمخطر راز کی بھنک تک نہ پڑنے دی۔

کے گھر پہنچیں۔ یہ ایک دو منزلہ مکان تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اوپر کی منزل میں تھے اور حضرت اُمِ رومانؓ نچلی منزل میں بیٹھی تھیں۔ بیٹی کو اس حالت میں آتے دیکھ کر پوچھا: "میری بچی خیر تو ہے، کیسے آئیں۔" حضرت عائشہؓ نے واقعہ بیان کیا۔ حضرت اُمِ رومانؓ ماں تھیں، دُکھ تو انہیں بھی بہت ہوا لیکن حضرت عائشہؓ کا دل رکھنے کو کہا: "بیٹی گھبراؤ نہیں، جو عورت اپنے خاوند کو زیادہ محبوب ہوتی ہے اسے شوہر کی نظروں سے گرانے کے لیے ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں۔"

حضرت عائشہؓ کے دل پر بنی ہوئی تھی۔ انہیں ماں کے جواب سے تسکین نہ ہوئی اور فرطِ الم سے ان کی چیخ نکل گئی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی بچی کی چیخ سن کر بالاخانے سے نیچے اترے، واقعہ سنا، رقیق القلب تو تھے ہی خود بھی رونے لگے۔ جب ذرا قرار آیا تو حضرت عائشہؓ سے کہا، بیٹی تم اپنے گھر جاؤ، ہم ابھی آتے ہیں۔

جب وہ چلی گئیں تو صدیقِ اکبرؓ اُمِ رومانؓ کو ہمراہ لے کر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہاں پہنچے۔ اُم المومنین رنج والم کی شدت سے بخار میں مبتلا ہو گئی تھیں، حضرت اُمِ رومانؓ نے انہیں اپنی گود میں لٹا لیا۔ نمازِ عصر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے اور اس بہتان کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے استفسار فرمایا۔ حضرت عائشہؓ نے ماں باپ کی طرف دیکھا اور کہا، آپ لوگ جواب دیں لیکن وہ دونوں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے شیدائی تھے اپنے آقا کو ملول دیکھ کر بیٹی کی حمایت کیسے کر سکتے تھے، کہنے لگے: "ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کی: "یا رسول اللہ میں بالکل بے گناہ ہوں۔"

آخر غیرتِ الٰہی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے خود عائشہ صدیقہؓ کی طہارت کی گواہی بڑے پُر زور الفاظ میں دی۔ ارشاد ہوا:

"جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور مومنہ عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے۔" (سورۂ نور)

آیتِ برأت کے نزول سے حضرت اُمِ رومانؓ کو کمال درجے کی مسرت ہوئی اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سر بھی فخر سے بلند ہو گیا۔ ماں نے بیٹی سے کہا۔ "بیٹی اٹھو اور اپنے شوہر کے قدم لو۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ناز سے جواب دیا۔ "میں تو صرف اپنے رَب کی ممنون اور شکر گزار ہوں جس نے میری بے گناہی کی شہادت دی۔"

(۴)

اسی سال کے آخر میں ایک اور یادگار واقعہ پیش آیا، حضرت ابوبکر صدیقؓ اصحابِ صُفّہ میں سے تین بزرگوں کو اپنے گھر بطور مہمان لائے۔ انہیں وہاں چھوڑ کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لے گئے۔ وہاں کچھ زیادہ دیر ہو گئی، گھر واپس آئے تو حضرت اُمِ رومانؓ نے پوچھا:

"مہمانوں کو یہاں چھوڑ کر آپ کہاں چلے گئے تھے؟"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: "میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا تم مہمانوں کو کھانا کھلا دیتیں۔"

حضرت اُمِ رُومانؓ نے عرض کیا: "میں نے انہیں کھانا بھجوایا تھا لیکن انہوں نے میزبان کی غیر حاضری میں کھانا تناول کرنا پسند نہیں کیا۔"

اب حضرت ابوبکر صدیقؓ خود کھانا لے کر گئے اور تینوں بزرگوں کو کھلایا۔ اس کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ مہمانوں اور اہلِ خانہ کے سیر ہونے کے بعد بھی نہایت افراط سے بچ رہا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اُمِ رومانؓ سے پوچھا۔ "کتنا کھانا باقی بچ گیا۔" انہوں نے کہا۔ "تین گنے سے بھی زیادہ۔"

صدیقِ اکبرؓ نے یہ سارا کھانا اٹھوا کر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوا دیا۔

حضرت اُمِ رُومانؓ کے سالِ وفات کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ کسی نے ۴ھ ہجری لکھا ہے کسی نے ۵ھ اور بعض نے ۶ھ اور ۹ھ

بیان کیا ہے۔ حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے "اصابہ" میں قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت اُمِ رومانؓ کی وفات ۹ سنہ ہجری سے پہلے نہیں ہوئی۔ چنانچہ جمہور اہلِ سیر نے اسی روایت کو ترجیح دی ہے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِ رومانؓ کی بہت عزت کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی تدفین کے لیے حضورؐ خود قبر میں اترے اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔

علامہ ابنِ سعدؒ نے حضرت اُمِ رومانؓ کے بارے میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

کانت اُمِ رُوْمان امراۃً صالحۃ

اُمِ رومان بہت نیک خاتون تھیں

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر صدیقؓ
ذات النطاقین

(۱)

جس رات کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے غارِ ثور میں تشریف فرما ہوئے، مشرکینِ نافرجام ساری رات کاشانۂ نبوت کے گرد گھیرا ڈال کر اس بات کا انتظار کرتے رہے کہ حضورؐ کب باہر تشریف لائیں اور وہ اپنا ناپاک منصوبہ پورا کریں۔ لیکن ان بدبختوں کو معلوم نہیں تھا کہ اللہ نے رات کو اُن کی آنکھیں بے نور کردی تھیں اور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ یاسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے ان کے درمیان سے نکل کر مکہ معظمہ کو الوداع کہہ چکے تھے۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوا اور انہوں نے حضورؐ کے بسترِ اقدس پر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو استراحت فرما دیکھا تو سر پیٹ کر رہ گئے۔ ساری بات اُن کی سمجھ میں آگئی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اُن کا سرخیل ابوجہل اپنے منصوبے کی ناکامی پر غم و غصہ سے دیوانہ ہوگیا اور سیدھا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچ کر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا اندر سے ایک نوجوان خاتون باہر آئیں۔

ابوجہل نے کڑک کر پوچھا۔ "لڑکی تیرا باپ کدھر ہے؟"

خاتون نے جواب دیا۔ "میں کیا بتا سکتی ہوں۔"

یہ سن کر ابوجہل نے خاتون کے چہرے پر اس زور کا تھپڑ مارا کہ اُن کے کان کی بالی ٹوٹ کر دُور جا پڑی۔ مظلوم خاتون بڑے صبر اور خاموشی کے ساتھ گھر کے

اندر چلی گئیں اور ابوجہل بکتا جھکتا وہاں سے دفع ہو گیا۔

یہ خاتون جنھوں نے فرعونِ قریش ابوجہل کے قہر و غضب کی مطلق پروانہ کی اور ہجرت کے پُرخطر راز کو اپنے نہاں خانۂ دل میں محفوظ رکھا۔ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم کے یارِ غار صدیقِ اکبرؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ تھیں۔

(۲)

حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر صدیقؓ (بن ابوقحافہ عثمانؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ بن کعب بن لوّیؓ القرشی) کا شمار نہایت بلند رتبہ صحابیات میں ہوتا ہے۔ والدہ کا نام قتیلہ بنت عبدالعُزّیٰ تھا، نانا عبدالعزّیٰ قریش کے نامور رئیس تھے۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ حضرت اسماءؓ کی سوتیلی بہن تھیں اور ان سے عمر میں چھوٹی تھیں۔ حضرت عبداللہؓ بن ابی بکرؓ حضرت اسماءؓ کے حقیقی بھائی تھے۔

حضرت اسماءؓ ہجرتِ نبوی سے ستائیس سال قبل مکّہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ والدِ ماجد حضرت ابوبکر صدیقؓ روزِ اوّل سے ہی نہایت اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ اوصاف کے حامل تھے ظاہر ہے کہ ایسے پاکباز اور فرشتہ سیرت باپ کے زیرِ سایہ ان کی تربیت کیسی ہوئی ہوگی۔

قبولِ اسلام کے لحاظ سے بھی حضرت اسماءؓ کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے، وہ اوائلِ بعثت میں اس وقت سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں جب صرف سترہ نفوسِ قدسی مخفی طور پر ایمان لائے تھے۔ اس طرح السّابقون الاوّلون کی صف میں ان کا اٹھارہواں نمبر ہے۔

حضرت اسماءؓ کا نکاح حواریٔ رسول حضرت زبیرؓ بن العوّام سے ہوا جو اصحابِ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

بعثت کے چوتھے سال کے اوائل میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

علانیہ تبلیغ حق کا آغاز فرمایا تو مشرکین قریش کے قہر و غضب کا آتش فشاں پوری قوت سے پھٹ پڑا اور انہوں نے پرستارانِ حق پر ایسے دلدوز مظالم ڈھانے شروع کر دیئے کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی۔ حضرت اسماءؓ نے ایسے کئی مظالم اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ مسندِ ابو یعلیٰ میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت اسماءؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں جو تکالیف پہنچیں آپ نے ان میں سے کون سی تکلیف زیادہ سخت دیکھی۔ حضرت اسماءؓ نے بیان کیا کہ:

"ایک دن بہت سے مشرکین مسجدِ حرام میں بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ محمدؐ نے ہمارے معبودوں کو یہ اور یہ کہا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ تمام مشرکین حضورؐ پر جھپٹ پڑے۔ حضرت ابوبکرؓ تک ان کے شور و غوغا کی آواز پہنچی۔ اُس وقت وہ گھر میں ہمارے پاس بیٹھے تھے کسی نے آکر بتایا کہ قریش محمدؐ کے قتل پر آمادہ ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ مسجدِ حرام کی طرف بھاگ کر گئے۔ اس وقت اُن کے سر پر چار زلفیں تھیں اور وہ کفار سے کہہ رہے تھے، تمہارا ناس جائے کیا تم اُس آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس اپنے رب کی جانب سے واضح دلائل لے کر آیا ہے۔ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکرؓ پر ٹوٹ پڑے، اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب انھیں اٹھا کر گھر لائے تو زخموں کی وجہ سے اُن کی یہ حالت تھی کہ ہم سر کی جس مینڈھی کو ہاتھ لگاتے تھے بال جھڑ جاتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کہہ رہے تھے تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ۔"

اپنے آقا و مولاؐ، شفیق والدِ گرامیؓ اور دوسرے اہلِ حق پر ظلم و ستم کے پہاڑ

ٹوٹتے دیکھ کر حضرت اسماءؓ کے دل پر جو گزرتی ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں تاہم وہ نہایت صبر و استقامت کے ساتھ یہ روحانی کلفت سہتی رہیں تاآنکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

(۳)

سفرِ ہجرت میں حضرت اسماءؓ کے پدرِ گرامیؓ کو "رفاقت خیر البشرؐ" کا مہتم بالشان شرف حاصل ہوا۔ شب ہجرت کو حضورؐ نے اپنے بستر مبارک پر اپنے جاں نثار ابن عم حضرت علی مرتضیٰؓ کو سلایا اور خود سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے دشمنوں کے درمیان سے گزر کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے ایسا غافل کیا کہ انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ حضورؐ کب اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ مل کر فوراً سامانِ سفر درست کیا، حضرت اسماءؓ نے دو تین دن کا کھانا تیار کر رکھا تھا۔ اسے ایک تھیلے میں ڈالا اور ایک مشکیزے میں پانی ڈالا۔ اتفاق سے تھیلے اور مشکیزے کا منہ باندھنے کے لیے گھر میں کوئی رسی موجود نہ تھی اور وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا، حضرت اسماءؓ نے فوراً اپنا کمر بند (نطاق) کھول کر اس کے دو ٹکڑے کیے۔ ایک سے کھانے کے تھیلے کا منہ باندھا اور دوسرے سے مشکیزے کا۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماءؓ کی اس خدمت سے بہت خوش ہوئے اور انہیں "ذات النطاقین" کا لقب عطا فرمایا۔

بعض روایتوں میں اس واقعہ کو ایک دوسری صورت میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ شب ہجرت میں حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی معیت میں مکے سے نکل کر غارِ ثور میں نزولِ اجلال فرمایا۔ حضرت اسماءؓ اس راز سے آگاہ تھیں وہ روزانہ رات کو اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ بن ابی بکرؓ کے ساتھ خفیہ طور پر غارِ ثور میں تشریف لے جاتیں اور حضورؐ اور اپنے والدِ ماجدؓ کو تازہ کھانا کھلا کر واپس آتیں۔

تیسری رات کے آخری حصے میں عبداللہ بن اُرَیقط[1] جسے راہ نمائی کے لیے مقرر کیا گیا تھا، حسب ہدایت دو اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پر پہنچ گیا۔ اسی وقت حضرت اسماءؓ بھی ایک تھیلے میں کھانا ڈال کر آ پہنچیں۔ جلدی میں گھر سے چلتے وقت اس کو باندھنے کے لیے کوئی چیز ساتھ لانے کا خیال نہ رہا۔ چنانچہ انہوں نے اپنا نطاق (وہ رومال یا کپڑا جو اس زمانے میں عورتیں قمیص کے اوپر کمر پر لپیٹتی تھیں) کھول کر اسے پھاڑا۔ ایک حصے سے زادِ راہ کے تھیلے کا منہ باندھ کر ایک اونٹنی کے کجاوے کے ساتھ لٹکا دیا اور دوسرا حصہ اپنی کمر پر لپیٹ لیا اسی لیے انہیں ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ کا اپنا بیان یہ ہے کہ جب توشہ دان کو باندھنے کے لیے اور کوئی چیز نہ ملی تو میرے والد نے مجھے اپنا نطاق پھاڑنے کا حکم دیا۔ اسی وجہ سے میرا نام ذات النطاقین رکھا گیا۔

بعض روایتوں میں ان کا لقب ذات النطاق بھی بیان کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری (باب الہجرۃ) میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ اسماءؓ نے اپنے نطاق کا ایک ٹکڑا پھاڑا اور اس کو تھیلی کے منہ پر لپیٹا، اسی لیے ان کا نام "ذات النطاق" پڑ گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابنِ زبیرؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ ان کی ماں ذات النطاق ہیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت اسماءؓ کو "ذات النطاقین" بھی کہتے تھے اور "ذات النطاق" بھی۔

---

[1] عبداللہ بن اُرَیقط کا تعلق بنی الدُّیل سے تھا۔ وہ اگرچہ غیر مسلم تھا لیکن نہایت قابلِ اعتماد شخص تھا۔ جب کسی سے کوئی معاملہ طے کر لیتا تھا تو اس کو جان پر کھیل کر نباہتا تھا۔ عرب کے مختلف راستوں سے اس کو کمال درجے کی واقفیت تھی اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو اجرت پر رہنمائی کے لیے مقرر کیا تھا اور دو اونٹنیاں اس ہدایت کے ساتھ اس کے سپرد کی تھیں کہ جس وقت اور جس جگہ تمہیں ہم بلائیں نہایت رازداری کے ساتھ اونٹنیاں لے کر وہاں پہنچ جانا۔

واقعہ کی صورت خواہ کچھ بھی ہو، اس خدمت کی بدولت حضرت اسماءؓ کو بارگاہِ رسالتؐ سے جو لقب مرحمت ہوا، وہ آج چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود زندہ ہے اور تا ابد زندہ رہ کر ان کے عزّ و شرف پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا رہے گا۔

شبِ ہجرت کی صبح کو وہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ جب ابوجہل بکتا جھکتا چلا گیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نابینا والد ابی قحافہ (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) حضرت اسماءؓ سے مخاطب ہو کر بولے۔ "بیٹی ابو بکر نے تمہیں دہری مصیبت میں ڈالا ہے۔ خود بھی چلا گیا اور سارا مال بھی ساتھ لے گیا۔"

حضرت ابو بکر صدیقؓ واقعی گھر میں رکھا ہوا سارا روپیہ ساتھ لے گئے تھے لیکن حضرت اسماءؓ نے ضعیف العمر اور نابینا دادا کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا اور جواب دیا:

"نہیں دادا جان انہوں نے خیرِ کثیر ہمارے لیے چھوڑی ہے۔"

پھر انھوں نے ایک کپڑے میں کچھ پتھر ڈالے اور اس گڑھے یا طاق میں رکھ دیئے جہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ اپنا مال رکھا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ ابوقحافہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئیں اور کہا:

"دادا جان آپ ہاتھ لگا کر دیکھ لیں، یہ کیا رکھا ہے۔"

ابوقحافہ نے اس کپڑے کی پوٹلی پر ہاتھ رکھا تو مطمئن ہو گئے اور بولے:

"ابو بکر نے اچھا کیا، تمہارے لیے کافی انتظام کر گیا۔"

(۴)

ہجرت کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دن قُباء میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ چند ماہ بعد حضورؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت ابو رافعؓ کو مکے بھیجا کہ وہ آپؐ کے اہلِ خانہ اور متعلقین کو مدینہ لے آئیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اُرَیقِط کو اپنے صاحبزادے عبداللہؓ کے نام خط دے کر بھیجا

کہ وہ بھی اپنی والدہ (اُمِ رومانؓ) اور بہنوں کو مدینہ لے آئیں۔ چنانچہ حضرت زیدؓ اور حضرت ابورافعؓ، اُم المؤمنین حضرت سودہؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت اُمِ کلثومؓ، حضرت اُمِ ایمنؓ (زوجہ حضرت زیدؓ) اور اُسامہؓ بن زیدؓ کو لے آئے اور حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ حضرت اُمِ رومانؓ، حضرت اسماءؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماءؓ نے چند دن بعد اپنے شوہر حضرت زبیرؓ بن العوام اور خوش دامن حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطّلب کے ساتھ ہجرت کی اور قباء میں قیام کیا لیکن جمہور ارباب سِیَر نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت زبیرؓ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے تھے۔ حضورؐ کے سفر ہجرت کے دوران وہ شام سے پلٹ رہے تھے۔ راستے میں کسی جگہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ (اپنے خسر) کی خدمت میں کچھ سفید کپڑے تحفۃً پیش کیے اور آپ یہی کپڑے زیبِ تن فرما کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ مکّہ واپس پہنچ کر حضرت زبیرؓ نے بھی ہجرت کی تیاری کی اور اپنی والدہ حضرت صفیہؓ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آ گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے قباء میں مستقل اقامت اختیار کی اور وہیں حضرت اسماءؓ کو بھی (خاص مدینہ منورہ شہر سے) بُلا لیا۔

ہجرت کے بعد اتفاق سے عرصہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی اس پر یہودِ مدینہ نے مشہور کر دیا کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو کر دیا ہے اور اُن کا سلسلۂ نسل منقطع کر دیا ہے۔ یہی دن تھے کہ ۱ھ ہجری میں حضرت اسماءؓ کے بطن سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے۔ گویا ہجرت کے بعد وہ مسلمانوں کے نومولودِ اوّل تھے[1]۔

---

[1] بعض روایتوں میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا سالِ ولادت ۲ھ ہجری (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسلمانوں کو حضرت عبداللہؓ کی ولادت پر بے حد مسرت ہوئی اور انھوں نے فرطِ انبساط میں اس زور سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے کہ دشت وجبل گونج اٹھے۔ یہودی سخت شرمندہ ہوئے کیونکہ ان کے دجل وتلبیس کا پردہ چاک ہو گیا۔

حضرت اسماءؓ بچے (عبداللہؓ) کو گود میں لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے بچے کو اپنی آغوشِ مبارک میں لے لیا، ایک کھجور اپنے دہن مبارک میں ڈال کر چبائی اور پھر اسے اپنے لعابِ دہن کے ساتھ ملا کر ننھے عبداللہ کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضورؐ نے بچے کے لیے دعائے خیر وبرکت مانگی۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے اپنے انھی بھانجے کے نام پر اپنی کنیت "اُمّ عبداللہ" رکھی تھی۔

(۵)

مدینہ منورہ (قباء) میں اقامت گزین ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ نے پہلے چند سال بڑی تنگی ترشی سے بسر کیے۔ اس زمانے میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ بہت مفلس اور تنگ دست تھے اور ان کی ساری متاع لے دے کر ایک گھوڑے اور ایک اونٹ پر مشتمل تھی۔ حضورؐ نے انھیں نخلستان بنو نضیر میں کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ شروع شروع میں وہ اس میں کاشت کر کے اپنی معاش کا سامان پیدا کرتے تھے۔ یہ زمین مدینہ منورہ سے تین فرسخ دُور تھی۔ حضرت اسماءؓ روزانہ وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں جمع کر کے لاتیں، انہیں کوٹ کر اونٹ کو کھلاتیں، گھوڑے کے لیے گھاس مہیا کرتیں، پانی بھرتیں، مشک پھٹ جاتی تو اس کو سیتیں۔ ان کاموں کے علاوہ گھر کا دوسرا سب کام بھی خود ہی انجام دیتی تھیں۔ روٹی اچھی طرح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بیان کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی ولادت سے چھ ماہ پہلے حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری کے ہاں حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ پیدا ہوئے تھے اگر یہ روایت درست ہے تو پھر بھی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ مہاجرین کے نومولودِ اوّل ٹھہرتے ہیں۔

نہ پکا سکتی تھیں۔ پڑوس میں چند انصاری خواتین تھیں وہ از راہِ محبت واخلاص ان کی روٹیاں پکا دیتی تھیں۔ صحیح بخاری میں خود حضرت اسماءؓ سے روایت ہے:

"زبیرؓ نے مجھ سے نکاح کیا، اُس وقت نہ تو اُن کے پاس زمین تھی نہ غلام، نہ کچھ اور سوائے ایک اونٹ اور ایک گھوڑے کے۔ میں اُن کے گھوڑے کو دانہ کھلاتی تھی، پانی بھرتی تھی، ڈول سیتی تھی، آٹا گوندھتی تھی۔ انصار کی چند عورتیں جو میری ہمسایہ تھیں، روٹی پکا دیتی تھیں۔ وہ عورتیں مخلص تھیں۔ میں زبیرؓ کی زمین سے جو انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی تھی، سر پر گٹھلیاں رکھ کر لاتی تھی۔ یہ زمین میرے گھر سے تین فرسخ کی مسافت پر تھی۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور طبرانیؒ نے حضرت اسماءؓ کی تنگدستی کے زمانے کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے جو خود حضرت اسماءؓ کی زبانی مذکور ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ "ایک مرتبہ میں اس زمین میں تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت زبیرؓ کو عطا فرمائی تھی یہ بنو نضیر والی زمین کہلاتی تھی۔ ایک دن زبیرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں باہر گئے۔ ہمارا ایک یہودی پڑوسی تھا، اس نے ایک بکری ذبح کی اور بھونی۔ اس کی خوشبو جب میری ناک میں پہنچی تو مجھے ایسی سخت اشتہا پیدا ہوئی کہ اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ان دنوں میری بیٹی خدیجہ پیدا ہونے والی تھی، مجھ سے صبر نہ ہو سکا، میں یہودی عورت کے پاس آگ لینے کے لیے گئی اس ارادہ سے کہ شاید وہ مجھ سے کھانے کی بات پوچھے ورنہ مجھے آگ کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہاں پہنچ کر خوشبو سے میری اشتہا میں اور اضافہ ہو گیا لیکن یہودیہ نے کھانے کی بات ہی نہ کی۔ میں آگ لے کر اپنے گھر آ گئی اور کچھ دیر بعد پھر یہودیہ کے گھر گئی پھر بھی اس نے کھانے کی بات نہ کی۔ تیسری مرتبہ میں نے پھر اس کے گھر پھیرا ڈالا لیکن کسی نے بات نہ پوچھی۔ اب میں اپنے گھر میں بیٹھ کر رونے لگی اور اللہ سے دعا کی کہ الٰہی میری اشتہا کا سامان

مہیا کر دے۔ اتنے میں اس یہودیہ کا شوہر اپنے گھر آیا اور آتے ہی پوچھا، کیا تمہارے پاس کوئی آیا تھا؟ یہودیہ نے کہا، ہاں پڑوس کی عرب عورت آئی تھی۔ یہودی نے کہا، جب تک اس گوشت میں سے تو اس کے پاس کچھ نہ بھیجے گی میں ہرگز اس کو نہ کھاؤں گا (کیونکہ اس کو ڈر تھا کہ کہیں کھانے کو نظر نہ لگ گئی ہو) چنانچہ اس نے میرے پاس گوشت کا ایک پیالہ بھیج دیا۔ (اس زمانے میں) میرے لیے اُس جگہ اس سے زیادہ پسندیدہ اور عجیب کوئی کھانا نہ تھا۔"

یہ روایت حضرت اسماءؓ کی صاف گوئی پر دلالت کرتی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنی عسرت اور ایک بشری کمزوری کا حال صاف صاف بیان کر دیا ہے۔

اُسی زمانے میں ایک دن حضرت اسماءؓ کھجور کی گٹھلیوں کا گٹھا سر پر لادے چلی آ رہی تھیں کہ راستے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اصحاب کے ہمراہ مل گئے۔ حضورؐ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا اور چاہا کہ اسماءؓ اس پر سوار ہو جائیں لیکن حضرت اسماءؓ شرم کی وجہ سے اونٹ پر نہ بیٹھیں اور گھر پہنچ کر حضرت زبیرؓ سے سارا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا۔ "سبحان اللہ سر پر بوجھ لادنے سے شرم نہ آئی لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اونٹ پر بیٹھنے میں، شرم و حیا مانع ہوئی۔"

کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زبیرؓ اور اسماءؓ کو ایک غلام عطا کیا جس نے گھوڑے اور اونٹ کی نگہداشت سنبھال لی اور حضرت اسماءؓ کی مصیبت کم ہوئی۔

شروع شروع میں حضرت اسماءؓ افلاس کی وجہ سے ہر چیز ناپ تول کر خرچ کیا کرتی تھیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا:

"اسماءؓ ناپ تول کر مت خرچ کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی نپی تلی روزی دے گا۔"

حضرت اسماءؓ نے حضورؐ کے ارشاد کو حرزِ جان بنا لیا اور کھلے دل سے

خرچ کرنے لگیں۔ خدا کی قدرت اسی وقت سے حضرت زبیرؓ کی آمدنی بڑھنے لگی اور تھوڑی ہی مدت میں ان کے گھر میں دولت کی ریل پیل ہو گئی۔

آسودہ حالی کے بعد بھی حضرت اسماءؓ نے اپنی سادہ وضع ترک نہ کی ہمیشہ روکھی سوکھی روٹی سے شکم پری کرتیں اور موٹا جھوٹا کپڑا پہنتیں، البتہ اپنی دولت کو خیر خیرات کے کاموں میں بے دریغ صرف کرتی تھیں۔ جب کبھی بیمار ہوتیں تمام غلاموں کو آزاد کر دیتیں۔ اپنے بچوں کو ہمیشہ ہدایت کیا کرتی تھیں کہ مال جمع کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ حاجت مندوں کی امداد کے لیے ہوتا ہے۔ اگر تم بخل کرو گے تو اللہ بھی تمہیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا ہاں جو صدقہ کرو گے اور راہِ خدا میں خرچ کرو گے، وہ تمہارے کام آئے گا کہ اس ذخیرہ کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنی سادہ اور درویشانہ وضع آخر دم تک برقرار رکھی۔ علامہ ابن سعدؒ نے طبقات میں لکھا ہے کہ ان کی زندگی کے آخری دور میں ان کے صاحبزادے منذر بن زبیرؓ عراق کی فتح کے بعد لڑائی کے میدان سے واپس آئے تو ان کے مالِ غنیمت کے حصے میں کچھ قیمتی زنانہ کپڑے بھی تھے۔ انہیں لے کر اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت اسماءؓ نے یہ کپڑے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا۔ "بیٹا مجھے تو موٹا کپڑا پسند ہے۔" چنانچہ منذرؒ ان کے لیے موٹے کپڑے لائے جو انہوں نے خوشی سے قبول کر لیے اور فرمایا:

"بیٹا مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کرو۔"

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ — ایک اور روایت میں کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ عائشہؓ اور والدہ اسماءؓ سے زیادہ سخی اور کریم النفس کسی کو نہیں دیکھا۔ فرق یہ تھا کہ حضرت عائشہؓ ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتی تھیں جب کچھ رقم جمع ہو جاتی تھی تو سب کی سب راہِ خدا میں لٹا دیتی تھیں اور حضرت اسماءؓ جو کچھ پاتی تھیں اسی وقت تقسیم کر دیتی تھیں

حضرت اسماءؓ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ترکے میں ایک جائداد پائی تھی۔ اس کو انہوں نے ایک لاکھ درہم پر فروخت کر دیا اور ساری رقم قاسمؒ بن محمد اور ابن ابی عتیقؒ کو (جو ان کے قرابت دار تھے) دے دی کیونکہ وہ حاجت مند تھے۔ (یہ واقعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی وفات کے بعد کا ہے)

باوجود کشادہ دستی اور فیاضی کے حضرت اسماءؓ اپنے شوہر کے گھر بار کی حفاظت انتہائی دیانت داری سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت زبیرؓ کی غیر حاضری میں ایک سوداگر آیا اور ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر التجا کی کہ اپنے گھر کی دیوار کے سایہ میں مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجیے۔ بولیں:

"اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کر دیں تو بڑی مشکل بن جائے گی۔ تم زبیرؓ کی موجودگی میں آکر اجازت طلب کرنا۔"

حضرت زبیرؓ گھر تشریف لائے تو سوداگر پھر آیا اور دروازے پر کھڑے ہو کر درخواست کی:

"اُمِ عبداللہ میں مسکین آدمی ہوں۔ آپ کی دیوار کے سائے میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں، اجازت مرحمت فرمائیں۔"

بولیں: "میرے گھر کے سوا تمہیں مدینہ میں اور کوئی گھر نہ ملا؟"

حضرت زبیرؓ نے فرمایا "تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک مسکین کو بیع و شرا سے روکتی ہو۔"

حضرت اسماءؓ نے اسے فوراً اجازت دے دی کیونکہ ان کا دلی منشاء بھی یہی تھا۔

حضرت اسماءؓ کا دستِ سخاوت بے حد کشادہ تھا لیکن حضرت زبیرؓ کے مزاج میں ذرا سختی تھی۔ حضرت اسماءؓ نے ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

"یا رسول اللہ کیا میں شوہر کے مال سے ان کی اجازت کے بغیر یتیموں

مسکینوں کو کچھ دے سکتی ہوں؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں دے سکتی ہو۔"

ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ تمام صحابہ کرامؓ نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ارشادِ نبویؐ کی تعمیل کی۔ صحابیاتؓ نے اپنے زیور تک اتار کر دے دیئے۔ حضرت اسماءؓ کے پاس ایک لونڈی تھی، انہوں نے اسے فروخت کر دیا اور روپیہ لے کر بیٹھ گئیں۔ جب حضرت زبیرؓ گھر تشریف لائے تو انہوں نے حضرت اسماءؓ سے وہ روپیہ مانگا۔ انہوں نے فرمایا، "میں نے صدقہ کر دیا ہے۔"

حضرت زبیرؓ خاموش ہو گئے کیونکہ اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے وہ بھی طالب تھے۔

(۶)

حضرت اسماءؓ نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھیں لیکن ان کی والدہ قتیلہ بنت عبدالعزیٰ شرفِ اسلام سے بہرہ یاب نہ ہوئیں اسی لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو ہجرت سے پہلے طلاق دے دی تھی۔ (ایک روایت کے مطابق طلاق کے بعد انہوں نے کسی دوسرے شخص سے شادی کر لی تھی۔) صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ قتیلہ مدینہ منورہ آئیں اور حضرت اسماءؓ سے کچھ روپے مانگے۔ حضرت اسماءؓ ان کی مدد کرنا چاہتی تھیں لیکن اُن کے شرک کی وجہ سے روپے دینے میں متامل ہوئیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میری والدہ مشرک ہیں اور وہ مجھ سے روپے مانگتی ہیں، کیا میں ان کی امداد کر سکتی ہوں اور ان کے سوال کو پورا کر سکتی ہوں؟"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں" (یعنی اپنی ماں کے ساتھ صلۂ رحمی کرو)

ایک اور روایت کے مطابق آپؐ نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ صلۂ رحمی سے نہیں روکتا۔"

طبقات ابن سعد اور مسند احمد بن حنبل میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت اسماءؓ کی والدہ قتیلہ ان کے لیے کچھ تحائف لے کر ملنے آئیں، حضرت اسماءؓ کی غیرتِ دینی نے گوارا نہ کیا کہ اپنی مشرک ماں کے تحائف قبول کریں یا انہیں اپنے مکان میں ٹھہرائیں چنانچہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی معرفت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس موقع پر میرے لیے کیا حکم ہے؟ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کے تحائف قبول کر لو اور ان کو اپنے گھر میں مہمان رکھو۔

حضورؐ سے اجازت ملنے پر انہوں نے والدہ کو اپنے مکان میں ٹھہرنے کی اجازت دے دی اور ان کے تحفے قبول کر لیے۔

حضرت اسماءؓ کمال درجے کی عابدہ اور زاہدہ تھیں۔ کثرتِ عبادت کی وجہ سے ان کے تقدس کا عام شہرہ ہو گیا تھا اور طرح طرح کے مریض ان کے پاس دعائے خیر کرانے آتے تھے۔ اگر کوئی بخار کا مریض ان کے پاس آتا تو اس کے لیے دعا کرتیں اور پھر اس کے سینے پر پانی چھڑکتیں، اللہ تعالیٰ اسے شفا دے دیتا۔ فرمایا کرتی تھیں:

> "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ بخار نارِ جہنم کی گرمی ہے۔ اسے پانی سے ٹھنڈا کرو۔"

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبّہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تحویل میں تھا جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے یہ جبّہ مبارک حضرت اسماءؓ کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے اسے سر آنکھوں پر رکھا اور جب تک زندہ رہیں اسے اپنی جان کے ساتھ رکھا۔ اگر کبھی گھر میں کوئی علیل ہو جاتا تو اس جبّہ مبارک کو دھو کر اس کا پانی مریض کو پلا دیتی تھیں۔ اس کی برکت سے بیمار کو شفا ہو جاتی تھی۔ خود حضرت اسماءؓ کو کبھی دردِ سر ہوتا تو اپنے سر کو ہاتھ میں پکڑ کر کہتیں۔ "الٰہی اگرچہ میں بہت خطاکار ہوں لیکن تیری رحمت اور فضل بے پایاں ہے۔" اللہ تعالیٰ انہیں آرام دے دیتا۔

ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے۔ متعدد صحابیات جن میں حضرت اسماءؓ بھی شامل تھیں، آپ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہی تھیں۔ حضورؐ نے نماز کو کئی گھنٹے طول دیا۔ حضرت اسماءؓ کی طبیعت کچھ کمزور تھی تھک کر چور چور ہو گئیں لیکن بڑے استقلال سے کھڑی رہیں۔ جب نماز ختم ہوئی تو غش کھا کر گر پڑیں۔ چہرے اور سر پر پانی چھڑکا گیا تو ہوش میں آئیں۔

صحیح بخاری میں خود حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ:

"ایک دفعہ سورج کو گرہن لگا تو میں عائشہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گئی۔ وہاں دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں اور عائشہؓ بھی نماز میں مشغول تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا، لوگوں کو کیا ہوا؟ انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور کہا، سبحان اللہ۔ میں نے پوچھا، کیا یہ خدائی نشان ہے؟ انہوں نے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ میں بھی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ (نماز اتنی طویل ہوئی کہ تھکاوٹ کے مارے) مجھے غش آ گیا اور بعد میں اپنے سر پر میں نے پانی ڈالا۔ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا، میں نے ابھی جو کچھ دیکھا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ دوزخ اور جنت بھی میرے مشاہدے میں آئے۔ مجھے بتایا گیا کہ تم لوگ قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے جیسا کہ فتنۂ دجال کے موقع پر تمہاری آزمائش ہو گی۔ فرشتے تم میں سے ہر ایک کی طرف آئیں گے اور (میری صورت دکھا کر) پوچھیں گے، کیا تم ان کو جانتے ہو؟ مومن جواب دے گا یہ محمد رسول اللہ ہیں جو ہماری طرف واضح حق اور ہدایت کے ساتھ آئے۔ ہم ان پر ایمان لائے اور ان کی متابعت کی۔ پس فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم اب چین کی نیند سو جاؤ کیونکہ ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ تم مومن ہو۔ اس

کے برعکس ایک منافق یا شک رکھنے والا آدمی جواب دے گا کہ مجھے معلوم نہیں لیکن میں نے لوگوں کو کچھ کہتے سنا اور میں نے بھی (ان کے دیکھا دیکھی) اسی طرح کہہ دیا (پس وہ فرشتوں کے عتاب کی زد میں آجائے گا)۔"

حضرت اسماءؓ نے اپنی زندگی میں کئی حج کیے۔ صحیحین میں ہے کہ انہوں نے پہلا حج سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا اور اس کی ذرا ذرا تفصیل ان کو یاد تھی۔ حضورؐ کے وصال کے بعد ایک دفعہ حج کے لیے گئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ چاند ڈوبنے کے بعد رمی کے لیے گئیں اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔ غلام نے جو ساتھ تھا کہا، آپ نے بڑی جلدی کی ہے، فرمایا، حضورؐ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ جب حجون سے گزرتیں تو فرماتیں کہ ہم رسول اللہؐ کے زمانے میں یہاں ٹھہرے تھے۔ اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا۔ ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا۔

حضرت اسماءؓ بہت نڈر اور شجاع تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کے وصال کے بعد وہ اپنے شوہر اور فرزند کے ساتھ شام کے میدانِ جہاد میں تشریف لے گئیں اور کئی دوسری خواتین کی طرح یرموک کی ہولناک لڑائی میں جنگی خدمات انجام دیں۔

حضرت سعیدؓ بن عاص کے دورِ امارت میں مدینہ منورہ میں بہت بدامنی پھیل گئی اور کثرت سے چوریاں ہونے لگیں۔ اس زمانے میں حضرت اسماءؓ اپنے سرہانے خنجر رکھ کر سویا کرتی تھیں۔ لوگوں نے پوچھا، آپ ایسا کیوں کرتی ہیں تو جواب دیا، اگر کوئی چور یا ڈاکو میرے گھر آئے گا تو اس خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔

حضرت اسماءؓ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا قوی حافظہ عطا کیا تھا اور وہ کبھی کبھی اپنے بچپن اور جوانی کے واقعات بڑی صحت کے ساتھ بیان کیا کرتی تھیں۔ "واقعہ فیل" تاریخ کا مشہور واقعہ ہے اور اس کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے۔ اس واقعہ

یں یمن کے حبشی حاکم ابرہہ نے ایک جرار لشکر کے ساتھ مکہ معظمہ پر فوج کشی کی تھی اس کے لشکر میں "محمود" نامی ایک دیو پیکر ہاتھی اور چند دوسرے (سات آٹھ یا بروایتے بارہ) ہاتھی بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس لشکر پر ابابیلوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے جو "اصحاب فیل" پر کنکریاں برسانے لگے اور آن کی آن میں ان کو کھائے ہوئے بھس (عصفٍ مأکول) کی مانند کر کے رکھ دیا۔ خدا کی قدرت اس لشکر میں سے دو فیل بان (ایک مہاوت اور ایک چرکٹا یعنی ہاتھی کے لیے چارہ لانے والا) کسی طرح بچ گئے لیکن ان کی زندگی موت سے بھی بدتر تھی کیونکہ وہ اندھے اور لنجے ہو گئے تھے۔ قیاس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نشانِ عبرت بنانے کے لیے زندہ چھوڑ دیا۔ حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ میں نے ان دونوں لنجے فیل بانوں کو اساف اور نائلہ (بتوں) کے پاس بیٹھے دیکھا ہے کہ بھیک مانگا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل العدوی القرشی ان مستقیم الفطرت انسانوں میں تھے جو کفر و شرک کے ظلمت کدہ (جاہلی عرب) میں توحید کے علم بردار تھے۔ انہیں حضورؐ کی بعثت سے پانچ سال قبل کسی نے بلادِ لخم میں قتل کر ڈالا تھا، ایک مرتبہ ان کی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات بھی ہوئی تھی اور حضورؐ ان کے عقیدۂ توحید اور محاسنِ اخلاق کے مداح تھے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ، زیدؒ کے فرزند حضرت سعیدؓ (جو اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) کے ساتھ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ زید کے خیالات کا آپ کو علم ہے کیا ہم ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔"

حضورؐ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ زیدؒ بن عمرو کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم کرے ان کی

وفات دینِ ابراہیمؑ پر ہوئی۔"

ایک اور روایت میں زیدؓ کے بارے میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن تنہا ایک اُمّت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔

حضرت اسماءؓ نے لڑکپن میں زید کو دیکھا تھا اور ان کے محاسنِ اخلاق کا اچھی طرح مشاہدہ کیا تھا، صحیح بخاری میں حضرت اسماءؓ سے روایت ہے کہ میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا، کعبہ کی دیوار کا سہارا لیے کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے، اے گروہِ قریش واللہ میرے سوا تم میں سے کوئی دینِ ابراہیمؑ پر نہیں ہے۔ وہ موؤدہ کو جلا لیتے تھے (یعنی زندہ رکھتے تھے) جب کوئی شخص اپنی لڑکی کو مارنا چاہتا تھا تو وہ کہتے تھے اسے مت قتل کر دیں اس کا بار اٹھاؤں گا۔ یہ کہہ کر لے جاتے تھے۔ جب جوان ہو جاتی تھی، اس کے باپ سے کہتے تھے کہ اگر تم چاہو تو اس کو لے جا سکتے ہو ورنہ میرے پاس رہنے دو میں اس کے اخراجات برداشت کروں گا۔

(۷)

طویل عرصہ کی ازدواجی زندگی کے بعد حضرت اسماءؓ کی زندگی میں ایک افسوسناک واقعہ رونما ہوا یعنی حضرت زبیرؓ بن العوام نے انہیں طلاق دے دی۔ مؤرخین نے طلاق کی مختلف وجوہ بیان کی ہیں لیکن اصل سبب اللہ ہی کو معلوم ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت اسماءؓ کے درمیان بعض خانگی معاملات میں اختلاف کی وجہ سے کشیدگی پیدا ہو گئی۔ حضرت زبیرؓ کے مزاج میں کچھ درشتی تھی۔ ایک دن کسی بات پر غصہ میں آ گئے اور حضرت اسماءؓ کو زدوکوب کرنا چاہا۔ ان کے بڑے فرزند عبداللہؓ اتفاق سے گھر میں موجود تھے۔ حضرت اسماءؓ نے ان سے مدد چاہی۔ حضرت زبیرؓ نے عبداللہؓ کو دخل اندازی سے منع کیا اور کہا کہ اگر تم نے اپنی ماں کی حمایت کی تو اسے طلاق ہے۔ حضرت عبداللہؓ کو گوارا نہ ہوا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے والدہ کو تشدد کا شکار ہوتا دیکھیں، آگے بڑھے اور ان کا بازو حضرت زبیرؓ کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ اور حضرت

اسماءؓ کے درمیان ہمیشہ کے لیے علیحدگی ہو گئی اور حضرت اسماءؓ مستقل طور پر فرزند اکبر حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہنے لگیں وہ اپنی والدہ کے بے حد خدمت گزار تھے اور زندگی کے آخری سانس تک ان کے کفیل رہے۔

حضرت اسماءؓ بڑی فراخ حوصلہ اور نیک دل خاتون تھیں۔ حضرت زبیرؓ سے علیحدگی کے بعد بھی وہ انہیں ہمیشہ عزت و احترام سے یاد کرتی تھیں اور ان کی خوبیوں کی مدح و توصیف کیا کرتی تھیں۔

۳۶ھ ہجری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان "جنگ جمل" کا افسوسناک واقعہ پیش آیا۔ حضرت زبیرؓ اس جنگ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے لیکن جب لڑائی شروع ہونے سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد دلایا تو وہ میدانِ جنگ سے کنارہ کش ہو کر پلٹ پڑے۔ واپسی کے سفر میں وادئ سباع میں پہنچے اور نماز پڑھتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوئے تو ایک شخص عمرو بن جرموز نے انھیں شہید کر دیا۔ حضرت اسماءؓ کو ان کی شہادت کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے اس موقع پر یہ اشعار کہے۔ (ترجمہ)

ابن جرموز نے لڑائی کے دن ایک بلند ہمت شہسوار سے دغا کی جب کہ وہ نہتا اور بے سرو سامان تھا۔

اے عمرو اگر تو اپنے ارادے سے زبیرؓ کو پہلے مطلع کر دیتا تو تُو ان کو ایک نڈر اور بے خوف شخص پاتا۔

خدا تجھے غارت کرے تو نے ایک مسلمان کو (ناحق) قتل کیا۔ خدا کا عذاب تجھ پر ضرور نازل ہو گا۔

یہ اشعار درالمنثور میں حضرت اسماءؓ سے منسوب کیے گئے ہیں لیکن علامہ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ یہ اشعار حضرت زبیرؓ کی ایک دوسری بیوی حضرت عاتکہؓ

بنت زید بن عمرو بن نفیل نے کہے ہیں جو شعر و شاعری میں کافی درک رکھتی تھیں۔
اس کے برعکس حضرت اسماءؓ کے شعر و شاعری میں درک رکھنے کا کوئی ثبوت نہیں
ملتا۔ بہرصورت اس بات پر سب اہل سیر کا اتفاق ہے کہ حضرت زبیرؓ کی شہادت
پر حضرت اسماءؓ نے سخت غم و اندوہ کا اظہار کیا۔

(۸)

حضرت اسماءؓ کے فرزند حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تاریخ اسلام میں بڑی اہم
شخصیت کے مالک ہیں۔ امام حسینؓ کی المناک شہادت کے بعد انہوں نے بنی امیہ
کی قاہر طاقت کا جس استقامت اور شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا وہ اپنی مثال
آپ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو امام حسینؓ کے رفقاء جیسے
چند ساتھی مل جاتے تو وہ بنی امیہ کی سلطنت کا تختہ الٹ کر رکھ دیتے اور خلافت راشدہ
کا نقشہ قائم کر دیتے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت تاریخ کا ایک دردناک
باب ہے۔ اس موقع پر حضرت اسماءؓ نے جس حق پرستی، بے خوفی، صبر و رضا اور
جرأت ایمانی کا ثبوت دیا وہ ان کی کتاب زندگی کا ایک تابناک ورق ہے۔ ۳۰ھ
یا ۳۱ھ سے حضرت اسماءؓ شوہر سے علیحدگی کے بعد مستقل طور پر حضرت عبداللہ بن
زبیرؓ کے پاس رہتی تھیں۔ حضرت عبداللہؓ ان کی بے حد تعظیم اور خدمت کرتے تھے
اور اپنی شہادت ۷۳ھ ہجری تک انہوں نے مسلسل اپنی ضعیف العمر ماں کی اطاعت
اور رضا جوئی کو اپنی زندگی کا شعار بنائے رکھا۔ حضرت اسماءؓ بھی اپنے سعادت مند
فرزند کے لیے ہر وقت دعاگو رہتی تھیں۔ یہ انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ
بن زبیرؓ علم و فضل، زہد و اتقا، حق گوئی، شجاعت اور بے خوفی کا ایک مثالی
پیکر بنے۔ امام حسینؓ کی طرح انھوں نے بھی مرتے دم تک یزید کی بیعت نہ کی
اور پھر اس کی موت کے بعد بھی اس کے جانشینوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے
۶۶ھ ہجری میں عراق اور حجاز وغیرہ کے لوگوں نے انھیں متفقہ طور پر اپنا
خلیفہ منتخب کیا۔ ۷۳ھ ہجری تک انہوں نے مکہ معظمہ میں اپنا علم خلافت

بلند رکھا۔ ان چھ سالوں میں انھیں بیک وقت دو محاذوں پر لڑنا پڑا۔ ایک طرف مختار بن ابی عبید ثقفی کی زبردست جماعت تھی اور دوسری طرف بنوامیہ کی قاہر قوت۔ وہ بڑے عزم اور حوصلہ کے ساتھ ان دونوں محاذوں پر لڑتے رہے جب عبدالملک بن مروان مسندِ حکومت پر بیٹھا تو اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو ختم کر کے رہے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے اپنے ایک آزمودہ کار جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کو مقرر کیا۔

حجاج بن یوسف نے ایک زبردست فوج کے ساتھ یکم ذی الحجہ ۷۲ھ کو مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بے مثال استقامت دکھائی اور چھ ماہ تک اموی فوج کو مکہ معظمہ پر قابض نہ ہونے دیا۔ حجاج نے محاصرے میں اتنی سختی برتی کہ مکہ میں اناج کا ایک دانہ بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس نے بیت اللہ کی عزت و حرمت کو بھی بالائے طاق رکھ دیا اور جبل ابوقبیس پر منجنیقیں نصب کر کے ان سے کعبۃ اللہ پر لگاتار پتھر برسائے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پتھروں کی بارش میں بھی اس انہماک سے نماز پڑھتے تھے کہ کبوتر ان کے کندھوں اور سر پر آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ محاصرے کی شدت اور خوراک کی قلت سے تنگ آ کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے اکثر ساتھی ان کا ساتھ چھوڑ کر حجاج بن یوسف سے جا ملے حتیٰ کہ ان کے فرزندوں نے بھی بے وفائی کی اور حجاج کے پاس جا کر امان کے طالب ہوئے لیکن اس بہتّر سال کے بڈھے شیر نے بنوامیہ کے اقتدار کو تسلیم نہ کرنے کا حلف اٹھا رکھا تھا۔ اثنائے محاصرہ میں ایک دن حضرت اسماءؓ کی مزاج پرسی کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ کچھ علیل تھیں۔ گفتگو کے دوران میں حضرت عبداللہؓ کے منہ سے نکل گیا "اماں جان موت میں بڑی راحت ہے" بولیں "شاید تم کو میرے مرنے کی آرزو ہے (کہ ضعیف العمری کے دکھوں سے نجات پا جاؤں) لیکن بیٹے میں تمہارا انجام دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں تاکہ اگر تمہیں شہادت نصیب ہو تو اپنے ہاتھوں سے تمہارا کفن دفن کروں اور اگر تم فتح پاؤ تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔" اس واقعہ کے دس دن بعد

جب گنتی کے صرف چند ساتھی رہ گئے تو وہ آخری بار حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"اماں جان! میرے ساتھیوں نے بے وفائی کی ہے اب سوائے چند جاں نثاروں کے کوئی بھی میرا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے، اگر ہتھیار ڈال دوں تو ہو سکتا ہے کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو امان مل جائے۔"

حضرت اسماءؓ نے جواب دیا:

"اے میرے فرزند! اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر رتبۂ شہادت پر فائز ہو جاؤ اور کسی قسم کی ذلت برداشت نہ کرو۔ اور اگر یہ تمہارا کھکھیڑ دنیا طلبی کے لیے تھا تو تم سے برا کوئی شخص نہیں جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔"

ایک اور روایت میں حضرت اسماءؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

"بیٹا! قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے۔ خدا کی قسم عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مر جانا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا۔ "اماں جان میں حق و صداقت کے لیے لڑا اور حق و صداقت کے لیے ساتھیوں کو لڑایا۔ اب آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

"بیٹا! اگر تم حق پر ہو تو حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کی بیوفائی کے سبب دشمنوں سے دب جانا شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں۔"

ابن زبیرؓ نے عرض کیا:

"اماں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا صرف یہ خیال ہے کہ میری موت

کے بعد دشمن میری لاش کا مُثلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے جس سے آپ کو رنج ہو گا۔"

صدیق اکبرؓ کی جلیل القدر بیٹی نے فرمایا:

"بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے کیے جائیں، اسے کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسا کر کے اپنا کام کیے جاؤ، راہِ حق میں تلواروں سے قیمہ ہونا گمراہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ موت کے خوف سے غلامی کی ذلّت کبھی قبول نہ کرنا۔"

اپنی عظیم ماں کے حوصلہ افزا کلمات سن کر ابنِ زبیرؓ پر رقّت طاری ہو گئی اور فرطِ محبت و عقیدت سے انہوں نے اپنی والدہ کا سر چوم لیا۔ پھر عرض کیا:

"اماں جان! میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راہِ حق میں مردانہ وار لڑ کر جان دے دوں لیکن آپ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا تاکہ میرے مرنے کے بعد آپ رنج و غم نہ کریں۔ الحمد للہ کہ میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم اور راضی برضا پایا۔ آپ کی باتوں نے میرا ایمان تازہ کر دیا ہے۔ آج میں ضرور قتل ہو جاؤں گا مجھے یقین ہے کہ میرے قتل کے بعد بھی آپ صبر و شکر سے کام لیں گی۔ خدا کی قسم میں سچ عرض کرتا ہوں کہ آج تک میں نے جو کچھ کیا وہ سب حق کو سربلند کرنے کے لیے تھا۔ میں نے کبھی برائی کو پسند نہیں کیا۔ کسی مسلمان پر ظلم نہیں کیا۔ کبھی بدعہدی نہیں کی کبھی امانت میں خیانت نہیں کی۔ اپنے عُمّال کا کڑا محاسبہ کیا اور اپنی حدودِ خلافت میں جہاں تک بن پڑا، عدل جاری کیا۔ لوگوں سے خدا اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرائی اور اعمالِ بد سے انہیں روکا۔ بخدا میں دین کے آگے دنیا کو ہیچ سمجھتا ہوں، اللہ کی رضا کے سوا مجھے کوئی شئے مطلوب نہیں۔"

پھر آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا :

" الٰہی میں نے یہ باتیں فخر کی راہ سے نہیں کہیں بلکہ صرف اپنی والدہ محترمہ کی تسکین اور اطمینان کے لیے کہی ہیں "

حضرت اسماءؓ نے انھیں دعا دی اور فرمایا :

" بیٹے تم اللہ کی راہ میں جان دو، میں انشاءاللہ صابر و شاکر رہوں گی اب آگے آؤ تاکہ آخری بار تمہیں پیار کر لوں۔"

عبداللہؓ آگے بڑھے، ضعیف العمر ماں نے اپنے لختِ جگر کو گلے لگایا اور ان کا منہ سر چوما۔ اس وقت حضرت عبداللہ نے زرہ پہن رکھی تھی۔ حضرت اسماءؓ کا ہاتھ ان کی زرہ پر پڑا تو پوچھا : " بیٹے یہ تمہارے جسم پر کیا ہے ؟" عرض کیا : " زرہ ہے تاکہ دشمن کے حربوں سے بچاؤ ہو۔"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا :

" بیٹے اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لیے نکلتے ہو اور ان عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔"

حضرت عبداللہؓ نے اسی وقت زرہ اتار پھینکی، سر پر سفید رومال باندھ لیا اور ماں سے کہا : " اماں جان اب میرے جسم پر معمولی لباس ہے۔" حضرت اسماءؓ نے فرمایا : " بیٹا اب میں خوش ہوں، جاؤ اللہ کے راستے میں لڑو اور اس کے ہاں اسی لباس میں جاؤ۔"

حضرت عبداللہؓ نے تلوار سونت لی اور رجز پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے، کافی دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے آخر زخموں سے چور چور ہو کر صدیقِ اکبرؓ کا یہ اولوالعزم نواسہ اور حضرت اسماءؓ کا لختِ جگر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملا۔

ابنِ زبیرؓ کی شہادت کی خبر سُن کر حجاج بن یوسف کو بڑی مسرت ہوئی اور اس نے حکم دیا کہ ابنِ زبیرؓ کی لاش کو مقام حجون میں سولی پر الٹا لٹکا دیا جائے۔

حضرت اسماءؓ کو حجاج کی اس حرکت کا علم ہوا تو انھوں نے پیغام بھیجا کہ خدا تجھے غارت کرے تو نے میرے لختِ جگر کی لاش کو دار پر کیوں لٹکایا۔

حجاج نے جواب میں کہلا بھیجا: "میں لوگوں کو ابنِ زبیرؓ کے انجام سے عبرت دلانا چاہتا ہوں۔"

حضرت اسماءؓ نے اسے پھر پیغام بھیجا کہ میرے بچے کی لاش میرے حوالے کر دو تاکہ میں اس کی تجہیز و تکفین کر سکوں۔

سنگ دل حجاج نے صاف انکار کر دیا۔

ابنِ زبیرؓ کی شہادت کے ایک دو دن بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مقام حجون سے گزر ہوا، ان کی لاش سولی پر لٹکتے دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے اور اس کے نیچے کھڑے ہو کر فرمایا:

"اے ابوخبیب السلام علیک۔ میں نے تم کو اس (سیاست) میں پڑنے سے منع کیا تھا۔ تم نمازیں پڑھتے تھے۔ روزے رکھتے تھے اور صلہ رحمی کرتے تھے۔"

شہادت کے تیسرے دن حضرت اسماءؓ ایک کنیز کے سہارے مقام حجون تشریف لے گئیں۔ اتفاق سے اس وقت حجاج بھی وہاں گشت کر رہا تھا۔ حضرت اسماءؓ کو لوگوں نے حجاج کی موجودگی کی اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا:

"کیا اس سوار کے اترنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔"

حجاج نے کہا: "وہ ملحد تھا اس کی یہی سزا تھی۔"

حضرت اسماءؓ تڑپ اٹھیں، فرمایا:

"خدا کی قسم وہ ملحد نہ تھا بلکہ نماز گزار، روزہ دار اور متقی تھا۔"

حجاج نے جھلا کر کہا: "بڑھیا یہاں سے چلی جاؤ، تمہاری عقل سٹھیا گئی ہے۔"

حضرت اسماءؓ نے بڑی بے باکی سے جواب دیا:

"میری عقل نہیں سٹھیا گئی۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو فرماتے سنا ہے کہ بنو ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک ظالم (سفاک) پیدا ہو گا، سو کذّاب (یعنی مختار بن ابو عبید ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ظالم (سفاک) تو ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ جب حجاج نے سنا کہ ابن عمرؓ نے ابن زبیرؓ کی لاش کے نیچے کھڑے ہو کر ان کی تعریف کی ہے تو اس نے لاش کو اتروا کر یہودیوں کے قبرستان میں پھینکوا دیا اور حضرت اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ حجاج نے کہلا بھیجا کہ میرے حکم کی تعمیل کرو ورنہ چوٹی پکڑ کر گھسٹواؤں گا۔

حضرت اسماءؓ نے جواب میں کہلا بھیجا: "خدا کی قسم اس وقت تک نہ آؤں گی جب تک تو چوٹی پکڑ کر نہ گھسٹوائے گا۔"

حجاج اب مجبور ہو کر خود حضرت اسماءؓ کے پاس پہنچا اور دلآزارانہ لہجے میں کہنے لگا۔ "اے ذات النطاقین سچ کہنا خدا کے دشمن کا انجام کیسا ہوا؟"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

"ہاں تو نے میرے فرزند کی دنیا خراب کی لیکن اس نے تیری آخرت برباد کر دی ہے۔ میں نے سنا ہے تو میرے بیٹے کو طنزاً ابن ذات النطاقین کہتا تھا تو خدا کی قسم میں ذات النطاقین ہوں، میں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کا توشہ دان اپنے نطاق سے باندھا تھا لیکن میں نے خود حضورؐ سے سنا ہے کہ بنی ثقیف میں ایک کذّاب اور ایک سفّاک ہو گا۔ کذّاب کو ہم نے دیکھ لیا۔ سفاک کا دیکھنا باقی تھا، سو وہ تو ہے۔"

حجاج حضرت اسماءؓ کی بے باکانہ گفتگو سن کر سکتے میں آگیا اور کان دبا کر وہاں سے چل دیا۔

شبلی نعمانیؒ نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا واقعۂ شہادت اور حضرت اسماءؓ

کی جرأتِ ایمانی اور صبر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابنِ زبیرؓ
سب نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے یکبار

ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ
جس کی تقدیر میں تھا مرغانِ حرم کا شکار

حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابنِ زبیرؓ
فوجِ بے دین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار

دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد
بارشِ سنگ سے اٹھتا تھا جو اڑ اڑ کے غبار

تھا جو سامانِ رسد چار طرف سے مسدود
ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا ایک کنجِ مزار

جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا
ماں کی خدمت میں گئے ابنِ زبیرؓ آخرکار

جا کے عرض کی کہ اے اختِ حریمِ نبوی
نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار

آپ فرمایئے اب آپ کا ارشاد ہے کیا
کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرماں بردار

صلح کر لوں؟ کہ چلا جاؤں حرم سے باہر
یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار

بولیں وہ پردہ نشینِ حرمِ سترِ عفاف
حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار

یہ زمیں ہے وہی قرباں گہِ اسمٰعیلی
فدیۂ نفس ہے خود دینِ خلیلی کا شعار

ماں سے رخصت ہوئے یہ کہہ کے باآدابِ نیاز
آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہوں گا زنہار

پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں
جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطار

منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم
ایک پتھر نے کیا آ کے سر و رخ کو فگار

خون ٹپکا جو قدم پہ تو کہا از رہِ فخر
یہ ادا وہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار

اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم
خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پہ ہر بار

زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کب تک
آخر الامر گرے خاک پہ مجروح و نزار

لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا
اس کو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار

لاش لٹکی رہی سولی پہ کئی دن لیکن
ان کی ماں نے نہ کیا رنج و الم کا اظہار

اتفاقات سے اک دن جو ادھر جا نکلیں
دیکھ کر لاش کو بے ساختہ بولیں یک بار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے خطیب
اپنے مرکب سے اترتا نہیں اب بھی یہ سوار

حضرت اسماءؓ جب حجاج بن یوسف کی طرف سے مایوس ہو گئیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ان کے لختِ جگر کی لاش ان کے حوالے نہیں کرے گا تو انہوں نے کسی ذریعہ سے عبد الملک کو دمشق پیغام بھجوایا۔ ایک روایت میں ہے کہ ابنِ زبیرؓ کے بھائی عروہ بن زبیرؒ محاصرۂ مکہ کے دوران میں آخر وقت تک ان کے ساتھ تھے۔ جب عبد اللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے اور حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوا دی تو وہ مکہ سے پوشیدہ طور پر عبد الملک کے پاس دمشق پہنچے۔ وہ عروہؒ سے بڑی محبت اور تکریم سے پیش آیا اور تخت پر اپنے پاس جگہ دی۔ عروہؒ نے اسے مکہ کے سارے حالات بتائے اور اس سے درخواست کی کہ حجاج کو ابنِ زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم بھیجے۔ عبد الملک نے اسی وقت حجاج کو ایک غضب آلود خط لکھا جس میں اس کی حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور حضرت ابنِ زبیرؓ کی لاش فوراً حضرت اسماءؓ کے حوالے کرنے کا حکم دیا۔ عبد الملک کا خط پہنچنے پر حجاج نے ابنِ زبیرؓ کی لاش حضرت اسماءؓ کے حوالے کر دی۔

ابن ابی ملیکہؒ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ میں سب سے پہلا شخص تھا جس نے حضرت اسماءؓ کو ابنِ زبیرؓ کی لاش ان کے حوالے کیے جانے کی بشارت دی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ اُسے غسل دو۔ لاش کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا، ہم ایک ایک حصۂ بدن کو غسل دے کر کفن میں لپیٹتے جاتے تھے۔ جب سارے اعضاء کا غسل ہو چکا تو حضرت اسماءؓ نے اپنے لختِ جگر کے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر ہم نے جنازہ پڑھ کر ابنِ زبیرؓ کو مقامِ حجون میں سپردِ خاک کر دیا۔ اس سے پہلے حضرت اسماءؓ فرمایا کرتی تھیں کہ الٰہی مجھے اس وقت تک زندہ رکھنا جب تک میں اپنے فرزند کا جثہ کفنا دفنا کر مطمئن نہ ہو جاؤں۔ اس واقعہ کے سات دن (یا بعض روایتوں کے مطابق بیس دن یا سو دن) کے بعد حضرت اسماءؓ نے بھی پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ وفات کے وقت ان کی عمر سو برس کے لگ بھگ تھی لیکن سارے دانت سلامت تھے اور ہوش و حواس بالکل درست تھے۔ قد دراز اور جسم فربہ تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اخیر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی اس لیے عبداللہ بن زبیرؓ کا واقعۂ شہادت بچشمِ خود نہیں دیکھا بلکہ ٹٹول ٹٹول کر یا پوچھ پوچھ کر ہر کیفیت سے آگاہ ہوتی تھیں۔

حضرت زبیرؓ سے حضرت اسماءؓ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں عطا کی تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں: عبداللہؓ، عروہؒ، منذرؒ، مہاجرؒ، عاصمؒ۔ خدیجۃ الکبریٰؒ، اُمّ الحسنؒ اور عائشہؒ۔

ان میں سے حضرت عبداللہؓ اور عروہؒ نے تاریخ میں لازوال شہرت حاصل کی۔ حضرت اسماءؓ علم و فضل کے اعتبار سے بھی بڑا اونچا درجہ رکھتی تھیں ان سے چھپن ۵۶ احادیث مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، عروہ بن زبیرؒ، ابوبکر عباد و عامر پسرانِ عبداللہؓ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عروہؒ، عبداللہ بن کیسانؒ، فاطمہ بنتِ منذر بن زبیرؓ، محمد بن منکدر، ابن ابی ملیکہؒ، وہب بن کیسانؒ، مُطلب بن حنطبؒ، ابونوفل ابن ابوعقربؒ، مسلم معریؒ، صفیہ بنتِ شیبہ اور عبادہ بن حمزہ بن عبداللہ بن زبیرؓ شامل ہیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنی طویل زندگی میں زمانے کے بے شمار نشیب و فراز دیکھے وہ تاریخ اسلام کی ان معدودے چند ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا اور پورا دورِ رسالت اور خلفائے راشدین کا عہدِ باسعادت بھی دیکھا، اپنے عظیم المرتبت فرزند کا دورِ عروج بھی دیکھا اور ان کی المناک شہادت کا منظر بھی دیکھا۔ ان پر بارہا مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے لیکن انہوں نے ہر موقع پر بے پناہ عزم و استقلال اور جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کیا۔ بلاشبہ وہ تاریخ اسلام کی ایک مہتم بالشان شخصیت ہیں اور ان کا درخشندہ و تابندہ کردار مسلمانوں کے لیے تا ابد مشعلِ راہ بنا رہے گا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت فاطمہؓ بنتِ خطاب

(۱)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن حضورِ پُرنور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور کچھ دوسرے جاں نثاروں کے ہمراہ خانۂ کعبہ تشریف لے گئے۔ اس وقت وہاں بہت سے صنادیدِ قریش جمع تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضورؐ کی اجازت سے ان لوگوں کے سامنے ایک دردمندانہ تقریر کی جس میں ان کو کفر و شرک پر تین حرف بھیج کر دینِ حق قبول کرنے کی دعوت دی۔ مشرکین دعوتِ توحید کیا قبول کرتے ان پر اس کا اُلٹا اثر ہوا۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ اعدائے حق سخت مشتعل ہو گئے، چاروں طرف سے ہجوم کر کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور ان کو نہایت بے دردی سے پیٹنا شروع کر دیا۔ ان کا خاص نشانہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو رؤسائے قریش میں بڑا متین اور بردبار سمجھا جاتا تھا وہ تو اس قدر غصے میں آیا کہ صدیقِ اکبرؓ کے چہرۂ مبارک پر اپنے سخت تلے والے جوتے سے پے بہ پے کئی ضربیں لگائیں اور پھر اُن کے پیٹ پر چڑھ کر کودتا رہا۔ اس زدوکوب سے صدیقِ اکبرؓ شدید زخمی ہو گئے۔ زخموں کی وجہ سے ان کا چہرۂ مبارک پہچانا تک نہیں جاتا تھا۔ اس موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے لیکن مشرکین نے آپؐ کو پیچھے دھکیل دینے کے سوا اور کچھ نہ کہا، اس کی وجہ کچھ تو رئیس بنو ہاشم حضرت ابوطالب کی وجاہت تھی اور کچھ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی زوجیت کا لحاظ تھا۔ اُدھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قبیلہ بنو تیم کے لوگوں کو اطلاع ملی کہ بعض لوگ حضرت ابوبکرؓ کو مارے ڈالتے ہیں تو وہ بھاگتے ہوئے مسجد الحرام پہنچے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مشرکین کے پنجۂ بیداد سے چھڑایا۔ اس وقت صدیقِ اکبرؓ

بے ہوش تھے اور اتنے شدید زخمی تھے کہ ان کا جانبر ہونا مشکل نظر آتا تھا۔ بنو تیم ان کی حالت دیکھ کر غضب ناک ہو گئے اور للکار کر کہا کہ اگر ابو بکر فوت ہو گئے تو خدا کی قسم ہم اس کا انتقام لیں گے اور عتبہ بن ربیعہ کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیق رض کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر ان کے گھر لے گئے۔ اب صدیق اکبر کے والد ابو قحافہ اور بنو تیم نے ان کو مسلسل پکارنا شروع کیا لیکن وہ کوئی جواب نہ دے سکتے تھے۔ عصر کے بعد کہیں ہوش میں آئے اور بات کرنے کے قابل ہوئے تو سب سے پہلے جو الفاظ ان کی زبان سے نکلے وہ یہ تھے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟"

یہ سن کر بنو تیم کے لوگ جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے برافروختہ ہو کر طعنے دینے لگے کہ تم اس حالت میں بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال نہیں چھوڑتے۔ پھر وہ حضرت ابو بکر صدیق کی والدہ اُمّ الخیر سے یہ کہہ کر چل دیئے کہ تم خود ہی ان کی خبر گیری اور تیمارداری کرو اگر یہ کچھ کھانا پینا چاہیں تو کھلا پلا دینا۔ جب یہ لوگ چلے گئے تو اُمّ الخیر نے بڑا اصرار کیا کہ حضرت ابو بکر رض کچھ کھائیں پئیں لیکن انہوں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا اور برابر یہی پوچھتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں۔ اُمّ الخیر (جو اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئی تھیں) ہر بار یہی جواب دیتی تھیں کہ خدا کی قسم مجھے تمہارے ساتھی کی کچھ خبر نہیں۔ بالآخر حضرت ابو بکر صدیق رض نے ان سے فرمایا کہ آپ اُمِ جمیل کے پاس جایئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال دریافت کیجئے۔ اُمّ الخیر اسی وقت اُمِ جمیل کے پاس پہنچیں اور کہا کہ ابو بکر سخت مجروح و نزار ہے اور اس نے تم سے محمد بن عبد اللہ کا حال دریافت کیا ہے۔ اُمِ جمیل نے انہیں کچھ نہ بتایا اور کہا کہ اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے ساتھ ابو بکر رض کے پاس چلوں۔ اُمّ الخیر نے کہا، ہاں چلو۔ اُمِ جمیل صدیق اکبر رض کے گھر پہنچیں تو ان کی حالت دیکھ کر بیقرار ہو گئیں اور بے اختیار ان کی زبان پر یہ الفاظ آ گئے "خدا کی قسم جن لوگوں نے آپ سے یہ سلوک کیا ہے وہ بے شک کافر اور فاسق ہیں، مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ان سے آپ کا بدلہ لے گا۔" پھر انہوں نے بھی حضرت ابو بکر رض سے کچھ کھانے پینے کی التجا کی

لیکن صدیقِ اکبرؓ نے یہی جواب دیا کہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بتاؤ۔ اُمِ جمیلؓ نے کہا، یہ آپ کی ماں سُن لے گی۔

صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا، تم ان سے کوئی خطرہ محسوس نہ کرو۔

اُمِ جمیلؓ نے کہا، بحمداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح وسالم ہیں آپ کچھ فکر نہ کریں۔

حضرت ابوبکر صدیق نے پوچھا، اس وقت آپؐ کہاں ہیں؟

اُمِ جمیلؓ نے جواب دیا، دارِ ارقم میں۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا، خدا کی قسم جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہ لوں گا نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ کچھ پیوں گا۔

اس وقت لوگ حضرت ابوبکرؓ کی خبرگیری کے لیے آجا رہے تھے جب ان کی آمد ورفت ختم ہوئی تو اُمِ جمیل اور اُمِ الخیر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سہارا دیتی ہوئی لے کر نکلیں اور دارِارقم میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے گئیں۔ حضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھا تو آپؐ آبدیدہ ہوگئے اور جھک کر صدیقِ اکبرؓ کی پیشانی چوم لی۔ یہ دیکھ کر دوسرے مسلمانوں پر بھی رقت طاری ہوگئی۔ دونوں خواتین جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سہارا دے کر حضورؐ کی خدمت میں لائی تھیں ان میں حضرت اُمِ جمیلؓ تو پہلے ہی حضورؐ کے جاں نثاروں میں شامل تھیں البتہ اُمِ الخیر ابھی تک سعادت اندوزِ اسلام نہیں ہوئی تھیں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں التماس کی کہ:

"اے اللہ کے رسول میری مادرِ محسنہ کی ہدایت کے لیے دعا فرمائیے۔"

حضورؐ نے اسی وقت ان کے لیے دعا کی اور وہ بھی نعمتِ ایمان سے بہرہ ور ہوگئیں۔

یہ اُمِ جمیلؓ کنیت کی خاتون جن کو بعثتِ نبوی کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا اور جن پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بے حد اعتماد تھا، حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کی بہن فاطمہؓ بنت خطاب تھیں۔

(۲)

حضرت اُمِ جمیل فاطمہؓ بنتِ خطّاب کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے لیکن تعجب ہے کہ کتبِ سیَر میں ان کے بہت ہی کم حالاتِ زندگی ملتے ہیں۔ حسب ونسب کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ قریش کے خاندان بنو عدی سے تھیں اور سیدنا فاروقِ اعظمؓ کی بہن تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

فاطمہؓ بنتِ خطّاب بن نُفَیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لؤیّ بن فہر بن مالک۔

کعب بن لؤیّ پر حضرت فاطمہؓ کا سلسلۂ نسب حضورؐ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت سعیدؓ بن زید (بن عمرو بن نفیل) سے ہوئی جو اصحابِ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے فطرتِ سعید سے نوازا تھا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد جونہی دعوتِ حق کا آغاز فرمایا حضرت سعیدؓ اور فاطمہؓ بلا تامل آگے بڑھے اور دینِ حق کے حلقہ بگوش بن گئے۔ ان سے پہلے صرف گنتی کے چند سعید الفطرت اصحاب شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنتِ خطّاب سے پہلے صرف چھبیس آدمی ایمان لائے تھے۔ حضرت فاطمہؓ ستائیسویں مسلمان تھیں اور حضرت سعیدؓ اٹھائیسویں مسلمان تھے۔ اس طرح دونوں میاں بیوی کو السّابقون الاوّلون میں بھی امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

جس زمانے میں حضرت فاطمہؓ سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں اُن کے نامور بھائی عمرؓ بن الخطّاب دینِ حق کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ یہ حضرت فاطمہؓ کا استقلال اور اخلاص فی الدین ہی تھا جس نے ایک دن ان کو عمر بن الخطّاب سے فاروقِ اعظم بنا دیا۔ حضرت فاطمہؓ کی کتابِ زندگی کا یہ سب سے تابناک باب ہے اور بہت سے اربابِ سیَر نے اسے بڑی تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ تاہم کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن میں حضرت عمر فاروقؓ کے قبولِ اسلام کے واقعہ کو ایک دوسری صورت

میں پیش کیا گیا ہے اس میں حضرت فاطمہؓ کا ذکر نہیں آتا لیکن مشہور روایت وہی ہے جسے ابن اسحاقؒ، ابو یعلیٰؒ، بزارؒ، طبرانیؒ، بیہقیؒ، دار قطنیؒ اور کئی دوسرے اہل سیر نے تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے اگرچہ تفصیلات میں تھوڑا بہت اختلاف ہے لیکن واقعہ کی صورت قریب قریب یکساں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۶ سنہ بعد بعثت میں ایک دن حضرت عمرؓ علی الصباح شمشیر بدست گھر سے یہ ارادہ کر کے نکلے کہ آج شمع رسالتؐ کو بجھا کر دم لیں گے۔ ان کے اس ارادہ کی متحرک کیا چیز تھی؟ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ پانچ سال تک اہل حق پر ہر قسم کی سختیاں کرنے کے باوجود جب ان میں سے کسی ایک کو بھی اسلام سے برگشتہ نہ کر سکے تو انہوں نے مجبور ہو کر اس شمع ہی کو بجھانے کا ارادہ کر لیا جس کے اہل حق پروانے تھے۔ بعض نے یہ قیاس آرائی کی ہے کہ اسلام کو روز بروز ترقی کرتے دیکھ کر حضرت عمرؓ سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے کچھ رشتہ داروں کو اسلام کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرتے دیکھا تو ان کی ذہنی کشمکش میں اور اضافہ ہو گیا اور انہوں نے اسلام کے داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کا عزم کر لیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شجاع چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب دولتِ ایمان سے بہرہ ور ہوئے[1] تو مشرکین قریش کے پندار پر سخت ضرب لگی، انہوں نے مشتعل ہو کر ایک اجتماع عام کیا جس میں ابوجہل نے اعلان کیا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرے گا میں اسے سو سرخ اونٹ (جو بہت گرانبہا ہوتے تھے) اور چالیس ہزار درہم نقد بطور انعام دوں گا۔

---

[1] حضرت حمزہؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔ علامہ ابن سعدؒ کاتب الواقدی کا بیان ہے کہ ۶ سنہ بعدِ بعثت میں ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا کے قریب (یا مسجد الحرام کے اندر) لوگوں کو دعوت توحید دے رہے تھے کہ ابوجہل وہاں آ گیا۔ اس نے آتے ہی حضورؐ کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ حضورؐ خاموشی سے سنتے رہے۔ پھر اس نے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت عمرؓ بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ انہیں انعام کا لالچ تو نہیں تھا لیکن اپنی زور آوری اور طاقت پر بڑا ناز تھا، ابوجہل کی اشتعال انگیز تقریر سن کر جوش میں آ گئے اور بآوازِ بلند کہا:

"اے اباالحکم لات و عزّیٰ کی قسم جب تک میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل نہ کر لوں گا، زمین پر نہ بیٹھوں گا۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔ حضورؐ کے رُخِ اقدس پر ایک طمانچہ مارا (ایک روایت کے مطابق اس نے حضورؐ پر گوبر پھینکا اور پتھر بھی مارے) حضورؐ خاموشی سے گھر چلے آئے۔ اس زمانے میں حضرت حمزہؓ اپنے آبائی دین پر قائم تھے اور دعوتِ حق کی طرف توجہ دینے کے بجائے اپنا بیشتر وقت سیر و شکار میں گزارتے تھے، اس دن حسبِ معمول شکار سے واپس آ رہے تھے کہ بنی تیم کے رئیس عبداللہ بن جدعان کی آزاد کردہ ایک لونڈی نے ان کا راستہ روک لیا اور چلّا کر بولی: "ابوعمارہ (حضرت حمزہؓ کی کنیت) کاش تھوڑی دیر پہلے تم یہاں ہوتے تو اپنے یتیم بھتیجے محمدؐ کا حال دیکھتے کہ بنو مخزوم کے شریر عمرو بن ہشام (ابوجہل) نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔" پھر اس نے واقعہ کی تفصیلات سنائی تو حضرت حمزہؓ کا جذبۂ حمیت جوش میں آ گیا۔ غضب ناک ہو کر خانۂ کعبہ کی طرف بڑھے جہاں ابوجہل مشرکین کے مجمع میں بیٹھا شیخیاں بگھار رہا تھا، حضرت حمزہؓ نے اپنی کمان اس کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ لہولہان ہو گیا۔ پھر للکار کر کہا: "تو محمدؐ کو گالیاں دیتا ہے حالانکہ جو وہ کہتے ہیں میں بھی وہی کہتا ہوں ہمت ہے تو مجھے بھی وہی گالیاں دے کر دیکھ۔" اس پر بنو مخزوم کے کچھ لوگ دوڑ کر ابوجہل کی مدد کے لیے پہنچ گئے لیکن ابوجہل نے انہیں یہ کہہ کر پیچھے ہٹا دیا کہ "ابوعمارہ کو چھوڑ دو میں نے واقعی آج اس کے بھتیجے کو بہت بری گالیاں دی تھیں۔" اس کے بعد حضرت حمزہؓ حضورؐ کے پاس گئے اور کہا: "بھتیجے میں نے تمہارا بدلہ عمرو بن ہشام سے لے لیا۔" حضورؐ نے فرمایا۔ "چچا مجھے تو اس وقت خوشی ہوگی جب آپ دینِ حق قبول کر لیں گے۔" حضرت حمزہ یہ سن کر خاموشی سے اپنے گھر آ گئے اور ساری رات اسی کشمکش و پیچ میں

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت حمزہؓ کے قبولِ اسلام کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ قریش کے دو ستونوں عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن الخطاب میں سے کسی ایک کو دولتِ اسلام سے بہرہ یاب کر دے چنانچہ آپؐ نے دعا مانگی :

اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام واما عمر بن الخطاب .

(الٰہی اسلام کو ابنِ ہشام یا عمر بن الخطاب سے عزت دے)

یہ دعا فوراً درِ اجابت پر پہنچی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو اسلام کا دست و بازو بنانے کے لیے چُن لیا ۔ اس واقعہ (یعنی حضورؐ کے دعا مانگنے) کے دوسرے ہی دن حضرت عمرؓ حضورؐ کو شہید کرنے کا عزم کر کے گھر سے نکلے ۔ راستے میں اتفاق سے ان کے قبیلہ بنو عدی کے ایک صاحب حضرت نعیمؓ بن عبداللہ النحام مل گئے ۔ وہ خفیہ طور پر دولتِ اسلام سے بہرہ مند ہو چکے تھے ۔ انہوں نے پوچھا :

"عمر یہ آج شمشیر بکف کدھر چلے ہو ۔"

حضرت عمرؓ : — آج اپنے دین سے منحرف ہو جانے والے اس شخص کو قتل کرنے جاتا ہوں جس نے قریش کی جمعیت کو پارہ پارہ کر ڈالا ہے ، ہم سب کو احمق قرار دیا ہے ۔ ہمارے معبودوں کی مذمت کی ہے اور ہمارے دین میں کیڑے ڈالے ہیں ۔

حضرت نعیمؓ : — عمر ، یہ بڑا خطرناک کام ہے ، خدا کی قسم تم سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو ، اگر تم محمدؐ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو کیا بنو عبدمناف تمہیں زمین پر چلنے پھرنے کے لیے زندہ چھوڑ دیں گے ؟

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ۔ گزاری کہ مجھے کیا کرنا چاہیے ۔ علی الصباح حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی حالت بیان کی ۔ حضورؐ نے ان کو نہایت بلیغ پیرائے میں اسلام کی دعوت دی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطن کا دغدغہ دور کر دیا اور وہ اسی وقت مشرف بہ ایمان ہو گئے ۔

حضرت عمرؓ:۔۔۔ مجھے کسی کا خوف نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی اپنا آبائی مذہب ترک کر کے محمدؐ کا دین اختیار کر لیا ہے۔ کیوں نہ پہلے تمہیں ہی اس کا مزہ چکھا دوں۔

حضرت نعیمؓ:۔۔۔ تم مجھ کو تو بعد میں مزہ چکھانا پہلے اپنے گھر والوں کی تو خبر لو۔

حضرت عمرؓ:۔۔۔ میرے کون سے گھر والے؟

حضرت نعیمؓ:۔۔۔ تمہاری بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعیدؓ بن زید جو دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، میری نسبت تم پر ان کا زیادہ حق ہے۔

حضرت عمرؓ یہ سن کر جوشِ غضب سے بیقرار ہو گئے، پلٹ کر حضرت فاطمہؓ کے گھر پہنچے۔ وہاں اس وقت سادس الاسلام حضرت خبابؓ بن الارت بھی موجود تھے۔ ان کے پاس ایک صحیفہ تھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ وہ دروازہ اندر سے بند کر کے حضرت فاطمہؓ اور ان کے شوہر حضرت سعیدؓ کو اس کی تعلیم دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کی آواز سن لی اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حضرت فاطمہؓ سمجھ گئیں کہ یہ عمرؓ ہیں۔ انہوں نے حضرت خبابؓ کو گھر کے پچھلے حصے میں دھکیل دیا اور قرآن پاک کے اجزاء کو جلدی سے کہیں چھپا کر دروازہ کھول دیا۔

(۳)

حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا: "یہ کیسی آواز تھی جو ابھی میں نے سنی ہے؟"

حضرت فاطمہؓ اور حضرت سعیدؓ نے کہا۔ "تم نے کچھ نہیں سنا۔"

حضرت عمرؓ سخت غضبناک ہو کر بولے:

"نہیں میں نے سنا ہے، خدا کی قسم میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین اختیار کر لیا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے بہنوئی (حضرت سعیدؓ بن زید) سے لپٹ گئے، ان کے لمبے بال پکڑ کر زمین پر دے مارا اور پھر بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ شوہر کو

بچانے کے لیے اٹھیں تو انہیں بھی مارا۔ پھر حضرت سعیدؓ پر ایک لکڑی سے وار کیا چاہتے تھے کہ حضرت فاطمہؓ آگے آگئیں، وار ان کے سر پر پڑا اور اس سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اسی حالت میں شوہر کے ساتھ ہم زبان ہو کر بولیں:

"ہاں ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں تم جو کر سکتے ہو کر لو، دینِ حق کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔"

ایک اور روایت میں حضرت فاطمہؓ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

"بھائی بہن کو بیوہ کیوں کرتے ہو۔ بیشک پہلے مجھے ہلاک کر ڈالو لیکن اب دینِ حق دل سے نہیں نکل سکتا، نہیں نکل سکتا، نہیں نکل سکتا، ہمارا خاتمہ دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ہوگا۔"

خون میں نہائی ہوئی بہن کے منہ سے یہ الفاظ سن کر حضرت عمرؓ مبہوت ہو گئے اور ان کا غصہ ندامت میں تبدیل ہو گیا۔ عرب کے اس نامور فرزند کو جسے آگے چل کر فاروقِ اعظم بننا تھا فاطمہؓ بنت خطاب نے اپنا خون بہا کر کسی اور ہی راستے پر ڈال دیا۔ تھوڑی دیر خاموشی سے بیٹھے رہے پھر بولے:

"اچھا تو جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔"

حضرت فاطمہؓ نے کہا۔ "ہمیں ڈر ہے کہ تم اس کو ضائع کر دو گے۔"

حضرت عمرؓ نے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ تم کوئی اندیشہ نہ کرو میں اسے پڑھ کر واپس کر دوں گا۔

حضرت فاطمہؓ کے دل میں اب خیال آیا کہ شاید بھائی کے دل پر کلامِ الٰہی کا اثر ہو جائے۔ انہوں نے کہا:

"ہم خدا کا کلام پڑھ رہے تھے، یہ صحیفہ جس میں کلامِ الٰہی درج ہے اس کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ جب تک تم غسل کر کے بدن پاک نہ کر لو اس صحیفے کو نہیں چھو سکتے۔"

حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور حضرت فاطمہؓ نے صحیفہ ان کے ہاتھ میں

دے دیا، انہوں نے سورۂ طٰہٰ کا ابتدائی حصّہ ہی پڑھا تھا کہ جسم پر لرزہ طاری ہوگیا، دل سے کفر و شرک کا زنگ دُور ہونے لگا۔ جوں جوں تلاوت کرتے جاتے تھے قرآنِ کریم کی شوکتِ الفاظ، ندرتِ بیان اور فصاحتِ زبان انہیں مسحور کرتی جاتی تھی۔ جب اس آیت پر پہنچے

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

یعنی اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے۔ اس کے لیے بڑے خوبصورت نام ہیں۔

تو ان پر رقت طاری ہوگئی اور بے اختیار پکار اٹھے "مَا اَحْسَنَ الْکَلَام" یہ کتنا پیارا کلام ہے ــــ جونہی حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے حضرت خبابؓ مکان کے پچھلے حصّے سے نکل کر باہر آگئے اور جوشِ مسرت میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوکر کہا: "اے عمر مبارک ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تیرے حق میں قبول ہوگئی۔ حضورؐ نے کل ہی دعا مانگی تھی کہ الٰہی عمرو بن ہشام اور عمرؓ بن خطاب میں سے جس کو تو چاہتا ہے اسلام میں داخل کر۔"

(۴)

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ کے زخمی ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی پڑھ کر سناؤ۔

حضرت فاطمہؓ نے اپنے جسم سے خون صاف کیا، وضو کرکے کلام اللہ کے اوراق نکالے اور پھر بڑے جوش سے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت شروع کردی۔

طٰہٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی ۙ اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۙ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۙ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی ۝

(طاہا۔ نہیں اتارا ہم نے آپ پر یہ قرآن کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ بلکہ یہ نصیحت ہے اس کے واسطے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ یہ اتارا گیا ہے اس

ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ بیحد مہربان (کائنات کی فرمانروائی کے) تخت پر متمکن ہوا۔)

جوں جوں پڑھتی جاتی تھیں حضرت عمرؓ کا دل پانی ہوتا جاتا تھا جب انہوں نے پڑھا:

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝

(اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے۔)

تو حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے اور بولے:

"اے فاطمہؓ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین کے نیچے ہے کیا وہ سب تمہارے خدا کا ہے؟"

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: "بے شک بھائی۔ ہمارا اللہ بڑی شان اور قدرت والا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے کہا: "ذرا یہ اوراق مجھے بھی دو۔"

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا: "بھائی ہمارے اللہ کا حکم ہے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ جب تک کوئی پاک وصاف نہ ہو کلام الٰہی کو ہاتھ نہ لگائے۔ آپ پہلے غسل کریں اس کے بعد شوق سے ان اوراق مقدس کو دیکھیں۔"

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اٹھ کر غسل کیا اور پھر نہایت ذوق وشوق سے کلام الٰہی کو دیکھنا شروع کیا، اس کی تاثیر نے انہیں مغلوب کر لیا لیکن جب اس آیت پر پہنچے،

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ

(یقیناً میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو میری ہی عبادت کیا کر اور میری ہی یاد کے لیے نماز پڑھا کر)

تو بے اختیار ہو گئے اور زار زار رونے لگے حتیٰ کہ ڈاڑھی کے سب بال تر ہو گئے پھر اپنے بہنوئی اور بہن سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"خدا کے لیے میری زیادتی معاف کر دو اور گواہ رہو کہ میں سچے دل سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہوں۔"

اس کے بعد انہوں نے حضرت خبابؓ سے درخواست کی کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو تاکہ میں ان کے ہاتھ پر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کروں۔

حضرت خبابؓ نے انہیں بتایا کہ حضورؐ اس وقت دارِ ارقم میں اپنے چند اصحاب کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے باندھے ہوئے دارِ ارقم کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر دروازے پر دستک دی تو صحابہ کرامؓ کو دروازہ کھولنے میں تامّل ہوا، اس موقع پر حضرت حمزہؓ کو جوش آگیا انہوں نے کڑک کر کہا، دروازہ کھول دو، اگر عمر نیک ارادے سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا۔

دروازہ کھلنے پر حضرت عمرؓ بے تابانہ اندر داخل ہوئے۔ حضورؐ نے ان کی چادر کو اپنی مٹھی میں دبا کر زور سے کھینچا اور فرمایا: "ابن خطاب کس نیت سے یہاں آئے ہو؟" حضرت عمرؓ کو جلالِ نبوت نے لرزا دیا۔ سر جھکا کر نہایت ادب سے عرض کی:

"یا رسول اللہ، میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔"

اس پر حضورؐ نے زور سے اللہ اکبر فرمایا، تمام صحابہؓ سمجھ گئے کہ عمرؓ مسلمان ہو گئے ہیں انہوں نے جوشِ مسرت میں اس زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

(۵)

حضرت عمرؓ بن الخطاب کا قبولِ اسلام تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ وہ اپنی جرأت، دلاوری، بے خوفی، غیرتِ دینی، فراست اور تدبر کی بدولت اسلام کا ایک عظیم ستون ثابت ہوئے۔ فاروقِ اعظم کو اسلام کا حلقہ بگوش کرنے میں حضرت فاطمہؓ بنتِ خطاب کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ ان کی استقامت اور اخلاص فی الدین ہی کا نتیجہ تھا کہ قریش کے مردِ آہن کا دل بھی پگھل گیا اور وہ آناً فاناً اعدائے حق کی صف سے نکل کر علمبردارانِ حق کی صف میں آگئے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے قبولِ اسلام کے بارے جو مشہور روایت ہم نے اوپر بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو پہلی مرتبہ حضرت نُعیمؓ کی زبانی حضرت

فاطمہؓ اور حضرت سعیدؓ بن زید کے مسلمان ہونے کا علم ہوا۔ لیکن صحیح بخاری کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ان کے اسلام سے پہلے ہی آگاہ تھے اور اسلام لانے کے جرم میں ان کو باندھ دیا کرتے تھے۔ کتاب المناقب (صحیح بخاری) میں ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ مظلومانہ شہید ہوئے تو حضرت سعیدؓ بن زید کو سخت صدمہ پہنچا، اس زمانے میں ان کا قیام کوفہ میں تھا۔ انہوں نے کوفہ کی مسجد میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"لوگو! خدا کی قسم میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا ہے کہ اسلام لانے کے جرم میں عمرؓ مجھے اور اپنی بہن کو باندھ دیا کرتے تھے جب کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے اور تم نے عثمانؓ کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور زیادتیاں کی ہیں اگر ان کی وجہ سے کوہِ اُحد پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بجا ہے۔"

اس روایت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے قبولِ اسلام سے پہلے بھی بہن اور بہنوئی پر اسلام لانے کے جرم میں کبھی کبھی سختی کیا کرتے تھے لیکن یہ سختی صرف ان کے باندھنے تک محدود تھی۔ جس دن انہوں نے اسلام قبول کیا یہ سختی حد سے تجاوز کر گئی اور بہن ان کے ہاتھ سے سخت زخمی ہو گئیں۔ شاید قضا و قدرت کو یہی منظور تھا کہ بہن کے سر سے خون بہتا دیکھ کر ان کا سخت دل نرم ہو جائے۔

۱۳ سنہ بعد بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت فاطمہؓ اور ان کے شوہر حضرت سعیدؓ بن زید بھی مہاجرینِ اولین کے ساتھ مدینے پہنچے اور حضرت ابولبابہ انصاریؓ کے گھر قیام کیا۔ دُرِ منثور کی ایک روایت کے مطابق حضرت فاطمہؓ نے حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی لیکن اہلِ سیر نے ان کے زمانۂ وفات سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ ابنِ اثیر کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنے پیچھے ایک لڑکا چھوڑا جس کا نام عبدالرحمٰن تھا لیکن حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ ان کے چار بیٹے تھے، عبداللہ، عبدالرحمٰن، زید اور اسود۔

بعض اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ بنتِ خطّاب علم و فضل کے لحاظ سے بڑے بلند مرتبہ پر فائز تھیں، وہ نہایت عقلمند تھیں، نیک کاموں میں پیش پیش رہتی تھیں، شر سے کراہت کرتی تھیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔

حضرت اُمِّ جمیل فاطمہؓ بنتِ خطّاب کے اس سے زیادہ حالات کتبِ سِیَر میں نہیں ملتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اسماءؓ بنتِ عُمیس خثعمیہؓ

(۱)

غزوۂ خیبر (محرّم ۷ھ) کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اپنی صاحبزادی اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ سے ملنے اُن کے گھر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اجنبی خاتون حضرت حفصہؓ سے مصروفِ گفتگو تھیں۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا: "یہ بی بی کون ہیں؟"

حضرت حفصہؓ نے جواب دیا: "یہ اسماء بنتِ عمیس زوجہ جعفرؓ بن ابی طالب ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "ہاں وہ حبش والی (حبشیہ) وہ سمندر والی (بحریہ)؟"

حضرت اسماءؓ نے کہا: "ہاں وہی۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے (شاید از راہِ خوش طبعی) فرمایا: "ہم نے تم سے پہلے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، اس لیے ہم تم سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مستحق ہیں۔"

یہ سن کر حضرت اسماءؓ کو غصہ آگیا، بولیں: "جی ہاں آپ نے بجا فرمایا لیکن حقیقتِ حال یہ ہے کہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، حضورؐ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور جاہلوں کو تعلیم دیتے تھے، لیکن ہمارا حال یہ تھا کہ ہم حبش کی دُور ترین، مبغوض ترین سرزمین میں غریب الوطنی کی خاک چھان رہے تھے، ہم کو ایذا دی جا رہی تھی۔ ہم خائف رہتے تھے اور یہ سب کچھ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی رضا جوئی کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم آپ نے جو کچھ کہا ہے، جب تک اس کا ذکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ کروں گی، نہ کھانا کھاؤں گی، نہ پانی پیوں گی ــــ خدا کی قسم کسی قسم کا جھوٹ نہ بولوں گی، کج روی نہ اختیار کروں گی اور اس واقعہ میں کوئی اضافہ نہ کروں گی۔"

یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم بھی تشریف لے آئے۔ حضرت اسماءؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان، عمرؓ یوں کہتے ہیں۔"

حضورؐ نے پوچھا: "تو تم نے انہیں کیا جواب دیا؟"

حضرت اسماءؓ بولیں: "یا رسول اللہ، میں نے انہیں یوں اور یوں کہا۔"

حضورؐ نے فرمایا: "وہ تم سے زیادہ میرے مستحق نہیں ہیں۔ عمرؓ اور ان کے ساتھیوں کی صرف ایک ہجرت ہے اور تم اہلِ کشتی کی دو ہجرتیں ہیں۔" (یعنی ایک مکّہ سے حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی جانب)

حضورؐ کے اس ارشادِ مبارک پر حضرت اسماءؓ کو اس قدر مسرت ہوئی کہ ان کی زبان پر بے اختیار تکبیر و تہلیل جاری ہو گئی۔ جب اس گفتگو کا چرچا پھیلا، تو مہاجرین حبشہ جوق در جوق حضرت اسماءؓ کے پاس آتے، ان سے اس واقعہ کی تفصیل سُنتے اور خوش ہوتے تھے۔ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں حبشہ کے مہاجروں کے لیے دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مُبارک سے بڑھ کر حوصلہ افزا اور مسرت انگیز کوئی شے نہ تھی۔

یہ اسماءؓ بنتِ عمیس جن کی فضیلت کی تصدیق ان کے ذوالہجرتین ہونے کی بنا پر خود سیّد الانام فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، قبیلہ خثعم کی چشم و چراغ تھیں اور ان جلیل القدر خواتین میں سے تھیں، جنھوں نے دعوتِ حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں سخت نامساعد حالات اور مہیب خطرات سے بے پروا ہو کر قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی تھی۔ حضرت اسماءؓ کے والد عمیس کے سلسلۂ نسب کے بارے میں مؤرخین میں سخت اختلاف ہے۔ کسی نے عمیس کے والد کا نام معبد بن تمیم لکھا ہے اور کسی نے معد بن حارث۔ والدہ کا نام بالاتفاق ہند (خولہ) بنتِ عوف تھا۔ اُمّ المؤمنین حضرت میمونہؓ بنتِ حارث بھی انہی کے بطن سے تھیں۔ اس نسبت سے حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس حضرت

میمونہؓ کی اخیافی بہن تھیں۔

علامہ ابن سعدؒ اور ابن ہشامؒ کا بیان ہے کہ جس زمانے میں حضرت اسماءؓ بنت عمیس سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں، اس وقت صرف تیس نفوس شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی دارِ ارقمؓ میں مقیم نہیں ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے حضرت اسماءؓ کو "السابقون الاوّلون" کی مقدس جماعت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ تاریخ اسلام میں ان کو اس بنا پر بھی بڑی شہرت حاصل ہوئی کہ ان کا نکاح یکے بعد دیگرے تین ایسی عظیم المرتبت ہستیوں سے ہوا جو قصرِ اسلام کے عظیم الشان ستون تھیں اور رہبرِ انسانیت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد محبوب تھیں۔ حضرت اسماءؓ کا پہلا نکاح حضورؐ کے ابن عم حضرت جعفر طیارؓ بن ابی طالب سے ہوا۔ ان کی شہادت کے بعد دوسرا نکاح حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا۔ ان کی وفات کے بعد تیسرا نکاح شیرِ خدا، فاتح خیبر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے ہوا۔ حضرت اسماءؓ اور ان کے پہلے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے قبولِ اسلام کا زمانہ ایک ہی ہے۔

(۲)

اوائل ۴ سنہ بعد بعثت میں جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ لوگوں کو حق کی طرف بلانا شروع کیا، تو مشرکینِ مکہ فرطِ غضب سے دیوانے ہو گئے اور انہوں نے دعوتِ حق قبول کرنے والوں پر بے پناہ مظالم ڈھانے شروع کر دیئے۔ جب یہ مظالم ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ گئے، تو ۵ سنہ بعد بعثت میں حضورؐ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ وہ حبش (ایتھوپیا) کو ہجرت کر جائیں جہاں کا بادشاہ ایک نیک دل اور انصاف پسند عیسائی تھا، چنانچہ پہلی بار ۱۱ مردوں اور چار عورتوں کا قافلہ بندرگاہ شعیبہ سے جہاز میں سوار ہو کر حبش روانہ ہو گیا۔ ۶ سنہ بعد بعثت کے آغاز میں ۸۰ سے زیادہ مردوں اور ۱۹ خواتین پر مشتمل ایک اور قافلہ مکہ سے نکلا اور حبش کا رُخ کیا۔ اس قافلہ میں حضرت اسماءؓ بنت عمیس اور ان کے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب بھی شامل تھے اور کچھ ایسے اصحاب بھی جو پہلی ہجرت کے بعد حبش سے مکہ آ گئے تھے، لیکن یہاں کی فضا کو بدستور ناساز گار پا کر دوبارہ ہجرت کرنے پر آمادہ ہو

گئے تھے۔

قریش مکہ نے ان اصحاب کا سمندر تک تعاقب کیا۔ لیکن وہ ان کے پہنچنے سے پہلے ہی کشتیوں پر بیٹھ کر روانہ ہو چکے تھے۔ حبش پہنچ کر یہ لوگ امن کی زندگی بسر کرنے لگے، لیکن غریب الوطنی آخر غریب الوطنی ہوتی ہے۔ مہاجرین کو طرح طرح کی مصیبتیں پیش آتی تھیں (بیماری، تنگدستی وغیرہ) لیکن وہ ان سب کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے تھے۔ قریش مکہ کو اتنی دور بیٹھے ہوئے بھی مسلمانوں کا یہ امن چین گوارا نہ تھا۔ انہوں نے نجاشی (شاہِ حبشہ) کے پاس ایک وفد تحفے تحائف دے کر اس مقصد کے لیے روانہ کیا کہ وہ بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکائیں۔ یہاں تک کہ وہ ان کو اپنے ملک سے نکال دے۔ اس وفد کی قیادت عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ کر رہے تھے جو بڑے زیرک اور منجھے ہوئے سیاست دان تھے۔ انہوں نے حبش پہنچ کر نجاشی کے درباریوں کو تحفے تحائف دے کر رام کر لیا اور انہوں نے وعدہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے وہ وفدِ قریش کی حمایت کریں گے۔ اس کے بعد وہ نجاشی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تحائف پیش کر کے عرض کیا کہ ہمارے چند سادہ لوح آدمیوں نے ایک نیا مذہب گھڑ لیا ہے جو ہمارے اور آپ کے دین کے خلاف ہے، اس لیے ہماری درخواست ہے کہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے جو ہمارے پاس سے بھاگ کر آئے ہیں اور اب آپ کے ملک میں گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ بطارقہ اور درباریوں نے وفدِ قریش کی پُرزور تائید کی لیکن نجاشی ایک انصاف پسند اور رحم دل بادشاہ تھا۔ اس نے کہا جب تک میں خود ان لوگوں کو بُلا کر تحقیقِ احوال نہ کر لوں، انہیں تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس نے تمام مہاجرین کو اپنے دربار میں بُلا بھیجا۔

دوسرے دن تمام مسلمان نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان سب نے حضرت اسماءؓ کے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو اپنا ترجمان بنایا۔ نجاشی نے ان سے پوچھا:

"اے لوگو، وہ کون سا مذہب ہے جس کے لیے تم نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے مسلمانوں کی طرف سے جواب دیا:

"اے بادشاہ، ہم لوگ سخت جہالت میں مبتلا تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے۔ اپنی لڑکیاں زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے، رشتہ داروں اور ہمسایوں کو ستاتے تھے، انسانیت سے عاری تھے، کوئی قاعدہ قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں اللہ نے خود ہم میں سے ایک صاحب کو اپنا رسول بنایا جس کے حسب نسب، سچائی، شرافت، دیانت داری اور پاکبازی سے ہم خوب واقف تھے۔ اُسؐ نے ہم کو توحید کی دعوت دی۔ سچ بولنے، وعدہ پورا کرنے، امانت میں خیانت نہ کرنے، بُت پرستی ترک کرنے، بدکاری اور فریب سے بچنے، ہمسایوں سے نیک سلوک کرنے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی تعلیم دی۔ ہم اُسؐ کی تعلیم پر چلے، ایک خدا کی پرستش کی، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھا، اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ بیٹھی۔ ہم کو طرح طرح کی اذیتیں دے کر پھر بُت پرستی اور بدکاریوں میں مبتلا کرنا چاہا۔ ہم ان کے ظلم و ستم سے تنگ آکر آپ کی حکومت میں چلے آئے۔"

نجاشی یہ تقریر سن کر بہت متاثر ہوا۔ اس نے حضرت جعفرؓ سے کہا: "تمہارے نبی پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کا کوئی حصہ مجھے سناؤ۔"

حضرت جعفرؓ بڑے نکتہ رس تھے، انہیں معلوم تھا کہ نجاشی اہل کتاب ہے اور دینِ عیسوی کا پیرو ہے۔ انہوں نے سورۂ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سُنایا جو حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ اس کو سن کر نجاشی پر رقت طاری ہو گئی اور وہ اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی۔ پھر وہ بے ساختہ پکار اٹھا:

"خدا کی قسم تمہارے نبی کی کتاب اور انجیلِ مقدس ایک ہی نور کی کرنیں ہیں۔ میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے ہرگز نہ کروں گا۔"

اس کے بعد اُس نے قریش کے وفد سے مخاطب ہو کر کہا:

"واللہ میں ان لوگوں کو کبھی اپنے ملک سے نہ نکالوں گا اور نہ تمہارے سپرد کروں گا۔"

قریش کے وفد نے ایک دفعہ پھر کوشش کی کہ بادشاہ کا دل مسلمانوں سے پھیر دیں۔ چنانچہ دوسرے دن وہ پھر دربار میں گیا اور بادشاہ سے کہا:

"اے بادشاہ یہ آپ کے نبی عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے متعلق بہت برا عقیدہ رکھتے ہیں، کیا آپ اس عقیدہ کے لوگوں کو پناہ دیں گے؟"

نجاشی نے مسلمانوں کو دوبارہ دربار میں طلب کیا اور پوچھا: "تمہارا عیسیٰ ابن مریمؑ کی نسبت کیا عقیدہ ہے؟"

حضرت جعفرؓ نے جواب دیا: "اے بادشاہ ہم عیسیٰؑ ابن مریمؑ کو خدا کا نبی اور روح اللہ مانتے ہیں۔" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا:

"واللہ جو کچھ تم نے عیسیٰؑ ابن مریمؑ کے متعلق کہا، وہ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔"

غرض قریش کی سفارت بے نیل مرام واپس گئی۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے روایت ہے کہ جس مجلس میں ہم نے نجاشی کے سامنے حضرت عیسیٰؑ علیہ السلام کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کیا، اسی میں نجاشی نے سوال و جواب کے بعد ہم سے پوچھا: "کیا میرے ملک میں کوئی تمہیں تکلیف تو نہیں دیتا؟"

ہم نے کہا: "ہاں یہاں کے لوگ ہمیں ستاتے ہیں۔"

اس پر بادشاہ نے منادی کرادی کہ "جو شخص ان لوگوں میں سے کسی کو ستائے گا اس پر چار درہم جرمانہ کیا جائے گا۔"

پھر نجاشی نے ہم سے دریافت کیا: "کیا یہ جرمانہ کافی ہے؟"

ہم نے کہا، نہیں۔ اس پر اس نے جرمانہ دوگنا کر دیا۔ (ابن عساکرؒ و طبرانیؒ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سفارت کے آنے سے پہلے مہاجرین حبشہ بالکل مامون و محفوظ نہیں تھے اور حبش کے لوگ ان کو ستاتے رہتے تھے۔

(۳)

حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس، ان کے شوہر جعفرؓ بن ابی طالب اور بہت سے دوسرے مہاجرین حبش میں چودہ برس تک غریب الوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔ اس دوران میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے اور بدر، اُحد، خندق اور خیبر کے معرکے گزر چکے۔ محرم ۷ھ میں خیبر فتح ہوا، تو سارے مسلمان حبش سے مدینہ منورہ آ گئے۔ ان میں حضرت اسماءؓ اور حضرت جعفرؓ بھی تھے۔ خیبر کی فتح سے مسلمان پہلے ہی خوش تھے، اپنے ان بھائیوں کے آنے سے انہیں دُہری خوشی ہوئی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کو گلے سے لگایا، ان کی پیشانی چومی اور فرمایا:

"میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے۔"

اسی زمانے میں ایک دن حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ سے ملنے ان کے گھر گئیں اور وہاں وہ واقعہ پیش آیا جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے۔ اس وقت بعض صحابہؓ کا یہ خیال تھا کہ حقیقی مہاجرینِ اوّلین وہی ہیں جنہوں نے مکّہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی کہ جن اصحاب نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، ان کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا اور اس اعتبار سے مہاجرینِ مدینہ کو مہاجرینِ حبشہ پر فضیلت نہیں دی سکتی۔ چونکہ یہ وضاحت حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کے استفسار پر فرمائی تھی، اس لیے مہاجرینِ حبشہ بار بار ان کے پاس آتے تھے اور یہ حدیث سن کر مسرور ہوتے تھے۔

حضرت اسماءؓ اور ان کے شوہرِ نامدار کو مدینہ آئے ہوئے ایک ہی سال گزرا تھا کہ ایک بار پھر ان کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ ۸ھ میں شام کے ایک قصبہ موتہ کے رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کو شہید کر دیا جو حضورؐ کا نامۂ مبارک حاکمِ بصریٰ حارث بن شمر غسانی کو پہنچانے جا رہے تھے۔ شرحبیل کی یہ حرکت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزری اور آپؐ نے

حارث رضؓ بن عمیر کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر موتہ کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت حِبُّ النبی حضرت زید رضؓ بن حارثہ کر رہے تھے اور اس میں حضرت جعفر رضؓ بھی شامل تھے۔ حضورؐ نے حضرت زید رضؓ کو رخصت کرتے وقت فرمایا:

"اگر اس لڑائی میں زیدؓ شہید ہو جائیں، تو جعفرؓ امیر ہوں گے۔ اگر جعفرؓ بھی شہادت پا جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ ان کی جگہ لیں۔"

موتہ کے علاقے میں اتفاق سے ان دنوں ہرقل شاہِ روم بھی آیا ہوا تھا اور بلقا میں مقیم تھا۔ شرجبیل نے اس سے مدد مانگ بھیجی۔ ہرقل نے ایک بھاری لشکر اس کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ قیس، جذام، لخم وغیرہ کے جنگجو عیسائی قبائل بھی شرجبیل کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اس طرح تین ہزار مسلمانوں کے مقابلے میں دشمن کی تعداد ایک لاکھ سے بھی اوپر تھی۔ موتہ مدینہ منورہ سے بہت دُور تھا، اس لیے مزید کمک طلب کرنا ممکن نہ تھا اور پیچھے ہٹنا باعثِ ننگ۔ مسلمان اللہ کے بھروسے پر غنیم کے ٹڈی دل سے نبرد آزما ہوئے۔ موتہ کے میدان میں نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ امیرِ لشکر حضرت زیدؓ بن حارثہ مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، تو حضرت جعفر رضؓ نے عَلَم سنبھالا اور اس جرأت اور پامردی سے لڑے کہ شجاعت بھی آفریں پکار اٹھی۔ تقریباً نوّے زخم اس مردِ حق نے اپنے بدن پر کھائے جن میں کوئی بھی پشت پر نہ تھا۔ ایک ہاتھ قلم ہو گیا تو دوسرے ہاتھ سے عَلَم سنبھالا، دوسرا ہاتھ شہید ہوا تو دانتوں میں عَلَم پکڑ لیا۔ دشمنوں کا ہر طرف سے نرغہ تھا۔ تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آخر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قوی بازو اور دینِ حق کا یہ سچا علمبردار شہید ہو گیا۔ اب عَلَم حضرت عبداللہؓ بن رواحہ انصاری نے سنبھالا۔ وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے تو حضرت خالدؓ بن ولید نے عَلَم سنبھالا اور مسلمانوں کو للکار کر کہا:

"اے غازیانِ دین! جنت الفردوس تمہارا انتظار کر رہی ہے اور پیچھے ہٹنے والوں کے لیے جہنم کے شعلے دہک رہے ہیں۔ آگے بڑھو اور رضائے الٰہی کو پالو۔"

مسلمانوں نے اب کمر سے کمر جوڑ لی اور ایک نئے عزم اور ولولہ کے ساتھ حملہ شروع

کیا۔ لڑتے لڑتے حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور بالآخر غازیانِ دین کی بے پناہ شجاعت نے اپنے سے چالیس گنا جمعیت کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ غنیم کے پسپا ہو جانے کے بعد حضرت خالدؓ لشکرِ اسلام کو نہایت وقار کے ساتھ بچا کر واپس لے آئے۔

جس وقت لڑائی کی آگ زور سے بھڑک رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ کا نقشہ حضورؐ کے سامنے کر دیا۔ حضورؐ مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کرامؓ کو لڑائی کے حالات اس طرح بتا رہے تھے گویا وہ بالکل آپؐ کے سامنے ہو رہی ہے۔ جب حضرت جعفرؓ کے دونوں بازو شہید ہو گئے اور انہوں نے جامِ شہادت پیا تو حضورؐ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور آپ نے فرمایا: "میں جنت میں جعفرؓ کو دو نئے بازوؤں کے ساتھ پرواز کرتے دیکھ رہا ہوں۔" حضورؐ کے اس ارشاد کے مطابق حضرت جعفرؓ "طیّار" اور "ذوالجناحین" کے القاب سے مشہور ہوئے۔ اس کے بعد جب حضرت خالدؓ نے علَم سنبھالا، تو حضورؐ نے فرمایا: "اب اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے علَم سنبھالا ہے۔" چنانچہ اس دن سے حضرت خالدؓ سیف اللہ کے خطاب سے پکارے گئے۔

اس واقعہ کے بعد حضورؐ حضرت اسماءؓ کے گھر تشریف لے گئے، وہ اس وقت آٹا گوندھ چکی تھیں اور بچوں کو نہلا دھلا کر کپڑے پہنا رہی تھیں۔ آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا، جعفر کے بچوں کو میرے پاس لاؤ۔ حضرت اسماءؓ نے بچوں کو خدمتِ اقدس میں پیش کیا۔ حضورؐ نے نہایت غم و اندوہ کی حالت میں بچوں کو گلے سے لگایا اور ان کی پیشانیاں چومیں۔ حضرت اسماءؓ حضورؐ کے آبدیدہ ہونے سے پریشان ہو گئیں اور دریافت کیا:

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ غمگین کیوں ہیں، کیا جعفر کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔"

اس سانحۂ جانگداز کی خبر سنتے ہی حضرت اسماءؓ کی چیخ نکل گئی، ان کی گریہ و زاری سن کر پاس پڑوس کی خواتین جمع ہو گئیں۔ رحمتِ دو عالمؐ واپس تشریف لے گئے اور

ازواجِ مطہراتؓ کو ہدایت فرمائی کہ آلِ جعفر کا خیال رکھنا وہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں، انہیں سینہ کوبی اور بین سے منع کرنا۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو بھی اپنے شجاع چچا کی مفارقت کا شدید صدمہ ہوا اور وہ "واعماہ واعماہ" کہہ کر روتی ہوئی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں۔ حضورؐ نے باچشمِ پُرنم فرمایا: "بے شک جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا چاہیئے۔"

اس کے بعد حضورؐ نے اپنی لختِ جگر سے فرمایا: "فاطمہ جعفر کے بچوں کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ اسمائؓ آج سخت غمزدہ ہے۔"

تیسرے دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت اسمائؓ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کو صبر کی تلقین فرمائی۔

(۴)

حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کے چھ ماہ بعد ۸ھ ہجری (غزوۂ حنین کے زمانے) میں حضورؐ نے حضرت اسمائؓ بنتِ عُمیس کا نکاح اپنے محبوب رفیق حضرت ابوبکر صدیقؓ سے پڑھا دیا۔ دو برس بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صلب سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔ حضرت اسمائؓ حج کے لیے مکہ آئی ہوئی تھیں کہ ذوالحلیفہ میں محمد بن ابی بکرؓ کی ولادت ہوئی۔ حضرت اسمائؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا: "یا رسول اللہ، اب میں کیا کروں۔" آپؐ نے فرمایا: "غسل کر کے احرام باندھ لو۔"

۱۱ھ ہجری میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا، تو حضرت اسمائؓ پر رنج و غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، ان سے بھی بڑھ کر صدمہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کو ہوا۔ حضرت اسمائؓ نے بڑے ضبط سے کام لیا اور اپنے وقت کا بیشتر حصہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی دلجوئی میں صرف کرنے لگیں۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد سیدۃ النساءؓ کا وقتِ آخر بھی آ پہنچا۔ علامہ ابن اثیر نے "اُسدُ الغابہ" میں لکھا ہے کہ اپنی وفات سے پہلے سیدہ فاطمہؓ نے حضرت اسمائؓ بنتِ عمیس کو بُلا بھیجا اور ان سے فرمایا: "میرا جنازہ لے جاتے وقت اور تدفین کے وقت پردہ کا پورا لحاظ رکھنا اور سوائے اپنے اور میرے شوہر (حضرت علیؓ)

کے اور کسی سے میرے غسل میں مدد نہ لینا۔"

حضرت اسماءؓ نے کہا: "یا بنتِ رسول اللہ، میں نے حبش میں دیکھا ہے کہ جنازے پر درخت کی شاخیں باندھ کر ایک ڈولے کی صورت بنا لیتے ہیں اور اس پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔" پھر انہوں نے کھجور کی چند شاخیں منگوائیں، انھیں جوڑا اور ان پر کپڑا تان کر سیّدہ بتولؓ کو دکھایا۔ انھوں نے اسے پسند کیا اور بعدِ وفات ان کا جنازہ اسی طریقے سے اٹھا۔

محدث ابن جوزی اور بعض دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کی میت کو حضرت علیؓ حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس اور حضرت سلمیٰ اُمّ رافعؓ نے غسل دیا۔

سنہ ۱۳ھ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے، تو وفات سے پہلے وصیت کی کہ ان کی میت کو اسماءؓ غسل دیں، چنانچہ حضرت اسماءؓ نے اسی کے مطابق عمل کیا۔

صدّیق اکبرؓ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے نکاح میں آئیں۔ محمد بن ابی بکرؓ کی عمر اس وقت تقریباً تین برس کی تھی۔ وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ آئے اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ کے زیر سایہ ہی پرورش پائی۔

ایک دن عجیب لطیفہ ہوا، محمد بن جعفرؓ اور محمد بن ابی بکرؓ اس بات پر جھگڑ پڑے کہ دونوں میں سے کس کا باپ افضل تھا اور کون زیادہ معزز ہے۔ حضرت علیؓ نے دونوں بچوں کی دلچسپ بحث سُنی، تو حضرت اسماءؓ سے فرمایا: "تم اس جھگڑے کا فیصلہ کر دو۔"

حضرت اسماءؓ نے کہا:

"میں نے نوجوانانِ عرب میں جعفرؓ سے بڑھ کر اعلیٰ اخلاق کا حامل کسی کو نہیں پایا اور بوڑھوں میں ابوبکرؓ سے اچھا کسی کو نہیں دیکھا۔"

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے مسکرا کر فرمایا: "تم نے ہمارے لیے تو کچھ بھی نہ چھوڑا۔"

حضرت اسماءؓ کے ہاں حضرت علی مرتضیٰؓ کے صلب سے ایک فرزند یحییٰ پیدا ہوئے۔

سنہ ۳۸ھ میں حضرت اسماءؓ کے جوان فرزند محمد بن ابی بکرؓ مصر میں قتل ہوئے اور

ان کے مخالفین نے ان کی نعش گدھے کی کھال میں جلائی۔ حضرت اسماءؓ نے یہ روح فرسا خبر سنی، تو سکتے میں آگئیں، لیکن نہایت صبر و شکر سے کام لیا اور مصلّے بچھا کر عبادت میں مصروف ہوگئیں۔

سنہ ۴۰ ہجری میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ نے شہادت پائی اور ان کے جلد ہی بعد حضرت اسماءؓ نے بھی پیکِ اجل کو لبیک کہا۔ انہوں نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے، عبداللہ، محمد، اور عون حضرت جعفرؓ کے صلب سے اور یحییٰ حضرت علی مرتضیٰ کے صلب سے۔ بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت جعفرؓ کے صلب سے ان کے دو لڑکیاں بھی ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنی فیاضی اور سخاوت کی بدولت تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا: ”الٰہی عبداللہ کو جعفر کے گھر کا صحیح جانشین بنا، ان کی سعیت میں برکت عطا فرما اور میں دنیا اور آخرت دونوں میں آلِ جعفر کا والی ہوں۔“ پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: عبداللہ صورۃً اور سیرۃً میرے مشابہ ہیں۔“

(۵)

حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ نہایت سلیم الفطرت اور زیرک تھیں۔ دعوتِ حق کی ابتدا میں جب کفارِ مکہ کے قہر و غضب کی بجلیاں تڑپ تڑپ کر مسلمانوں کے خرمنِ عافیت پر گر رہی تھیں، انہوں نے لوائے حق کے تھامنے میں مطلق تامل نہ کیا اور بلاکشانِ اسلام کی اس مقدس صف میں شامل ہوگئیں جس کو ربِّ ذوالجلال والاکرام نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی ہے۔ یہ ان کے اوصاف و محاسن ہی تھے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق اور مربّی چچا رئیسِ بنو ہاشم جناب ابی طالب نے انہیں اپنی بہو بنایا۔ وہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی اہلیہ ہونے کی حیثیت سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھاوج ہوتی تھیں اور امّ المومنین حضرت میمونہؓ کی اخیافی بہن ہونے کی نسبت سے آپؐ کی سالی بھی ہوتی تھیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور ان کو بھی حضورؐ سے بے پناہ محبت

اور عقیدت تھی۔ انہوں نے محض اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر چودہ برس تک حبش میں غریب الوطنی کی زندگی گزاری۔

مسند احمدؒ بن حنبل میں روایت ہے کہ حضرت اسماءؓ نے حضورؐ سے براہ راست فیض حاصل کیا۔ ایک دفعہ حضورؐ نے انہیں ایک دعا بتائی اور فرمایا کہ مصیبت اور تکلیف کے وقت اس کو پڑھا کرو۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماءؓ کے بچوں سے بڑی محبت کرتے تھے۔ امام حاکمؒ نے مستدرک میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے کمسن فرزند حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضورؐ ادھر سے گزرے، تو ان کو اٹھا کر اپنے ساتھ سواری پر بٹھا لیا۔

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت اسماءؓ کے بچوں (حضرت جعفرؓ کی اولاد) کو دبلا پایا تو حضرت اسماءؓ سے پوچھا یہ اس قدر کمزور کیوں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ ان کو نظر بہت لگتی ہے۔" حضورؐ نے فرمایا: "تو ان پر دم کیا کرو۔" حضرت اسماءؓ نے ایک خاص کلام پڑھ کر حضورؐ کو سنایا اور پوچھا: "یا رسول اللہ یہ نظر لگنے کے لیے مفید بتایا جاتا ہے کیا یہ پڑھ لیا کروں؟" چونکہ اس کلام میں شرک کی آمیزش نہیں تھی، اس لیے حضورؐ نے فرمایا: "اچھا یہی سہی۔" امام بخاریؒ اور علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ کی وفات سے ایک دن پہلے حضرت امّ سلمہؓ اور حضرت اسماءؓ نے آپؐ کا مرض ذات الجنب تشخیص کیا اور آپؐ کو دوا پلانا چاہی۔ حضورؐ دوا پینے کے عادی نہیں تھے، انکار فرما دیا۔ اسی اثناء میں آپؐ پر غشی طاری ہوگئی۔ ان دونوں نے دہانِ مبارک کھول کر دوا پلا دی۔ تھوڑی دیر بعد حضورؐ کی غشی دور ہوئی، تو فرمایا: "یہ تدبیر اسماءؓ نے بتائی ہوگی۔ وہ حبشہ سے اپنے ساتھ یہی حکمت لائی ہیں۔ عباسؓ کے سوا سب کو یہ دوا پلائی جائے۔" چنانچہ تمام ازواج مطہرات اور حضرت اسماءؓ کو یہ دوا پلائی گئی۔

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت اسماءؓ تعبیرِ رویاء میں بھی درک رکھتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ ان سے اکثر خوابوں کی تعبیر پوچھا کرتے تھے۔

حضرت اسماؓ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے جلیل القدر صحابہ اور کئی بلند مرتبہ تابعین شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت شفاءؓ بنتِ عبداللہ

(۱)

غزوۂ خیبر کے کچھ عرصہ بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک باوقار خاتون بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں اور اپنی کچھ ضروریات بیان کر کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ نقدی یا جنس وغیرہ کی صورت میں انہیں کچھ عطا فرمایا جائے۔ اتفاق سے اس وقت حضور پُرنورؐ کے پاس کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ اس لیے آپؐ نے معذرت فرمائی لیکن وہ خاتون اصرار کرتی رہیں کہ ان کی درخواست کو شرفِ پذیرائی بخشا جائے۔ اتنے میں اذان کی آواز آئی اور حضورؐ نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے وہ خاتون بھی اٹھ کر قریب ہی اپنی بیٹی کے گھر چلی گئیں جو جلیل القدر صحابی حضرت شرحبیلؓ بن حسنہؓ کی اہلیہ تھیں۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ اُن کے داماد حضرت شرحبیلؓ تہبند باندھے گھر میں ہی بیٹھے ہیں اور نماز کے لیے مسجد نہیں گئے۔ یہ خاتون داماد کو گھر میں بیٹھا دیکھ کر سخت آزردہ خاطر ہوئیں اور غضب آلود لہجے میں انہیں ملامت کرنا شروع کر دی کہ نماز کا وقت ہو گیا اور تو گھر ہی میں ہے۔ حضرت شرحبیلؓ نے کہا۔ خالہ جان مجھے ملامت نہ کیجیے۔ بات یہ ہے کہ میرے پاس ایک ہی قمیص تھی جس پر میں نے پیوند لگا رکھا تھا۔ حضورؐ نے اسے مجھ سے عاریتاً مانگ لیا ہے، میں نہیں چاہتا کہ ننگے بدن مسجد جاؤں اور جب لوگ مجھ سے اس کا سبب پوچھیں تو میں ان کو بتاؤں کہ میری قمیص حضورؐ نے عاریتاً لے لی ہے۔

وہ خاتون داماد کی بات سن کر سکتے میں آگئیں اور کہنے لگیں، میرے ماں باپ رسول اللہؐ پر قربان مجھے کیا معلوم تھا کہ حضورؐ کا آج کل یہ حال ہے۔ میں نے اپنی

درخواست پر اصرار کر کے خواہ مخواہ آپؐ کو اذیت دی۔

یہ خاتون جن کو شریعت کا اس قدر پاس تھا کہ نماز کے وقت اپنے داماد کو گھر میں بیٹھے دیکھ غضبناک ہو گئیں اور پھر بےخبری کے عالم میں بارگاہِ رسالت میں اپنی بات پر بےجا اصرار نے جنہیں سخت پشیمان کیا، حضرت شفاءؓ بنتِ عبداللہ تھیں۔

(۲)

حضرت شفاءؓ بنتِ عبداللہ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے ان کا تعلق قریش کے خاندان عدی سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

شفاء بنت عبداللہ بن عبد شمس بن خلف بن سداد بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئیؒ۔

عدی کے دوسرے بھائی مُرّہ تھے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں اس لحاظ سے حضرت شفاءؓ کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے۔ اسی طرح پانچویں پشت میں (عبداللہ بن قرط پر) حضرت شفاءؓ کا سلسلۂ نسب سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے نسب نامہ سے جا کر مل جاتا ہے۔

والدہ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ ان کا نام فاطمہ بنتِ وہب (بن عمرو بن عائذ بن عمر بن مخزوم) تھا۔

حضرت شفاء کی شادی ابو حثمہ بن حذیفہ عدوی سے ہوئی۔ ابو حثمہ کے حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ کتب سِیَر میں حضرت شفاءؓ کے قبولِ اسلام کے زمانہ (سال) کی تخصیص نہیں کی گئی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ ہجرت سے قبل کسی وقت بڑے ناسازگار حالات میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں اور پھر جب بارگاہِ رسالت سے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ وہ ان چند خواتین میں سے تھیں جنہوں نے سب سے پہلے ارشادِ نبوی پر لبّیک کہا اور ارضِ مکہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کر لی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو کچھ عرصہ بعد آپ نے حضرت شفاءؓ کو ایک مکان عنایت فرمایا جس میں وہ اپنے فرزند سلیمانؓ کے ساتھ مدت العمر قیام پذیر رہیں۔

(۳)

حضرت شفاءؓ قریش کی ان معدودے چند خواتین میں سے تھیں جو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ کئی امراض کے مریض ان کے پاس آتے تھے اور وہ جھاڑ پھونک یعنی منتر ٹوٹکے سے ان کا علاج کرتی تھیں۔ اہلِ سیر نے ان کے چیونٹی کاٹنے کے منتر کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابنِ اثیر صاحب اُسُد الغابہ لکھتے ہیں کہ جب کسی کو چیونٹی (زہریلی یا سخت قسم کی) کاٹتی تو وہ یہ منتر پڑھ کر کاٹے کی جگہ پر پھونکتیں۔

بسم اللہ صلو صلب جبر تعوذا من افواھھا فلا تضر احدا اللھم اکشف الباس رب الناس۔

۳ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ بنتِ حضرت عمر فاروقؓ سے نکاح کیا تو ایک مرتبہ حضرت شفاءؓ سے فرمایا کہ حفصہ کو بھی لکھنا سکھا دو، انہوں نے ارشادِ نبویؐ کی تعمیل کی اور حضرت حفصہؓ کو لکھنا سکھا دیا۔

ایک دفعہ حضرت شفاءؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی، یا رسول اللہ میں جاہلیت میں جھاڑ پھونک کیا کرتی تھی اور چیونٹی کاٹنے پر یہ منتر پڑھا کرتی تھی۔ کیا مجھے اب بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے چونکہ اس منتر میں شرک کی آمیزش نہیں تھی۔ اس لیے حضورؐ نے انہیں اجازت دے دی بلکہ یہ فرمائش بھی کی کہ یہ منتر حفصہؓ کو بھی سکھا دو۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ علمی حفصہ رقیۃ النملۃ کما علمتھا الکتابۃ (حفصہ کو بھی چیونٹی کا منتر سکھا دو جیسا کہ تم نے اسے لکھنا سکھایا) چنانچہ انہوں نے حضرت حفصہؓ کو لکھنے کے علاوہ چیونٹی کاٹے کا منتر بھی سکھا دیا۔ اس لحاظ سے وہ اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کی استاد ہیں۔ اربابِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت شفاءؓ نہایت عاقلہ اور فاضلہ تھیں اور ان کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ

محبت اور عقیدت تھی۔ حضورؐ بھی ان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور گاہے گاہے ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضورؐ کبھی کبھار حضرت شفاءؓ کے گھر آرام فرماتے تھے۔ انہوں نے ایک تہمد اور بستر حضورؐ کے استعمال کے لیے علیحدہ رکھ چھوڑا تھا، چونکہ ان چیزوں سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس مس ہوا تھا اس لیے حضرت شفاءؓ کے نزدیک یہ بڑے تقدس کی حامل تھیں۔ چنانچہ انہوں نے ان دونوں مقدس چیزوں کو زندگی بھر اپنی جان کے ساتھ رکھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد نے بھی ان تبرکات کو بڑی احتیاط سے محفوظ رکھا لیکن اموی حکمران مروان بن الحکم نے یہ دونوں چیزیں ان سے لے لیں۔ اس طرح حضرت شفاءؓ کا خاندان اس برکت سے محروم ہو گیا۔

(۴)

حضرت شفاءؓ کو بارگاہِ نبوی میں جو تقرب حاصل تھا اس کی بناء پر تمام صحابہ کرامؓ ان کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے نزدیک ان کی قدر و منزلت کی یہ کیفیت تھی کہ جب وہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو کبھی کبھی بعض اہم مسائل میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے اور ان کی رائے کی بہت تعریف کرتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن سعد کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرت شفاءؓ کی فضیلت اور رائے کا بڑا پاس تھا اور وہ ان کو بازار کا اہتمام سپرد کرتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شفاءؓ صائب الرائے ہونے کے ساتھ انتظامی صلاحیتوں کی مالک بھی تھیں۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت شفاءؓ کو بلا بھیجا۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچیں تو اتفاق سے عاتکہؓ بنت اسید بھی وہاں آگئیں۔ حضرت عمرؓ نے دونوں کو ایک ایک چادر عنایت فرمائی۔ جو چادر حضرت عاتکہؓ کو عطا ہوئی وہ حضرت شفاءؓ کی چادر سے بہتر تھی۔ حضرت شفاءؓ کو یہ بات ناگوار گزری۔ انہوں نے ناراضی کے لہجے میں حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"تمہارے ہاتھوں پر مٹی پڑے۔ میں عاتکہؓ سے زیادہ قدیم الاسلام ہوں،

تمہاری بنتِ عم بھی ہوں اور پھر تم نے مجھے خود بلا بھیجا تھا لیکن ان ساری باتوں کے باوجود تم نے عاتکہ کو مجھ سے بہتر چادر دی حالانکہ وہ بِن بلائے محض اتفاق سے یہاں آگئی تھیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"واللہ یہ چادر تمہارے ہی لیے تھی لیکن جب عاتکہ آگئیں تو مجھے ان کی رعایت کرنی پڑی کیونکہ یہ نسب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قریب ہیں۔" [1]

حضرت شفاءؓ نے کب وفات پائی؟ اس کے بارے میں تمام کتب سیر خاموش ہیں۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری دور یا حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں کسی وقت داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضرت شفاءؓ کی اولاد میں صرف ایک لڑکے سلیمانؓ اور ایک لڑکی کا پتہ چلتا ہے۔ دونوں شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ لڑکی مشہور صحابی حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کے نکاح میں تھیں۔

حضرت شفاءؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروقؓ سے چند (بقول بعض بارہ) حدیثیں روایت کی ہیں۔ راویوں میں ان کے بیٹے سلیمانؓ اور پوتے ابوبکرؒ اور عثمانؒ، اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ، ابوسلمہؒ اور ابو اسحاقؒ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

---

[1] اس روایت سے جہاں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابتداروں کو اپنے خاندان "بنو عدی" کے لوگوں پر ترجیح دیتے تھے وہاں ان کے تحمل اور بردباری کا اعتراف بھی کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے وقت کے سب سے بڑے فرمانروا تھے لیکن اپنے خاندان کی ایک بوڑھی خاتون کی ڈانٹ پر ذرا بھی برا نہ مانا۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت شفاءؓ نہایت جری اور بیباک تھیں اور دل کی بات خواہ وہ کتنی ہی سخت ہو برملا کہنے میں کسی کی رو رعایت نہ کرتی تھیں اگرچہ ان کا مخاطب خلیفۂ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وہ مساوات اور سادہ طرزِ معاشرت تھی جس نے چند سال کے اندر اندر مسلمانوں کو اقبال و فتح مندی کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا۔

حضرت اُمُّ الفضل لبابۃُ الکبریٰ رضؓ

(۱)

غزوۂ بدر (رمضان المبارک ۲ھ ہجری) میں قریش کی ذلت آمیز ہزیمت کی خبر مکہ معظمہ پہنچی تو وہاں گھر گھر صف ماتم بچھ گئی۔ بدبخت ابولہب کی حالت تو دیکھی نہ جاتی تھی۔ فرطِ الم نے اس کو اتنا نڈھال کر دیا کہ چلتے ہوئے قدم لڑکھڑاتے تھے۔ اسی حالت میں وہ لڑائی کے حالات دریافت کرنے کے لیے گھسٹتا گھسٹتا اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کے گھر پہنچا جو مشرکین کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے گئے تھے اور لڑائی میں شکست کھانے کے بعد مسلمانوں کے قیدی بن چکے تھے۔ وہ حضرت عباسؓ کے گھر جا کر ان کے غلام ابورافعؓ کے قریب بیٹھ گیا جو تیر سازی میں مصروف تھے۔ اتنے میں کسی نے کہا، "وہ ابوسفیان بن حارث (حضورؐ کے عم زاد بھائی اور ابولہب کے بھتیجے جو ابھی مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے) بدر سے ابھی ابھی واپس آئے ہیں ان سے لڑائی کے حالات معلوم کرنے چاہئیں۔" ابولہب نے انہیں آواز دی۔ "بھتیجے ذرا یہاں میرے پاس تو آؤ۔" وہ آئے تو ابولہب نے پوچھا "برادر زادے! کہو وہاں کیا گزری؟" ابوسفیان کہنے لگے:

"واللہ مسلمانوں کے سامنے ہماری بے بسی کا یہ عالم تھا جیسے مردہ غسّال کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ انہوں نے جس کو چاہا تہ تیغ کر دیا اور جس کو چاہا اسیر بنا لیا۔ ایک عجیب نظارہ ہم نے یہ دیکھا کہ ابلق گھوڑوں پر سوار سفید پوش آدمیوں نے مار مار کر ہمارا بھرتا بنا دیا۔ معلوم نہیں یہ کون تھے۔"

ابورافعؓ نے فوراً کہا، "وہ فرشتے تھے۔"

یہ سن کر ابولہب بھڑک اٹھا اور ابورافعؓ کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔

ابو رافعؓ بھی سنبھل کر اس سے گتھم گتھا ہو گئے لیکن کمزور تھے، ابولہب نے انہیں زمین پر دے مارا اور بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ قریب ہی ایک خاتون بیٹھی تھیں وہ اس منظر کی تاب نہ لاسکیں فوراً اٹھیں اور ایک موٹا سا لٹھ لے کر اس زور سے ابولہب کو مارا کہ اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ پھر کڑک کر بولیں:

"بے حیا اس کا آقا یہاں موجود نہیں ہے اور تو اس کو کمزور سمجھ کر مار رہا ہے۔"

ابولہب کو اس خاتون کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ پڑی اور وہ کان دبا کر وہاں سے چل دیا۔

یہ غیرت مند اور بہادر خاتون جنہوں نے ابولہب جیسے دشمنِ اسلام اور دشمنِ خدا کو ایسی رسوائی اور ذلت سے دوچار کیا، حضرت عباسؓ کی اہلیہ (اور ابولہب کی بھاوج) حضرت لبابۃ الکبریٰؓ تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ واقعہ چاہِ زمزم کی چاردیواری کے اندر پیش آیا جس کے قریب ہی حضرت عباسؓ کا مکان تھا۔

(۲)

حضرت لبابہؓ بنتِ حارث جو بالعموم اپنی کنیت "اُمّ الفضل" سے مشہور ہیں، نہایت جلیل القدر صحابیات میں شمار ہوتی ہیں۔ کبریٰ ان کا لقب ہے۔ اس لیے اہلِ سیر نے ان کا نام لبابۃ الکبریٰ بھی لکھا ہے۔ ان کا تعلق بنو ہلال سے تھا سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمّ الفضل لبابہ بنتِ حارث بن حزن بن بجیر بن الحرام بن رویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ والدہ کا نام ہند (یا خولہ) بنتِ عوف تھا جو بنو کنانہ یا حمیر سے تھیں۔

حضرت اُمّ الفضل لبابہ رضی اللہ عنہا کی شادی عمِّ رسول حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے ہوئی۔ اس نسبت سے وہ حضورؐ کی چچی تھیں۔ ان کی حقیقی بہن حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہا) بنتِ حارث کو اُمّ المومنین بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس نسبت سے حضرت اُمّ الفضلؓ حضورؐ کی سالی بھی ہوتی تھیں۔

حضرت اُمّ الفضلؓ کی ایک اخیافی بہن حضرت اسماءؓ بنت عمیس کی شادی حضرت جعفر (طیارؓ) بن ابی طالب (حضورؐ کے عم زاد بھائی) سے ہوئی۔ ایک تیسری بہن سلمیٰ کی شادی حضورؐ کے دوسرے چچا حضرت حمزہؓ بن عبدالمطّلب سے ہوئی۔ لوگ حضرت اُمّ الفضل کی والدہ ہند بنتِ عوف پر رشک کرتے تھے کہ سمدھیانے کے لحاظ سے کوئی عورت ان کے ہم پلّہ نہیں تھی۔

خواتین میں سب سے پہلے رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کا شرف حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کو حاصل ہوا۔ ان کے بعد معتبر روایات کی رُو سے حضرت اُمّ الفضل لبابہؓ کو اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول کا شرف حاصل ہوا اس لحاظ سے وہ السابقون الاوّلون میں نہایت ممتاز درجہ رکھتی ہیں۔ حضرت اُمّ الفضل نے اپنے شوہر حضرت عباسؓ کے (اعلانیہ) قبولِ اسلام کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ ہجرت فتح مکّہ سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی۔

حضرت اُمّ الفضلؓ بڑی بہادر اور غیرت مند خاتون تھیں۔ چنانچہ ایک موقع پر انہوں نے ابولہب کو لٹھ مار کر اس کا سر کھول دیا۔ (اس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے) انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت اور عقیدت تھی اور حضورؐ کو بھی اپنی عمّۂ محترمہ سے بڑا تعلقِ خاطر تھا۔ آپ اکثر ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے، اگر دوپہر کا وقت ہوتا تو وہیں آرام فرماتے تھے۔ حضرت ام الفضلؓ حضورؐ کا سرِ اقدس اپنی گود میں رکھ کر آپ کے بالوں سے گرد یا تنکے وغیرہ دور کرتیں اور ان میں کنگھی کرتیں۔

حضرت اُمّ الفضلؓ نہایت پرہیز گار اور عبادت گزار تھیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو بالالتزام روزہ رکھتی تھیں۔ علامہ ابنِ عبدالبرؒ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ اُمّ الفضلؓ، میمونہؓ، سلمیٰؓ اور اسماءؓ چاروں مؤمنہ بہنیں ہیں۔

(۳)

ایک مرتبہ حضرت اُمّ الفضل (رضی اللہ عنہا) نے خواب میں دیکھا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اقدس کا کوئی حصہ ان کے گھر میں ہے۔ انہوں نے اپنا خواب حضورؐ

کے سامنے بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ "اس کی تعبیر یہ معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ میری لختِ جگر فاطمہؓ کو فرزند عطا کرے گا اور تم اس کو اپنا دودھ پلاؤ گی۔"

کچھ عرصہ بعد حضرت فاطمۃ الزہرا کے فرزند حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) پیدا ہوئے۔ حضرت اُمّ الفضلؓ نے انہیں اپنا دودھ پلایا اور ان کی کفیل بن گئیں۔ اس لیے سارا خاندانِ نبوت حضرت اُمُّ الفضلؓ کی بہت عزت و تکریم کرتا تھا۔ ایک دن حضرت اُمُّ الفضلؓ، حضرت حسینؓ کو اپنی گود میں لیے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپؐ نے اپنے پیارے نواسے کو ان کی گود سے لے لیا اور پیار کرنے لگے۔ ننھے حسینؓ نے حضورؐ کی گود میں پیشاب کر دیا۔ حضرت اُمّ الفضلؓ نے انہیں فوراً حضورؐ کی گود سے لے لیا اور جھڑک کر کہا: "ارے ننھے یہ تو نے کیا کیا۔ رسول اللہ کی گود میں پیشاب کر دیا"۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمُّ الفضلؓ کا اتنا جھڑکنا بھی گوارا نہ ہوا اور آپؐ نے فرمایا: "اُمُّ الفضل تو نے میرے بچے کو یونہی جھڑکا جس سے مجھے تکلیف ہوئی۔" اس کے بعد آپؐ نے پانی منگوا کر لباس مبارک کا پیشاب آلود حصّہ دھلوا دیا۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت اُمّ الفضلؓ کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں حج کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عرفہ کے دن بعض لوگوں نے خیال کیا کہ حضورؐ روزہ سے ہیں۔ جب حضرت اُمّ الفضلؓ کو ان لوگوں کا یہ خیال معلوم ہوا تو انہوں نے ایک پیالہ دودھ کا حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ آپؐ نے دودھ پی لیا اس سے لوگوں کا شک دُور ہو گیا۔

حضرت اُمّ الفضلؓ نے حضرت عثمان ذوالنّورینؓ کے عہدِ خلافت میں اپنے شوہر (حضرت عباسؓ) کے سامنے ہی وفات پائی۔ نمازِ جنازہ حضرت عثمانؓ نے پڑھائی۔

(۴)

حضرت اُمّ الفضلؓ کے بطن سے حضرت عباسؓ کی سات اولادیں ہوئیں۔ چھ بیٹے فضلؓ، عبداللہؓ، عبیداللہؓ، معبدؓ، قثمؓ، عبدالرحمٰنؓ اور ایک بیٹی ام حبیبہ۔ اربابِ سِیَر نے لکھا ہے کہ یہ ساری اولادیں نہایت قابل تھیں۔ بالخصوص حضرت عبداللہؓ اور

حضرت عبید اللہؓ نے علم و فضل کے اعتبار سے اتنا بلند مرتبہ حاصل کیا کہ اساطین اُمّت میں شمار ہوئے۔ علامہ ابن اثیر نے اُسد الغابہ میں لکھا ہے کہ عبد اللہ بن یزید الہلالی شاعر نے ایک دفعہ حضرت اُمّ الفضل کی خوش بختی پر ان اشعار میں فخر کیا۔

ما ولدت نجیبۃ من نخل | کستۃ من بطن ام الفضل
اکرم بھا من کھلۃ وکھل | عم النبی المصطفیٰ ذی الفضل

وخاتم الرسل وخیر الرسل

حضرت اُمّ الفضلؓ سے تیس احادیث مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں حبر الاُمّت حضرت عبد اللہؓ اور دوسرے فرزندانِ عباسؓ اور حضرت انسؓ بن مالک جیسے جلیل القدر اصحاب شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِّ شریک دوسیہؓ

حضرت اُمِّ شریک دوسیہؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے لیکن تعجب ہے کہ جس قدر وہ مشہور ہیں اسی قدر ان کے ذاتی اور خانگی حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ اہلِ سیر نے ان کا اصل نام اور سلسلۂ نسب بیان نہیں کیا اور صرف اتنا لکھا ہے کہ ان کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ یہ قبیلہ یمن کے ایک گوشہ میں آباد تھا، معلوم نہیں اُمِّ شریکؓ مکّے کب اور کس سلسلے میں آئیں البتہ متعدد اہلِ سیر کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو وہ مکّہ میں قیام پذیر تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ انہوں نے کسی تامّل کے بغیر دعوتِ توحید پر لبّیک کہا اور اس طرح "السابقون الاوّلون" کی مقدس جماعت کی رکن بن گئیں۔

علامہ ابنِ سعدؒ نے طبقات میں بیان کیا ہے کہ حضرت اُمِّ شریکؓ نے اسلام قبول کیا تو ان کے مشرک اعزّہ واقارب نے ان کو دھوپ میں کھڑا کر دیا وہ اس حالت میں ان کو روٹی کے ساتھ شہد کھلاتے تھے جس کی تاثیر نہایت گرم ہوتی ہے۔ پانی پلانا بھی بند کر دیا۔ جب اس طرح تین دن گزر گئے تو مشرکین نے کہا کہ جو دین تم نے اختیار کیا ہے اس کو چھوڑ دو۔ وہ تین شب و روز کی بلاکشی سے بدحواس ہو گئی تھیں، مشرکین کی بات کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔ جب ان لوگوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو وہ سمجھ گئیں کہ یہ لوگ مجھ سے توحید کا انکار کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ فوراً بولیں:

"خدا کی قسم! میں تو اسی عقیدہ پر قائم ہوں۔"

حضرت اُمِّ شریکؓ نے خود ہی اسلام قبول کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ نہایت سرگرمی سے قریش کی عورتوں کو بھی اسلام کی دعوت دینی شروع کر دی۔ علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ اُمِّ شریکؓ آغازِ اسلام میں قریش کی عورتوں میں

اسلام کی تبلیغ کیا کرتی تھیں۔ مشرکین قریش کو ان کی مخفی کوششوں کا حال معلوم ہوا تو ان کو مکہ سے نکال دیا۔

اہلِ سیر نے حضرت اُمِ شریکؓ کی ہجرت کے زمانے کی تصریح نہیں کی لیکن یہ بات ثابت ہے کہ انہیں ہجرت کی سعادت ضرور نصیب ہوئی اور انہوں نے مدینہ منورہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ سنن نسائی میں ہے کہ حضرت اُمِ شریکؓ نہایت متمول اور فیاض صحابیہ تھیں اور لوگوں کو دل کھول کر کھانا کھلایا کرتی تھیں انہوں نے اپنے مکان کو گویا مہمان خانۂ عام بنا دیا تھا اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باہر سے جو مہمان آتے تھے وہ اکثر حضرت اُمِ شریکؓ ہی کے مکان میں قیام کرتے تھے۔ صحیح مسلم کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ میں بھی حضرت اُمِ شریکؓ نومسلموں کی کفالت کیا کرتی تھیں۔ طبقاتِ ابنِ سعد میں ہے کہ مشہور صحابیہ حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس کو سنہ ۱۰ھ میں ان کے شوہر ابو عمروؓ حفصؓ بن مغیرہ نے طلاق دے دی تو حضورؐ نے پہلے تو انہیں حکم دیا کہ عدت کا زمانہ اُمِ شریکؓ کے یہاں گزارو لیکن بعد میں حضورؐ نے فرمایا کہ اُمِ شریکؓ کے گھر مہمانوں کی اکثر آمد و رفت رہتی ہے اور ان کے اعزہ و اقارب بھی ان کے ساتھ رہتے ہیں اس لیے وہاں پردہ کا اہتمام نہ ہو سکے گا لہٰذا تم عدت کا زمانہ اپنے نابینا ابنِ عم ابنِ اُمِ مکتومؓ کے ہاں گزارو۔

حضرت اُمِ شریکؓ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی محبت اور عقیدت تھی۔ علامہ ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ ان کے پاس ایک کپی تھی جس میں سے وہ حضورؐ کے لیے گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ خدا کی قدرت اس کپی میں گھی ختم ہونے میں ہی نہ آتا تھا، اس میں سے وہ اپنے بچوں کو بھی دیا کرتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے کپی کو الٹا کر کے دیکھنا چاہا کہ اس میں کتنا گھی باقی رہ گیا ہے۔ اسی دن سے وہ کپی گھی سے خالی ہو گئی۔ حضرت اُمِ شریکؓ نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا: "اگر تم اس کپی کو نہ الٹتیں تو اس میں گھی عرصہ تک باقی رہتا۔"

حضرت اُمِ شریکؓ کا سالِ وفات اور مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت صَعبہؓ بنت الحضرمی

صاحب اُحُد سیّدنا حضرت طلحہؓ بن عُبید اللہؓ (یکے از اصحابِ عشرہ مبشرہ) کی والدہ ہیں، سلسلۂ نسب یہ ہے:

صَعُبہؓ بنت عبداللہؓ حضرمی بن ضماد بن سلمی بن اکبر

نسلاً حضرمی اور وطناً یمنی تھیں، ان کے والد، حرب بن اُمیّہ کے حلیف بن کر مکّہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ دعوتِ حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں اپنے فرزند کے ہمراہ سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں۔ اس وقت ان کے شوہر عُبید اللہؓ بن عثمان وفات پا چکے تھے۔ چند سال بعد اپنے فرزند کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلی گئیں۔

حضرت صَعبہؓ نے طویل زندگی پائی۔ امام بخاریؒ نے تاریخ الصغیر میں یہ روایت درج کی ہے کہ وہ خلیفۂ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے تک حیات تھیں۔ جب ان کو امیر المومنینؓ کے محصور ہونے کی خبر ملی تو بے تاب ہو کر گھر سے نکلیں اور اپنے صاحبزادہ حضرت طلحہؓ سے خواہش کی کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر مفسدین کو واپس جانے پر آمادہ کریں۔

قیاس کیا جاتا ہے کہ حضرت صَعبہؓ نے اسّی برس سے زیادہ عمر پائی۔ مشہور صحابی حضرت علاءؓ بن الحضرمی ان کے بھائی تھے۔

حضرت شِفاءؓ بنتِ عوف

بنو زہرہ میں سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

شفاءؓ بنت عوف بن عبد بن حارث بن زہرہ۔

عوف بن عبد عوف زہری سے نکاح ہوا جو ان کے ہم جد تھے۔ اُن کے صُلب سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پیدا ہوئے جو اصحاب عشرۂ مبشّرہ میں سے ایک ہیں۔

حضرت شفاءؓ نے بعد بعثت کے ابتدائی تین سالوں میں کسی وقت اسلام قبول کیا۔ اس طرح وہ سابقین اوّلین کی مقدس جماعت میں بھی امتیازی درجہ رکھتی ہیں۔

ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت چند دوسری خواتین کے علاوہ وہ بھی حضرت آمنہ کے پاس موجود تھیں — مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت رَملہؓ بنتِ ابی عوف سَہمیہؓ

ان کا تعلق بنو سہم سے تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے چچازاد بھائی حضرت مُطّلِبؓ بن ازہر زہری سے نکاح ہوا۔ دونوں میاں بیوی دعوتِ حق کے ابتدائی سالوں میں مشرف بہ ایمان ہوئے۔ دوسری ہجرتِ حبشہ (سنہ ۶ بعد بعثت) میں حضرت رَملہؓ اور ان کے شوہر دونوں نے راہِ حق میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی۔ وہیں ان کے فرزند عبداللہ بن مُطّلِبؓ پیدا ہوئے حضرت مُطّلِبؓ بن ازہر نے حبشہ ہی میں وفات پائی اور حضرت رَملہؓ پر غریب الوطنی کے علاوہ بیوگی کی مصیبت بھی آن پڑی۔ لیکن وہ بڑے صبر و استقامت کے ساتھ اپنا وقت گزارتی رہیں۔ غزوۂ خیبر کے موقع پر اپنے فرزند عبداللہؓ اور ۷ ۵ دوسرے مہاجرین کے ساتھ حبشہ سے مدینہ منوّرہ آئیں اور باقی زندگی یہیں گزاری —

ان کے صرف اسی قدر حالات معلوم ہیں۔

حضرت زنیرہ رومیہ رضؓ

حضرت زنیرہ قریش کے خاندان بنو مخزوم کی لونڈی تھیں۔ دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئیں اور اسی "جرم" کی وجہ سے مشرکین کے ظلم وستم کا ہدف بن گئیں۔ ابوجہل ان پر نت نئے ظلم ڈھاتا تھا اور انہیں شرک پر مجبور کرتا تھا۔ لیکن انہیں جان دینا تو منظور تھا خدائے واحد سے منہ موڑنا کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔

علامہ بلاذری کا بیان ہے کہ راہِ حق میں بے پناہ مظالم سہتے سہتے ان کی بینائی جاتی رہی۔ اس پر ابوجہل نے انہیں طعنہ دیا کہ لات وعزّیٰ نے تجھے اندھا کر دیا۔ انہوں نے بے دھڑک جواب دیا۔ لات وعزّیٰ پتھر کے بت ہیں وہ کیا جانیں کہ انہیں کون پوج رہا ہے اور کون نہیں پوجتا۔ اگر میری بینائی زائل ہو گئی ہے تو یہ مصیبت میرے اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر وہ چاہے تو میری بینائی واپس بھی دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی شانِ استقامت اس قدر پسند آئی کہ دوسرے دن وہ سو کر اٹھیں تو ان کی بینائی بحال ہو چکی تھی۔

علامہ ابن ہشام نے یہ روایت کسی قدر مختلف انداز میں لکھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت زنیرہ ان بے یار و مددگار لوگوں میں سے تھیں جن پر مشرکین سخت ظلم ڈھاتے تھے اور جنہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ خدا کی قدرت آزادی ملنے کے بعد وہ نابینا ہو گئیں۔ اس پر مشرکین نے کہنا شروع کر دیا کہ زنیرہ کو لات و عزّیٰ نے اندھا کر دیا۔ ان کے کانوں تک یہ باتیں پہنچیں تو انہوں نے کہا:

"بیت اللہ کی قسم، یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ لات وعزّیٰ نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی۔

ابن اثیرؒ کے بیان کے مطابق حضرت زنیرہؓ بنو عدی کی لونڈی تھیں اور حضرت عمرؓ بن خطاب (قبولِ اسلام سے پہلے) ان پر سختیاں کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خرید کر آزاد کر دیا۔

بعض روایتوں میں ان کا نام زنبرہ بھی آیا ہے۔

حضرت لبینہؓ

قریش کے خاندان بنو عدی کی ایک شاخ بنی مؤمّل کی لونڈی تھیں۔ بعد بعثت کے ابتدائی سالوں میں سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں، اس پر حضرت عمرؓ بن خطاب (اپنے زمانہ کفر میں) اتنے برافروختہ ہوئے کہ ان کو روزانہ زدوکوب کیا کرتے تھے جب مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے میں تھک گیا ہوں اس لیے تجھے چھوڑا ہے۔ اب بھی اس نئے دین (اسلام) کو ترک کر دے۔

وہ جواب میں کہتیں "ہرگز نہیں تو جتنا ظلم ڈھا سکتا ہے ڈھا لے، میں یہی کہوں گی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کرے۔"

بالآخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ بعض نے ان کا نام لبیبہ لکھا ہے اور ان کے آقا کا نام مؤمّل بن حبیب بیان کیا ہے۔

اُمِّ عُبیسؓ

بقول بلاذریؒ قریش کے خاندان بنو زہرہ کی لونڈی تھیں۔ دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں۔ حق پرستی کے "جرم" میں مکہ کا

مشہور مشرک رئیس اسود بن عبد یغوث ان پر بے پناہ ظلم کرتا تھا، لیکن وہ کسی صورت میں اسلام سے منحرف نہ ہوتی تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا۔ زبیر بن بکّار کا بیان ہے کہ وہ بنی تیم بن مُرّہ کی لونڈی تھیں۔

حضرت حمامہ رضؓ

سیدنا حضرت بلال حبشیؓ کی والدۂ ماجدہ تھیں۔ حافظ ابن عبد البرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے کہ وہ بھی بیٹے کی طرح دعوت حق کے اوائل میں مشرف بہ اسلام ہوگئی تھیں۔ مشرکین نے جہاں ان کے فرزند کو لرزہ خیز مظالم کا نشانہ بنایا وہاں ان کو بھی طرح طرح کے عذاب دیئے، لیکن وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ ماں اور بیٹا دونوں حضرت ابُو بکر صدّیقؓ نے خرید کر آزاد کر دیئے۔

حضرت نَہدِیّہ رضؓ اور اُن کی بیٹی

یہ دونوں سعادت مند خواتین بنو عبد الدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ بعد بعثت کے ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوگئیں۔ اس پر ان کی مالکہ نے دونوں پر سخت ظلم ڈھائے۔ بالآخر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے انہیں خرید کر آزاد کیا

حضرت اُمِّ معبد خُزاعیہؓ

(۱)

جس زمانے میں آفتابِ اسلام فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہو رہا تھا، مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جانے والے راستے پر قُدید نام کی ایک چھوٹی سی بستی صحرا کے متصل واقع تھی۔ اس میں ایک مختصر سا غریب خاندان اپنی زندگی کے دن بڑے عجب انداز میں گزار رہا تھا۔ اس گھرانے کی ساری متاع لے دے کے ایک خیمے، بکریوں کے ایک ریوڑ، گنتی کے چند برتنوں اور مشکیزوں پر مشتمل تھی، خاندان کا سربراہ ایک جفاکش بدوی تمیم بن عبدالعزیٰ خزاعی تھا۔ اس کا بیشتر وقت بکریاں چرانے میں گزرتا تھا۔ تمیم کی اہلیہ اس کی بنتِ عم عاتکہ بنتِ خالد (بن خلیف بن منقذ بن ربیعہ بن احرم بن خبیس بن حرام بن جبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو) تھی۔ دونوں کا تعلق بنو خزاعہ کی شاخ بنی کعب سے تھا۔ عاتکہ ایک پاک دامن، باوقار اور بلند حوصلہ خاتون تھی اور اپنی کنیت "اُمِّ معبد" سے مشہور تھی۔ وہ عربوں کی روایتی مہمان نوازی سے خاص طور پر متصف تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ایثار اور خدمتِ خلق کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، افلاس اور تنگ دستی کے باوجود وہ قُدید سے گزرنے والے مسافروں کی نہایت خوشدلی سے میزبانی کیا کرتی تھی اور ان کی خدمت اور تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی تھی۔ پانی، دودھ، کھجوریں، گوشت جو کچھ میسر ہوتا مہمانوں کی خدمت میں پیش کر دیتی تھی۔ جب کوئی مسافر اس کے خیمے میں سستا کر آگے روانہ ہوتا تو اس کی زبان پر اُمِّ معبد کے لیے تعریف وتحسین اور دعائیں ہی دعائیں ہوتی تھیں۔ اس طرح اُمِّ معبد کا نام مسافروں کی بے لوث خبر گیری اور خدمت و تواضع کی بدولت دُور دُور

تک مشہور ہو گیا تھا اور لوگ اس کی عالی حوصلگی اور شرافت کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔

بعثتِ نبوی کے تیرھویں سال تک اُمِّ معبد کو خلقِ خدا کی خدمت کرتے بہالہا سال گزر چکے تھے اور وہ جوانی کی منزلوں سے گزر کر پختہ عمر کو پہنچ چکی تھی اس وقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے صحرا نشینوں میں "صاحب قریش" کے لقب سے مشہور تھے۔ تمیم اور اُمِّ معبد کے کانوں میں بھی "صاحب قریش" اور آپؐ کی دعوت کی بھنک پڑ چکی تھی تاہم وہ زندگی کی ڈگر پر اپنے معمول کے مطابق چلتے رہے۔ ان غریب اور سادہ مزاج بدویوں کے لیے یہ بڑا کٹھن کام تھا کہ ایسی باتوں کی تحقیق کے لیے دُور دراز کی خاک چھانتے پھریں — لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ ایک دن ان کی صحرائی قیام گاہ ان صاحب قریش کی طلعتِ اقدس سے جگمگا اٹھے گی اور کائناتِ ارضی و سماوی کا ذرہ ذرہ اس کے مکینوں کی خوش بختی پر رشک کرے گا۔

(۲)

ربیع الاول ۱۳؁ بعثت میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارضِ مکہ کو الوداع کہا۔ اور تین راتیں غارِ ثور میں گزار کر عازمِ مدینہ ہوئے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عامرؓ بن فہیرہ آپ کے ہم رکاب تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹنی پر سوار تھے اور وہ دونوں دوسری اونٹنی پر۔ اس مقدس قافلے کے آگے آگے عبد اللہ بن اُریقط لیثی پیدل چل رہا تھا، وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود ایک قابلِ اعتماد شخص تھا اور مکہ سے مدینہ جانے والے تمام راستوں سے واقف تھا۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے راستہ بتانے کے لیے اجرت پر اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک سانڈنی پر سرورِ عالمؐ اور حضرت صدیقِ اکبرؓ سوار تھے اور دوسری پر حضرت عامرؓ بن فہیرہ اور عبد اللہ بن اریقط۔ یہ مختصر قافلہ قدید کے مقام پر پہنچا، تو حضرت اسماءؓ (ذات النطاقین) بنت صدیق اکبرؓ نے غار سے روانگی کے وقت جو کھانا ساتھ کیا تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو بھوک اور پیاس محسوس ہو رہی تھی حضرت ابوبکر صدیقؓ

نے اُمِّ معبد کی شہرت سُن رکھی تھی اور انھیں یقین تھا کہ اس کی قیام گاہ پر کھانے پینے کا کچھ انتظام ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ مقدس قافلہ اُمِّ معبد کے خیمے پر جا کر رُکا۔ وہ اس وقت اپنے خیمہ کے آگے صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دنوں خشک سالی نے سارے علاقے پر قیامت ڈھا رکھی تھی اور اس وجہ سے اُمِّ معبد کے گھرانے پر بیغمبری وقت آن پڑا تھا۔ بڑی تنگی ترشی سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ حضور سیدِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِّ معبد سے فرمایا: "دودھ، گوشت، کھجوریں، کھانے کی کوئی چیز بھی تمہارے پاس ہو تو ہمیں دو، ہم اس کی قیمت ادا کریں گے۔"

اُمِّ معبد نے بصد حسرت جواب دیا: "خدا کی قسم اس وقت کوئی چیز ہمارے گھر میں آپ کو پیش کرنے کے لیے موجود نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو فوراً حاضر کر دیتی۔"

اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک مریل سی بکری پر پڑی جو خیمے میں ایک طرف کھڑی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: "معبد کی ماں اگر اجازت دو تو اس بکری کا دودھ دُوہ لیں۔"

اُمِّ معبد نے کہا: "آپ بڑے شوق سے دودھ دوہ لیں مگر مجھے امید نہیں کہ یہ دودھ کا ایک قطرہ بھی دے۔"

اب وہ بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لائی گئی۔ آپؐ نے پہلے اس کے پاؤں باندھے اور پھر اس پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر دعا کی: "الٰہی اس عورت کی بکریوں میں برکت دے۔"

اس کے بعد چشم فلک نے ایک تحیّر خیز نظارہ دیکھا۔ سیدالمرسلین فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر جو نہی بکری کے تھنوں کو چھوا، تھن فی الفور دودھ سے بھر گئے اور بکری ٹانگیں پھیلا کر کھڑی ہو گئی، حضورؐ نے ایک بڑا برتن منگا کر دودھ دوہنا شروع کر دیا، یہ برتن جلد ہی لبالب بھر گیا۔ آپؐ نے پہلے یہ دودھ اُمِّ معبد کو پلایا، اس نے خوب سیر ہو کر پیا پھر آپؐ نے اپنے ساتھیوں کو پلایا جب وہ بھی سیر ہو گئے تو آخر میں آپؐ نے خود پیا اور فرمایا: ساقی القومِ اٰخرہم

(لوگوں کو پلانے والا خود آخر میں پیتا ہے) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ دودھ دوہنا شروع کیا یہاں تک کہ برتن پھر لبالب بھر گیا۔ یہ دودھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِّ معبد کے لیے چھوڑ دیا اور آگے روانہ ہوئے۔

اُمِّ معبدؓ کا بیان ہے کہ جس بکری کا دودھ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے دوہا تھا وہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت تک ہمارے پاس رہی۔ ہم صبح و شام اس کا دودھ دوہتے تھے اور اپنی ضرورتیں بخوبی پوری کرتے تھے۔

طبقاتِ ابنِ سعد کی ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر اُمِّ معبدؓ نے ایک بکری ذبح کر کے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو کھانا کھلایا اور ناشتہ بھی ساتھ کر دیا۔ لیکن دوسرے اہلِ سیر نے بکری ذبح کرنے کا ذکر نہیں کیا۔

(۳)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے تھوڑی دیر بعد اُمِّ معبدؓ کا شوہر اپنے ریوڑ کو لے کر جنگل سے واپس آیا۔ خیمہ میں دودھ سے بھرا ہوا برتن دیکھ کر حیران رہ گیا، اہلیہ سے پوچھا: "معبد کی ماں یہ دودھ کہاں سے آیا؟"

اُمِّ معبدؓ نے جواب دیا:

"خدا کی قسم ایک بابرکت مہمانِ عزیز کا یہاں وُرود ہوا۔ انھوں نے بکری کو دوہا۔ خود بھی اپنے ساتھیوں سمیت سیر ہو کر دودھ پیا اور یہ دودھ ہمارے لیے بھی چھوڑ گئے۔"

پھر اس نے تفصیل کے ساتھ سارا واقعہ بیان کیا۔

ابو معبد تمیم نے کہا: "ذرا اس کا حلیہ تو بیان کرو۔"

اُمِّ معبدؓ نے بے ساختہ سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حلیہ مبارک بیان کیا تاریخ نے اسے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس نے کہا:

"پاکیزہ صورت، حسین و جمیل، روشن چہرہ، بدن نہ فربہ نہ نحیف، متناسب الاعضا، خوبصورت آنکھیں، بال گھنے اور لمبے، سیدھی گردن، آنکھ کی پتلیاں روشن،

سرگین چشم، باریک وپیوستہ ابرو، سیاہ گھنگریالے بال، خاموش ہوتے تو نہایت باوقار معلوم ہوتے۔ تکلم دل نشین۔ دور سے دیکھنے میں نہایت سجیلے اور دل رُبا۔ قریب سے نہایت شیریں وخوبرو، شیریں کلام، واضح الفاظ۔ کلام الفاظ کی کمی بیشی سے پاک، تمام گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوئی (یعنی مسلسل مربوط اور برمحل) میانہ قد کہ کوتاہی سے حقیر نظر نہیں آتے، نہ طویل کہ آنکھ وحشت زدہ ہو جائے۔ زیبندہ نہال کی شاخِ تازہ، زیبندہ منظر، عالی قدر، رفقا ایسے کہ ہر وقت گرد وپیش رہتے ہیں جب وہ کچھ کہتے ہیں تو بڑی توجہ سے سنتے ہیں اور جب وہ حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے لپکتے ہیں۔ مخدوم، مطاع، مالوف، نہ ادھوری بات کرنے والے اور نہ ضرورت سے زیادہ بولنے والے۔"

ابو معبد یہ صفات سن کر بول اٹھا کہ خدا کی قسم یہ تو وہی صاحبِ قریش تھے جن کا ذکر ہم سنتے رہتے ہیں۔ میں ان سے ضرور جا کر ملوں گا۔

(۴)

حضرت اُمِ معبدؓ کے قبولِ اسلام کے متعلق دو مختلف روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ان کے کانوں میں "صاحبِ قریش" کی بھنک پہلے سے پڑ چکی تھی۔ چنانچہ جب پہلے پہل ان کی نظر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور پر پڑی تو ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ وہی صاحبِ قریش ہیں جو توحید کے داعی اور نیکی و ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ بکری کا واقعہ دیکھا تو انھیں قطعی یقین ہو گیا کہ مہمانِ عزیز اللہ کے سچے رسول ہیں چنانچہ وہ اسی وقت صدقِ دل سے مسلمان ہو گئیں اور حضورؐ نے ان کے لیے دعائے خیر وبرکت مانگی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضورؐ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد ابو معبدؓ اور اُمِ معبدؓ دونوں میاں بیوی ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادتِ ایمانی سے بہرہ مند ہوئے۔

حضرت اُمِ معبدؓ کی زندگی کے مزید حالات تاریخوں میں نہیں ملتے تاہم ان کی زندگی کے ایک ہی واقعہ نے، جو اوپر بیان ہوا ہے، انھیں شہرتِ عام اور بقائے دوام کے دربار میں اتنا بلند مقام عطا کر دیا کہ ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد ابد الآباد تک اس پر رشک کرتے رہیں گے۔ کسی شاعر نے اس واقعہ کے متعلق کیا خوب اشعار کہے ہیں:

جزی اللہ رب الناس خیر جزائہ — رفیقین قالا خیمتی ام معبد

هما نزلا بالبر واغتدیا بہ — فقد فاز من امسی رفیق محمد

لیهن بنی کعب مقام فتاتهم — ومقعدها للمسلمین بمرصد

(اللہ ان رفیقوں کو جزائے خیر دے جو اُمِ معبد کے خیموں میں مقیم ہوئے۔ وہ نیکی سے ٹھہرے اور وہ تو اس کے گھر میں تو جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوا، کامیاب ہوا۔ بنی کعب کو ایسی لڑکیاں مبارک ہوں جن کا مکان مسلمانوں کی جائے پناہ ہے)۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خنساءؓ بنتِ عمرو

— ارثی العرب —

(۱)

سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں جنگ قادسیہ کا شمار عراقِ عرب کی سرزمین پر لڑی جانے والی نہایت خونریز اور فیصلہ کُن جنگوں میں ہوتا ہے۔ اس لڑائی میں سلطنتِ ایران نے اپنے دو لاکھ آزمودہ کار جنگ جُو اور تین سو جنگی ہاتھی مسلمانوں کے مقابل لا کھڑے کیے۔ دوسری طرف مجاہدینِ اسلام کی کل تعداد صرف تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ ان میں سے بعض مجاہدین کے ساتھ ان کے اہل وعیال بھی جہاد میں حصّہ لینے کے لیے قادسیہ آئے تھے۔ اس موقع پر ایک ضعیف العمر خاتون بھی جذبۂ جہاد سے سرشار اپنے چار نوجوان فرزندوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں موجود تھیں۔ شب کے ابتدائی حصّے میں جب ہر مجاہد آنے والی صبح کے ہولناک منظر پر غور کر رہا تھا اس خاتون نے چاروں فرزندوں کو اپنے پاس بلایا اور ان سے یوں خطاب کیا:

"میرے بچو! تم اپنی خوشی سے اسلام لائے اور اپنی خوشی سے تم نے ہجرت کی۔ اس ذاتِ لایزال کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جس طرح تم ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اسی طرح تم ایک باپ کی اولاد ہو۔ میں نے نہ تمہارے باپ سے خیانت کی اور نہ تمہارے ماموں کو ذلیل ورسوا کیا۔ تمہارا نسب بے عیب ہے اور تمہارا حسب

بے داغ۔ خوب سمجھ لو کہ جہاد فی سبیل اللہ سے بڑھ کر کوئی کارِ ثواب نہیں۔ آخرت کی دائمی زندگی دنیا کی فانی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا قف وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آلِ عمران - ع ۲۰)

(اے مسلمانو! صبر سے کام لو اور ثابت قدم رہو اور آپس میں مل کر رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ مراد کو پہنچو)

کل اللہ نے چاہا اور تم خیریت سے صبح کرو تو تجربہ کاری کے ساتھ اور خدا کی نصرت کی دعا مانگتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑنا اور جب تم دیکھو کہ لڑائی کا تنور خوب گرم ہو گیا اور اس کے شعلے بھڑکنے لگے تو تم خاص آتشِ دانِ جنگ میں گھس پڑنا اور راہِ حق میں دیوانہ وار تلوار چلانا۔ ہو سکے تو دشمن کے سپہ سالار پر ٹوٹ پڑنا۔ اگر کامیاب رہے تو بہتر اور اگر شہادت نصیب ہوئی تو یہ اس سے بھی بہتر کہ آخرت کی فضیلت کے مستحق ہو گے۔

چاروں نونہالوں نے یک زبان ہو کر کہا :

"اے مادرِ محترم! انشاء اللہ ہم آپ کی توقعات پر پورے اتریں گے اور آپ ہمیں ثابت قدم پائیں گی۔"

صبح جب معرکۂ کارزار گرم ہوا تو ان خاتون کے چاروں فرزند اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائے، رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے ایک ساتھ میدانِ جنگ میں کود پڑے بزرگ خاتون، جن کے چہرے پر عجیب قسم کا جلال تھا، اپنے فرزندوں کو میدانِ رزم میں بھیج کر بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض پیرا ہوئیں۔

"الٰہی میری متاعِ عزیز یہی کچھ تھی، اب تیرے سپرد ہے۔"

اپنی ماں کی تقریر سن کر ان نوجوانوں کے دلوں میں رات ہی سے شوقِ شہادت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اب جو لڑائی کا موقع ملا تو ایسی وارفتگی سے

لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ جس طرف جھک پڑتے تھے غنیم کے پرے کے پرے صاف ہو جاتے تھے۔ آخر دشمن کے سینکڑوں جنگجوؤں نے انھیں اپنے نرغہ میں لے لیا۔ اس حالت میں بھی یہ سرفروش مطلق ہراساں نہ ہوئے اور دشمن کے بیسیوں سپاہیوں کو خاک و خون میں لوٹا کر خود بھی رتبۂ شہادت پر فائز ہو گئے۔

جب ان خاتون نے اپنے بچوں کی شہادت کی خبر سنی تو نالہ و فریاد کرنے کے بجائے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہو گئیں اور ان کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

"اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اپنے فرزندوں کے قتل سے مشرف کیا۔ باری تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ قیامت کے دن مجھے ان بچوں کے ساتھ اپنے سایۂ رحمت میں جگہ دے گا۔"

یہ ضعیف العمر خاتون جنھوں نے تسلیم و رضا اور صبر و تحمل کا ایسا مظاہرہ کیا کہ چشمِ فلک نے کبھی اس کی نظیر نہ دیکھی تھی، عرب کی عظیم مرثیہ گو حضرت خنساؓ بنتِ عمرو تھیں۔

(۲)

حضرت خنساؓ (الخنساء) کا شمار عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق نجد کے قبیلہ بنو سُلیم سے تھا جو بنو قیس بن عیلان کی ایک شاخ تھا۔ یہ قبیلہ اپنی شرافتِ نفس، جود و سخا اور شجاعت و ہمت کی بنا پر قبائلِ عرب میں امتیازی حیثیت کا حامل تھا۔ یہاں تک کہ ایک موقع پر خود رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قبیلہ کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

"بلاشبہ ہر قوم کی ایک پناہ گاہ ہوتی ہے اور عرب کی پناہ گاہ قیس بن عیلان ہے۔"

حضرت خنساؓ کا اصل نام تماضِر تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

تماضر بنتِ عمرو (بن الحارث) بن الشرید بن رباح بن یقظہ

بن عصیتہ بن خفاف بن امراء القیس بن بہثہ بن سُلیم بن منصور بن عکرمہ بن حفصہ (عفصہ) بن قیس بن عیلان بن مضر۔

تماضر چونکہ بہت چست، ہوشیار اور خوبرو تھیں اس لیے خنساء کے لقب سے مشہور ہوئیں جس کے معنی ہرنی کے ہیں۔

مؤرخین نے حضرت خنساء کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی۔ لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت نبوی سے تقریباً پچاس برس پہلے پیدا ہوئیں۔ ان کا والد عمرو بنو سلیم کا رئیس تھا اور اپنی وجاہت اور ثروت کی بنا پر بڑے اثر و رسوخ کا مالک تھا۔ اس نے اپنی اولاد (خنساءؓ اور ان بھائیوں معاویہ و صخر) کی پرورش بڑے ناز و نعم سے کی، یہاں تک کہ وہ بڑے ہو کر اعلیٰ خصائل کے مالک ہوئے۔ مبدأ فیاض نے خنساءؓ کی فطرت میں ہی شعر و سخن کا ذوق ودیعت کیا تھا۔ چنانچہ وہ صغر سنی میں کبھی کبھی دو چار شعر موزوں کر لیا کرتی تھیں۔ رفتہ رفتہ شعور کی پختگی کے ساتھ ان کی شعری صلاحیتیں بھی ترقی کرتی گئیں۔ یہاں تک کہ آگے چل کر وہ ایک شہرۂ آفاق مرثیہ گو شاعرہ کے مرتبہ پر فائز ہوئیں۔ حضرت خنساءؓ کے عنفوانِ شباب کو پہنچنے سے پہلے ہی ان کے شفیق باپ کا انتقال ہو گیا۔ خنساءؓ کے لیے یہ ایک جانکاہ صدمہ تھا لیکن ان کے دونوں بھائیوں معاویہ اور صخر نے ایسی محبت اور دلسوزی کے ساتھ ان کی سرپرستی کی کہ وہ باپ کا غم بھول گئیں۔ اب ان کی محبت اور عقیدت کا مرجع دونوں بھائی تھے وہ ان سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھیں اور ان کو دیکھ دیکھ کر جیتی تھیں۔ اسی زمانے میں بنو ہوازن کے مشہور شہسوار، شاعر اور رئیس دُرَید بن الصمّہ نے خنساءؓ کو ان کے بھائی معاویہ کے ذریعے شادی کا پیغام دیا۔ خنساءؓ نے بعض وجوہ کی بنا پر یہ پیغام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ دُرَید ایک معمر شخص تھا اور اس کی شکل و صورت بھی کچھ ایسی پسندیدہ نہیں تھی اس لیے خنساءؓ نے اسے دیکھ کر ناپسند کیا اور اس کے خلاف کچھ اشعار بھی کہے جن میں

دُرید اور اس کے قبیلے کا ذکر طنزیہ انداز میں کیا۔

اس کے بعد اپنے قبیلے کے ایک نوجوان عبدالعُزّٰی (یا بروایت ابن قتیبہ رواحہ بن عبدالعزّٰی) سے شادی کی۔ اس سے حضرت خنساءؓ کا ایک بیٹا ابو شجرہ عبداللہ پیدا ہوا۔ عبدالعزّٰی نے جلد ہی وفات پائی۔ اس کے بعد خنساءؓ نے بنو سُلیم ہی کے ایک دوسرے شخص مرداس بن ابی عامر سے نکاح کر لیا۔ اس سے ان کے تین بیٹے عمرو، زید اور معاویہ (یا بقول ابن حزم ہبیرہ، جزء اور معاویہ) پیدا ہوئے اور ان کے بعد ایک بیٹی عمرہ پیدا ہوئی۔ مرداس ایک بہادر اور حوصلہ مند آدمی تھا اس نے اپنے کچھ ساتھیوں کی مدد سے ایک چشمے سے متصل دلدلی زمین کو قابلِ کاشت بنانے کی کوشش کی وہاں کی مرطوب آب و ہوا نے اس کی صحت پر بُرا اثر ڈالا اور وہ بخار میں مبتلا ہو کر انتقال کر گیا۔

اس کے بعد خنساءؓ نے اپنی ساری زندگی بیوگی کی حالت میں کاٹ دی۔ ان کے بھائیوں معاویہ اور صخر نے بیوہ بہن کی دلجوئی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور وہ دل جمعی کے ساتھ اپنے بچوں کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہیں۔ اس زمانے میں وہ اپنا ذوقِ شعر و سخن بھی پورا کرتی رہتی تھیں۔ لیکن ان کا دائرۂ شہرت محدود ہی رہا۔ جس واقعے نے ان کی زندگی کا رُخ بدل دیا اور ان کے اشعار میں غضب کی تاثیر پیدا کر دی وہ ان کے دونوں مربی بھائیوں کا یکے بعد دیگرے انتقال تھا۔ مؤرخین نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ خنساءؓ کے بھائی معاویہ کا عکاظ کے میلے میں بنو مرہ کے ایک شخص ہاشم بن حَرمَلہ سے جھگڑا ہو گیا تھا۔ اس نے ہاشم سے بدلہ لینے کے لیے اپنے اٹھارہ ساتھیوں کے ہمراہ قبیلہ مُرّہ پر دھاوا بول دیا۔ لڑائی کے دوران میں وہ ہاشم کے بھائی درید کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

اس کے بعد صخر نے اپنے بھائی (معاویہ) کے قتل کا انتقام لینے کی قسم کھائی۔ چنانچہ اس نے موقع پا کر دُرَید کو قتل کر دیا اور اس کے ایک سُلَیمی ساتھی نے دُرید کے بھائی ہاشم بن حرملہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن اس پر بھی صخر کی

آتشِ انتقام سرد نہ ہوئی اور وہ بنو مرہ پر برابر حملے کرتا رہا۔ اس کشمکش کے دوران میں بنو مرہ کے حلیف بنو اسد کے ایک شخص فَقعَس نے صخر کو شدید زخمی کر دیا اور وہ کئی ماہ تک اپنے خیمے میں نیم جان پڑا رہا۔ حضرت خنساءؓ نے بڑی تندہی سے اپنے محبوب بھائی کی تیمارداری کی لیکن وہ جانبر نہ ہو سکا۔ صخر بڑا شجاع، عاقل اور خوب صورت جوان تھا۔ حضرت خنساءؓ کو اس کی موت پر شدید صدمہ پہنچا۔ ان کے دل و دماغ میں ایک آگ سی بھڑک اٹھی جس نے نہایت دردناک اور فصیح و بلیغ مرثیوں کی شکل اختیار کر لی۔ انھوں نے صخر کے فراق میں ایسے دلسوز اور جانگداز مرثیے کہے کہ جو سنتا اشکبار ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ ان مرثیوں نے انھیں سارے عرب میں مشہور کر دیا اور نہ صرف عام لوگ بلکہ ان کے ہمعصر عرب شعراء بھی ان کی قادر الکلامی اور استادی کا لوہا مان گئے۔ انھوں نے صخر کی یاد میں جو مرثیے کہے ان کے چند اشعار کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

"اے میری آنکھو! خوب آنسو بہاؤ اور ہرگز نہ رکو
کیا تم صخر جیسے سخی پر نہیں روؤ گی؟

کیا تم اس شخص پر نہ روؤ گی جو نہایت جری اور جوان رعنا تھا۔

کیا تم اس سردار پر نہیں روؤ گی جو سرو قد تھا اور جس کا پرتلہ بڑا لمبا تھا۔

جو کمسنی ہی میں اپنے قبیلہ کا سردار بن گیا۔

قوم نے اس کی طرف اپنے ہاتھ دراز کیے تو اس نے بھی اپنے ہاتھ دراز کر لیے۔

اور ان بلندیوں پر پہنچ گیا جو لوگوں کے ہاتھوں سے بھی بلند تھیں۔

اور اسی عزت و عظمت کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔

بزرگی اس کے گھر کا راستہ دکھاتی ہے۔

اگر شرافت اور عزت کا ذکر آئے تو دیکھو گے کہ
صخر نے عزت کی چادر اوڑھ لی ہے۔

صخر کی بڑے بڑے لوگ اقتدا کرتے ہیں گویا کہ وہ ایک پہاڑ ہے۔

جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے۔

اس مرثیہ کے آخری شعر

وان صخرا لتاتم الھداۃ بہ   کانّہ علمٌ فی راسہ نار

کی تاثیر کا تو یہ عالم تھا کہ جو سنتا تھا دانتوں تلے انگلیاں داب لیتا تھا۔

"درِ منثور" میں ہے کہ حضرت خنساءؓ صخر کی قبر پر صبح و شام جا کر اس قسم کے دردناک اشعار پڑھا کرتیں اور زار و زار رویا کرتیں۔

سورج جب نکلتا ہے تو وہ مجھے صخر کی یاد دلاتا ہے اور اسی طرح ہر غروبِ آفتاب کے وقت بھی مجھے اس کی یاد آتی ہے۔

اگر میرے اردگرد اپنے مرے ہوؤں پر رونے والوں کی کثرت نہ ہوتی تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالتی۔

اے صخر! اگر تو نے اب میری آنکھوں کو رلایا ہے تو (کیا ہوا اس سے پہلے) ایک لمبے عرصے تک تم مجھے ہنساتے بھی تو رہے ہو۔

تم زندہ تھے تو تمھارے طفیل میں آفات و حوادث کو دفع کر لیتی تھی افسوس کہ اب کون اس بڑی مصیبت کو دور کرے گا۔

بعض مقتولوں پر رونا اچھا نہیں لگتا لیکن تجھ پر رونا بے حد قابلِ ستائش ہے۔

(۳)

زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب ربیع الاوّل سے ذیقعدہ تک مختلف مقامات پر بڑی دھوم دھام سے میلے لگایا کرتے تھے۔ بازارِ عکاظ کا میلہ ان میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اس میلے میں عرب قبائل کے تمام رؤسا اور ہر قسم کے اربابِ ہنر و کمال شامل ہوتے۔ قبائل کے نئے سردار چنے جاتے اور باہمی تنازعات کے فیصلے کیے جاتے۔ غرض یہ میلہ نہایت اہم اور مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ عرب کے کونے کونے سے ہر چھوٹا بڑا شاعر اس میں شریک ہوتا اور لوگوں کو اپنا کلام سناتا۔ حضرت خنساءؓ بھی بازارِ عکاظ کے اس اجتماع میں ہر سال شریک ہوتیں۔ جب ان کی آمد ہوتی

تو لوگ اس طرف ٹوٹ پڑتے اور ان کے اونٹ کے گرد گھیرا ڈال کر مرثیے سنانے کے لیے اصرار کرتے۔ جب وہ اپنے کسی مرثیہ کے چند اشعار پڑھتیں۔ تو سامعین فرطِ رنج والم سے دھاڑیں مار مار کر روتے اور یہ سامعین کون ہوتے تھے؟ نہایت سنگدل اور خوفناک بدوی جنگجو جن کے لیے قتل و غارت محض ایک کھیل تھا۔ خنساءؓ کے اشعار سُن کر ان کے دل پگھل جاتے اور سیلِ اشک ان کی آنکھوں سے رواں ہو جاتا۔ یہ سیلِ اشک ان میں جذبۂ انسانیت بیدار کرنے کا باعث بنتا۔

خنساءؓ کو اپنی زبان کے صرف و نحو پر کمال درجہ کا عبور تھا وہ اگرچہ تمام اصنافِ سخن میں یدِ طولیٰ اور مہارت تامہ رکھتی تھیں لیکن مرثیہ گوئی میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں۔ بازارِ عکاظ میں ان کے خیمہ کے دروازے پر ایک جھنڈا نصب ہوتا تھا جس پر یہ الفاظ لکھے ہوتے تھے۔

الخنساء ــــ ارثی العرب

(یعنی عرب کی سب سے بڑی مرثیہ گو خنساء)

بازارِ عکاظ میں عرب کا عظیم ترین شاعر نابغہ ذبیانی بھی آیا کرتا تھا۔ اس کے لیے سُرخ رنگ کا خیمہ نصب کیا جاتا تھا جو سارے میلے میں منفرد ہوتا تھا اس لیے کہ وہ اپنے دور کے شاعروں میں مسلّم الثبوت استاد مانا جاتا تھا اور بڑے بڑے نامی شعراء اسے اپنے اشعار سنانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ جب خنساءؓ پہلی مرتبہ بازارِ عکاظ میں آئیں اور اپنے اشعار نابغہ کو سنائے تو وہ بے اختیار پکار اٹھا۔

"واقعی تو عورتوں میں بڑی شاعرہ ہے اگر میں اس سے پہلے ابو بصیر (اعشیٰ) کے اشعار نہ سُن لیتا تو تجھ کو اس زمانے کے تمام شعراء پر فضیلت دیتا اور کہہ دیتا کہ تو جن و انس سب سے افضل ترین شاعرہ ہے۔" [۱]

---

[۱] کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر حضرت حسانؓ بن ثابت بھی موجود تھے وہ جاہلی دور میں بھی عرب کے چوٹی کے شعراء میں شمار ہوتے تھے اور اسلام لانے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رفتہ رفتہ خنساءؓ کی شاعرانہ عظمت کا چرچا تمام عرب میں پھیل گیا اور نہ صرف ان کے ہم عصر بلکہ بعد کے فحول شعرائے عرب نے بھی ان کی عظمت کا اعتراف کیا۔ حضرت خنساءؓ کے شعر کہنے کا اسلوب سادہ لیکن نہایت دلکش اور اثر انگیز ہے۔ فی الحقیقت فخریہ شعر کہنے اور مرثیہ میں تو مشکل ہی سے کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ علامہ ابن اثیرؒ کہتے ہیں کہ :

"تمام علمائے شعر و سخن اس بات پر متفق ہیں کہ کوئی بھی عورت شعر گوئی میں خنساءؓ کے برابر نہیں ہوئی نہ ان سے پہلے اور نہ ان کے بعد" (اُسد الغابہ)

لیلیائے اخیلیہ کو اپنے دور کی سب سے بڑی عرب شاعرہ مانا گیا ہے لیکن ابن قتیبہ کے نزدیک اس کو خنساءؓ پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنی کتاب طبقات الشعراء میں لکھتے ہیں :

"لیلائے اخیلیہ عورتوں میں سب سے بڑی شاعرہ ہے جس پر کسی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) کے بعد تو انھیں "مداحِ رسول" اور شاعرِ دربارِ نبوّت کی حیثیت سے جو فضیلت اور عظمت حاصل ہوئی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یہ واقعہ ان کی زندگی کے جاہلی دور سے تعلق رکھتا ہے۔ خنساء کے بارے میں نابغہ کے الفاظ سُن کر وہ غصّے سے بیتاب ہو گئے اور کڑک کر کہا :

"تو نے غلط کہا خنساء سے بہتر میرے شعر ہیں۔" نابغہ نے خود جواب دینے کی بجائے خنساء کی طرف دیکھا، انھوں نے حسانؓ سے مخاطب ہو کر کہا : "تمہیں اپنے قصیدہ کے کس شعر پر سب سے زیادہ ناز ہے۔" حسانؓ نے یہ شعر پڑھا ؎

لنا الجفنات الغر یلمعن فی الضحیٰ　　　واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

(یعنی ہمارے پاس بڑے بڑے صاف شفاف برتن ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں اور ہماری تلواریں بلندی سے خون ٹپکاتی ہیں)

حضرت خنساءؓ نے فوراً کہا، یہ شعر سات آٹھ جگہوں پر بلندی (باقی اگلے صفحہ پر)

کو تفوق حاصل نہیں سوائے خنساءؓ کے۔''

بنو امیہ کے دور کے مشہور شاعر جریر (متوفی سنہ ۱۱۱ھ) سے ایک مرتبہ لوگوں نے پوچھا، سب سے بڑا شاعر کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اگر خنساء نہ ہوتی تو میں ہی سب سے بڑا شاعر تھا۔

بشار بن برد نہ صرف خود ایک بہت بڑا شاعر تھا بلکہ کمال درجے کا سخن فہم بھی تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب میں عورتوں کے اشعار دیکھتا ہوں تو ان میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور پاتا ہوں۔ ایک دفعہ لوگوں نے اس سے پوچھا، کیا خنساءؓ کے اشعار بھی خامی سے پاک نہیں؟ اس نے جواب دیا:

''وہ تو مردوں سے بھی بڑھ گئی ہے۔''

حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ عہد بنی امیہ کا مشہور شاعر اخطل (جو اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کی بدولت نابغہ ذبیانی کا ہم رتبہ شمار ہوتا ہے) ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں گیا اور ایک مدحیہ قصیدہ پیش کرنے کی اجازت چاہی عبدالملک ایک صاحب علم اور سخن فہم شخص تھا اس نے جواب دیا۔ اگر تم مجھے شیر اور سانپ سے تشبیہ دینا چاہتے ہو تو میں تمہارے شعر نہیں سنوں گا ہاں اگر تم خنساءؓ کے کلام جیسے اشعار پیش کرنا چاہتے ہو تو کرو۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) سے گر گیا ہے۔ جفنات کا اطلاق دس سے کم پر ہوتا ہے اس کی جگہ جفان بہتر تھا۔ غر پیشانی کی سفیدی کو کہتے ہیں اس کے بجائے بیض کا لفظ موزوں تھا یلمعن ایک عارضی چمک کو کہتے ہیں اس کے بجائے یشرقن بہتر تھا۔ کیونکہ اشراق لمعان سے زیادہ دیرپا ہے۔ ضحیٰ سے دجی بہتر تھا کیونکہ روشنی سیاہی میں زیادہ قابل وقعت ہوتی ہے۔ اسیاف جمع قلت کا صیغہ ہے، سیوف کہنا چاہیے تھا۔ یقطرن میں وہ خوبی نہیں جو یسلن میں ہے۔ اسی طرح بمقابلہ لفظ دم کے دماء میں کثرت کا مفہوم ہے۔ حضرت حسانؓ خنساءؓ کے اعتراضات سن کر خاموش ہو گئے۔

(۴)

حضرت خنساءؓ کا آغازِ پیری تھا کہ فاران کی چوٹیوں سے آفتاب رسالتؐ طلوع ہوا اور عرب کا گوشہ گوشہ اُس کے نور سے جگمگانے لگا۔ لیکن وائے بدبختی کہ اہلِ مکہ میں سے اکثر نے اس نورِ ہدایت کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں اور حق کے چراغ کو پھونکوں سے بجھانے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ یہ چراغ جسے خود اللہ تعالیٰ نے روشن کیا تھا ان سے کیا بجھتا تھا البتہ اپنے کرتوتوں کے باعث وہ عارضی طور پر اس کی برکات و انوار سے محروم ہوگئے۔ دوسری طرف تین سو میل دُور اہلِ یثرب کی قسمت میں یہ سعادت عظمیٰ لکھی ہوئی تھی کہ انھوں نے اس متاعِ بے بہا کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے اور اپنی جانوں اور مالوں کو مکہ کے دُرِّ یتیمؐ کے قدموں میں لا ڈالا چنانچہ جب یثرب حضورؐ کے نزولِ اجلال کے بعد مدینۃ النبیؐ بن گیا تو اسلام کو ایک مرکز میسّر آگیا اور پیغامِ حق آہستہ آہستہ عرب کے تمام اطراف واکناف میں پھیلنے لگا۔ حضرت خنساءؓ کے کانوں میں بھی اس پیغام کی بھنک پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں فطرتِ سعید سے نوازا تھا۔ یہ پیغام سنتے ہی دل و دماغ کی دنیا بدل گئی۔۔ اپنے قبیلے کے چند آدمیوں کو ساتھ لیا منزلوں پر منزلیں مارتی مدینہ منورہ پہنچیں اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اسلام کی دولتِ لازوال سے مالا مال ہوگئیں۔ علامہ ابنِ اثیرؒ اور حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ اس موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دیر تک ان کا فصیح و بلیغ کلام سنتے رہے۔ وہ سناتی جاتی تھیں اور حضورؐ فرماتے جاتے تھے۔ ”شاباش اے خنساءؓ۔“

قبولِ اسلام کے بعد وہ اپنے قبیلہ میں واپس تشریف لے گئیں اور لوگوں کو پیغامِ رسالت پہنچا کر اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ زبان میں بڑی تاثیر تھی چنانچہ بے شمار لوگوں نے ان کی تبلیغ سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرلیا۔ اس کے بعد وہ وقتاً فوقتاً مدینہ منورہ آتیں اور رحمتِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر فیضانِ نبویؐ سے

مقدور بھر بہرہ یاب ہوتیں۔

(۵)

اسلام لانے کے بعد بھی حضرت خنساءؓ کے دل سے اپنے محبوب بھائیوں بالخصوص صخر کی یاد محو نہ ہوسکی۔ وہ ایام جاہلیت کے دستور کے مطابق صخر کے سوگ میں ہمیشہ اپنے سر پر بالوں کا ایک گچھا (یا سر بند) باندھے رہتی تھیں۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھا کہ حضرت خنساءؓ کعبہ کا طواف کر رہی ہیں اور سر پر سوگ کی علامت کے طور پر سر بند باندھ رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بلا کر فرمایا کہ اسلام اس قسم کے سوگ کی اجازت نہیں دیتا۔ انھوں نے عرض کیا:

"امیر المومنین کسی عورت پر غم والم کا ایسا پہاڑ نہ ٹوٹا ہوگا میں اسے کیسے برداشت کروں۔"

حضرت عمرؓ نے انھیں دلاسا دیتے ہوئے فرمایا:

"اس دنیا میں لوگوں کو اس سے بھی بڑے مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ذرا ان کے دلوں میں جھانک کر تو دیکھو۔ جس چیز کو اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے اس کو اختیار کرنا معصیت ہے۔"

اس کے بعد حضرت خنساءؓ نے سوگ کی علامت ترک کر دی لیکن صخر کو بھلانا ان کے بس کی بات نہ تھی اس کی یاد میں ان کا رونا دھونا برابر جاری رہا لیکن اب اس نے دوسری صورت اختیار کرلی۔ کہا جاتا ہے کہ قبولِ اسلام کے بعد وہ اس قسم کے شعر پڑھا کرتی تھیں۔

کنت ابکی لہ من الثار　　　　وانا الیوم ابکی لہ من النار

(یعنی پہلے تو میں صخر کو بدلہ لینے کی خاطر رویا کرتی تھی اور اب اس لیے روتی ہوں کہ وہ قتل ہو گیا اور اسلام نہ لاسکا اور اب جہنم کی آگ میں جلتا ہوگا)

حافظ ابنِ حجرؒ نے اس سلسلہ میں یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت خنساءؓ

کبھی کبھی اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں، ان کے سر پر ہمیشہ بالوں کا ایک گچھا بندھا ہوتا جو عرب میں انتہائے غم کا مظہر ہوتا تھا۔ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس طرح کا سر بند باندھ کر سوگ منانا اسلام میں منع ہے۔حضرت خنساءؓ نے جواب دیا :

"اُم المومنین یہ سر بند باندھنے کی ایک خاص وجہ ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے پوچھا : "وہ کیا ؟"

حضرت خنساءؓ نے کہا :

"اُم المومنین میرا خاوند انتہائی فضول خرچ اور قمار باز تھا۔اس نے اپنا تمام زر و مال جوئے میں ہار دیا اور ہم دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ جب میرے بھائی صخر کو میری حالت کا پتہ چلا تو اس نے اپنے تمام مال کا بہترین نصف مجھے دے دیا۔جب میرے شوہر نے اسے بھی ضائع کر دیا تو میرے بھائی نے اپنے بقایا کا بہترین نصف پھر مجھے دے دیا صخر کی بیوی اس پر معترض ہوئی کہ تم اپنے مال کا بہترین حصہ اپنی بہن کو دیتے ہو اور اس کا شوہر اسے قمار بازی میں تلف کر دیتا ہے۔یہ سلسلہ آخر کب تک چلے گا۔

میرے بھائی نے جواب دیا، خدا کی قسم میں اپنی بہن کو اپنے مال کا بدترین حصّہ نہیں دوں گا۔وہ پاک دامن ہے اور میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں اس کے ننگ و عار کا لحاظ رکھوں۔اگر میں مر جاؤں گا تو وہ اپنی اوڑھنی میرے غم میں چاک کر ڈالے گی اور میرے سوگ میں اپنے سر پر بالوں کا سر بند باندھے گی۔"

چنانچہ میں یہ سر بند اپنے شجاع اور سخی بھائی کی یاد میں باندھتی ہوں۔

بہر صورت حضرت عمر فاروقؓ یا حضرت عائشہ صدیقہؓ کی تنبیہ کے بعد انھوں نے یہ سر بند باندھنا چھوڑ دیا اور رضائے الٰہی پر شاکر ہو گئیں۔

(۶)

حضرت خنساءؓ کی زندگی کا سب سے تابناک واقعہ وہ ہے جس میں وہ اپنے چاروں بیٹوں کو ساتھ لے کر جنگِ قادسیہ میں شریک ہوئیں، اس کی تفصیل اوپر بیان کی جا چکی ہے۔ یہ چاروں بچے ان کا عصائے پیری تھے (بالخصوص بعض اہل سِیَر کے اس بیان کے پیشِ نظر کہ شدتِ غم اور کثرتِ الم سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں) لیکن جب ان چاروں کی شہادت کی خبر سنی تو جزع فزع کے بجائے ان کی زبان سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔ الحمد للہ الذی شرفنی بقتلھم ------ اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ان کے (راہِ خدا میں) قتل ہونے کا شرف بخشا۔

یہ الفاظ ان کے ایمانِ محکم اور صبر و رضا پر دال ہیں۔

حضرت خنساءؓ کے یہ بچے جنگِ قادسیہ سے پہلے کئی دوسری لڑائیوں میں بھی دادِ شجاعت دے چکے تھے اور حکومت کی طرف سے ہر ایک کے نام دو سو درہم سالانہ وظیفہ مقرر تھا۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓ نے یہ وظیفہ حضرت خنساءؓ کے نام منتقل کر دیا۔

اسلام کی اس جلیل القدر خاتون نے ایک روایت کے مطابق جنگِ قادسیہ کے سات آٹھ سال بعد ۲۴ھ میں وفات پائی اور ایک دوسری روایت کے مطابق انھوں نے امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں کسی بادیہ میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ واللہ اعلم بالصواب

مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر الصحابیات میں لکھا ہے کہ حضرت خنساءؓ کا ضخیم دیوان مع شرح ۱۸۸۸ء میں بیروت سے چھپا۔ اس میں حضرت خنساءؓ کے علاوہ ساٹھ دوسری خواتین کے کہے ہوئے مرثیے بھی شامل ہیں۔ ۱۸۸۹ء میں اس کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوا اور دوبارہ طبع کیا گیا۔

مولانا محمد نعیم ندوی صدیقی (اعظم گڑھ) نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ حضرت خنساءؓ کے دیوان کی شرح ایک عیسائی "الاب لویس الیسوعی" نے انیس الجلساء کے نام سے لکھی تھی۔ یہ شرح مطبع کاتھولیکیہ بیروت سے ۱۸۹۶ء

میں شائع ہوئی۔ اسے دیوانِ خنساءؓ کے ۶ قدیم قلمی نسخوں سے پوری صحت کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے شروع میں ایک مبسوط اور دقیع مقدمہ بھی ہے جو بجائے خود ایک خاصے کی چیز ہے۔ (ماہنامہ فاران کراچی۔ جولائی ۱۹۶۷ء)

اگرچہ حضرت خنساءؓ سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے لیکن ان کا شمار جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آخر جن کے حسنِ کلام کی خود سید المرسلین رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف وتحسین فرمائی ہو ان کی جلالتِ قدر اور علوِ مرتبت میں شک بھی کیا ہو سکتا ہے؟ اور پھر حضرت خنساءؓ نے راہِ حق میں اپنے جگر کے ٹکڑوں کی شہادت پر جس بے مثال صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا اس نے بلاشبہ ان کے نام کو جریدۂ عالم پر دوام کا مستحق بنا دیا۔ ملتِ اسلامیہ اگر تا ابد ان پر ناز کرتی رہے تو وہ بجا طور پر اس کی مستحق ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت امیہ غفاریہ رضؓ

ان کا تعلق بنو غفار سے تھا۔ مدارج النبوۃ میں ہے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر کا ارادہ کیا تو وہ چند خواتین کے ساتھ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہم چاہتی ہیں کہ آپ کے ساتھ میدانِ جہاد میں جائیں، زخمیوں کا علاج معالجہ کریں اور حتی المقدور ہر طرح کی امداد مجاہدین کو پہنچائیں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تجویز منظور فرمالی اور بہت سی خواتین ان کی تحریک سے جہاد میں شریک ہوئیں۔

حضرت لیلیٰ رضؓ بنتِ ابی حثمہ

حضرت اُمِ عبداللہ لیلیٰؓ بنتِ ابی حثمہ کا تعلق قریش کے خاندان بنو عدی سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

لیلیٰؓ بنتِ ابی حثمہ بن حذیفہ بن غانم بن عامر بن عبداللہ بن عبید بن

عویج بن عدی بن کعب بن لوئیؓ۔

ان کا نکاح حضرت عامرؓ بن ربیعۃ العنزی سے ہوا۔ وہ بنی عنز بن وائل میں سے تھے اور بنو عدی کے حلیف تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے والد خطّاب نے ان کو فرطِ محبت سے اپنا بیٹا بنا رکھا تھا۔

دونوں میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا، انہوں نے دعوتِ حق کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبول اسلام کا شرف حاصل کیا اور مشرکین کے جَور و ستم کا نشانہ بن گئے۔ جب کفارِ مکّہ کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا تو میاں بیوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء پر ۵ بعدِ بعثت میں ہجرتِ حبشہ کا قصد کیا۔ حضرت لیلیٰؓ اونٹ پر سوار ہونے کو تھیں (یا ہو چکی تھیں) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے۔ وہ ابھی تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے تھے۔ انہوں نے حضرت لیلیٰؓ سے پوچھا، اُمِّ عبداللہ کدھر کی تیاری ہے؟ انہوں نے جواب دیا، تم لوگوں نے ہم کو بہت ستایا ہے اس لیے ہم گھر بار کو خیر باد کہہ رہے ہیں۔ خدا کا ملک تنگ نہیں ہے جہاں سینگ سمائیں گے چلے جائیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مخلصی کی کوئی صورت پیدا نہ کرے وطن سے دُور ہی رہیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان پر بہت ترس آیا اور کہا "صَحِبَکُمُ اللّٰہُ" (اللہ تمہارے ساتھ ہو) جب وہ چلے گئے تو حضرت لیلیٰؓ کے شوہر عامرؓ بن ربیعہ بھی آ پہنچے۔ حضرت لیلیٰؓ نے ان کو یہ واقعہ سنایا تو بولے: "عمر اس وقت تک مسلمان نہ ہوں گے جب تک خطّاب کا گدھا ایمان نہ لائے گا۔" گویا ان کے نزدیک جس طرح گدھے کا قبولِ اسلام ناممکنات میں سے ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ کا شرفِ ایمان سے بہرہ یاب ہونا بھی ناممکن تھا۔ لیکن حضرت لیلیٰؓ نے کہا کہ "مجھے دیکھ کر عمرؓ پر سخت رقت طاری ہو گئی تھی کیا خبر اللہ ان کا دل پھیر دے۔"

حضرت عامرؓ نے فرمایا، کیا تم یہ چاہتی ہو کہ عمرؓ ایمان لے آئیں؟ حضرت لیلیٰؓ نے کہا، "ہاں۔"

یہ واقعہ تھوڑے بہت لفظی اختلاف کے ساتھ متعدد اہل سیر نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لیلیٰؓ کی تمنایوں پوری کی کہ اگلے ہی سال حضرت عمرؓ سعادت اندوزِ ایمان ہو گئے اور اسلام کے قوی دست و بازو بن گئے۔

حضرت لیلیٰؓ اور حضرت عامرؓ کو حبش گئے ہوئے صرف تین ہی مہینے گزرے تھے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین مکہ کے مابین مصالحت کی خبر مشہور ہو گئی۔ مہاجرین حبشہ نے یہ خبر سنی تو ان کا ایک گروہ شوال ۵ ؁ بعد بعثت میں مکہ واپس آگیا۔ اس میں حضرت لیلیٰؓ اور حضرت عامرؓ بھی شامل تھے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر واپس آنے والے اصحاب کو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی لیکن اب انہوں نے اُلٹے پاؤں واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور قریش کے کسی نہ کسی سردار کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہو گئے۔ حضرت عامرؓ بن ربیعہ اور حضرت لیلیٰؓ نے عاص بن وائل سہمی کی پناہ حاصل کی۔ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں پر مشرکین کے ظلم و ستم میں اور شدت پیدا ہو گئی۔ اس پر حضورؐ نے پھر ہدایت فرمائی کہ مظلوم لوگ حبش کی طرف ہجرت کر جائیں۔ چنانچہ ۶ ؁ بعد بعثت کے آغاز میں تقریباً ایک سو مظلومین کا ایک قافلہ عازم حبشہ ہو گیا۔ اس دوسری ہجرت حبشہ کے مہاجرین کی فہرست میں بھی تمام اہل سیر نے حضرت عامرؓ اور حضرت لیلیٰؓ کا نام صراحت کے ساتھ لیا ہے۔ حبشہ میں چند سال غریب الوطنی کی زندگی گزارنے کے بعد حضرت عامرؓ اور حضرت لیلیٰؓ کچھ دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آگئے اور پھر چند دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اذن پاکر مدینہ منورہ کی طرف مستقل ہجرت کر گئے۔ علامہ ابن سعد کاتب الواقدی کا بیان ہے کہ مدینہ منورہ کو ہجرت کرنے والی خواتین میں حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔

مؤرخ ابن اثیر نے حضرت لیلیٰؓ کے اس امتیاز کا ذکر بھی خصوصیت سے کیا ہے کہ قدیم الاسلام ہونے کی بناء پر انہیں قبلہ اول (بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ (فی الحقیقت یہ امتیاز سارے ہی سابقین اولین

کو حاصل ہے)۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت لیلیٰؓ بنت ابی حثمہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے کمسن فرزند سے کہا: "یہاں آؤ میں تم کو کچھ دوں گی۔"

حضورؐ نے پوچھا تم اس کو کیا دینا چاہتی تھیں۔"

عرض کیا "کھجور"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم اس کو کچھ نہ دیتیں تو میں تم کو جھوٹا سمجھتا۔"

سالِ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کی تفصیل نہیں ملتی۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ صفوان

حضرت فاطمہؓ بنتِ صفوان بنی کنانہ میں سے تھیں۔ ان کا نکاح حضرت عمروؓ بن سعید العاص اموی سے ہوا۔ دونوں میاں بیوی بعد بعثت کے ابتدائی سالوں میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئے اور سابقین اولین میں شمار ہوئے۔ اگرچہ حضرت عمروؓ بن سعید کا شمار بنو امیہ کے ذی وجاہت لوگوں میں ہوتا تھا لیکن مشرکین نے انہیں بھی اسلام لانے کے جرم میں مکہ میں چین سے نہ بیٹھنے دیا اور وہ اپنی اہلیہ سمیت ۶ سنہ بعد بعثت میں حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت فاطمہؓ نے قیامِ حبشہ کے دوران میں قضائے الٰہی سے وفات پائی اور دار الہجرت ہی میں پیوندِ خاک ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ مُجَلّل عامریہ

حضرت فاطمہؓ بنت مُجَلّلِ عامریہ اُن جلیل القدر صحابیات میں سے ہیں جو

بعد بعثت کے پہلے تین سالوں کے دوران میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئیں۔ اِن کا نکاح حضرت حاطبؓ بن حارث جمحی سے ہوا جو انہی کی طرح سابقین اسلامؓ میں سے تھے۔ جب کفارِ مکہ نے انہیں بہت ستایا تو دونوں میاں بیوی اپنے دو بیٹوں محمدؓ بن حاطبؓ اور حارثؓ بن حاطبؓ کو لے کر ہجرتِ ثانیہ میں دوسرے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ حبش چلے گئے۔ قیامِ حبشہ کے دوران میں حضرت حاطبؓ بن حارث نے وفات پائی اور سرزمینِ حبش ہی ان کی ابدی آرام گاہ بنی۔ حضرت فاطمہؓ اپنے بیٹوں کے ہمراہ ۷ ہجری میں مدینہ منورہ واپس آئیں۔

اُن کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت عَمرہؓ بنت السعدی

بعض روایتوں میں ان کا نام عُمیرہ اور بعض میں عُمرہ آیا ہے۔ اُن کا نکاح اُمّ المومنین حضرت سودہؓ بنتِ زمعہ کے حقیقی بھائی حضرت مالکؓ بن زمعہ سے ہوا۔ دونوں میاں بیوی سابقین اولین میں سے ہیں اور دونوں کو ۶ سنہ بعدِ بعثت میں ہجرتِ حبشہ کا شرف حاصل ہے۔ ابنِ ہشام کے بیان کے مطابق حضرت عمرہؓ اپنے خاوند حضرت مالکؓ بن زمعہ کے ہمراہ غزوۂ خیبر کے موقع پر حبش سے مدینہ منورہ واپس آئیں۔ اس سے زیادہ حالات نہیں ملتے۔

حضرت زینبؓ بنتِ مظعون

ان کا تعلق بنو جُمح سے تھا۔ ابنِ اثیر نے شجرۂ نسب یوں لکھا ہے:

زینبؓ بنت مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوئی بن غالب۔

کعب بن لوئی پر ان کا سلسلۂ نسب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے سے مل جاتا ہے۔ سیدنا حضرت عمرؓ بن خطاب سے نکاح ہوا اور غالباً انہی کے ساتھ (۶ سنہ بعدِ بعثت میں) نہایت نامساعد حالات میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں۔

اپنے جلیل القدر شوہر کے ساتھ ہی ۱۳ سنہ بعدِ بعثت میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کا ثبوت حضرت عمر فاروقؓ کی اس روایت سے ملتا ہے جس میں وہ اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کی نسبت فرماتے ہیں کہ "ان کو تو ان کے والدین نے اپنے ساتھ لے کر ہجرت کی تھی"۔

فقیہِ اسلام حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ حضرت زینبؓ بنتِ مظعون ہی کے بطن سے تھے۔ ان کے تین بھائیوں حضرت عثمانؓ بن مظعون، حضرت عبداللہؓ بن مظعون اور حضرت قدامہؓ بن مظعون کا شمار جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ تینوں سابقین اوّلین اور اصحاب بدر میں سے ہیں۔

حضرت زینبؓ بنت مظعون کے سالِ وفات کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک روایت میں ہے کہ وفات کے وقت وہ مکہ معظمہ میں تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ربیطہؓ بنت الحارث

ان کا تعلق بنو تیم سے تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ماموں زاد بھائی حارثؓ بن خالد تیمی سے نکاح ہوا۔ دونوں میاں بیوی دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں اسلام لائے اور سابقون الاولون میں شمار ہوئے۔

جب اسلام لانے کے جرم میں مشرکینِ قریش نے اہلِ حق پر جینا دوبھر

کر دیا۔ تو حضورؐ کے ایما پر مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کر دیا۔ حضرت ریطہؓ اور ان کے شوہر حضرت حارثؓ بن خالد بھی دوسری ہجرت حبشہ میں حبش چلے گئے۔ حبشہ میں حضرت ریطہؓ کے بطن سے حضرت حارثؓ کا ایک لڑکا موسیٰ اور تین لڑکیاں عائشہ، زینب اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ حضورؐ کی ہجرت مدینہ کے کچھ عرصہ بعد حضرت حارثؓ بن خالد نے بھی اپنے اہل و عیال کے ہمراہ حبش سے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ اثنائے راہ میں ایک جگہ سارے خاندان نے پانی پیا، اس میں سمیت تھی، حضرت ریطہؓ اور ان کے چاروں بچے اس کے اثر سے جاں بحق ہو گئے البتہ حضرت حارثؓ بچ گئے اور راہِ خدا میں سارے گھر کو فنا کر کے تنِ تنہا مدینہ منورہ پہنچے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی رودادِ غم بیان کی تو حضورؐ نے ان کو صبر کی تلقین فرمائی اور ایک دوسری جگہ ان کا نکاح کر دیا۔

حضرت حسنہؓ

ان کے حسب و نسب اور خاندان کے بارے میں کتب سیر خاموش ہیں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ جلیل القدر صحابی حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کی والدہ تھیں اور خود بھی عظیم المرتبت صحابیات میں شمار ہوتی ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کا نکاح عبداللہ بن عمرو بن مطاع کندی سے ہوا۔ ان کے صلب سے حضرت شرحبیلؓ پیدا ہوئے۔ وہ ابھی کمسن ہی تھے کہ عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ قیاس یہ ہے کہ حسنہ اسی زمانے میں اپنے نو عمر یتیم بچے کو ساتھ لے کر اپنے وطن سے مکہ آئیں اور بنو جمح کے ایک صاحب سفیانؓ بن معمر سے نکاح کر لیا۔ یہ بعثت نبویؐ سے پچیس تیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ چونکہ اہلِ مکہ کو حضرت شرحبیلؓ کے آباؤ اجداد سے چنداں واقفیت نہ تھی اس لیے وہ انہیں ان کی ماں کی نسبت سے "شرحبیل بن حسنہؓ" پکارنے

لگے۔ حضرت سفیان بن معمر جمحی کے صُلب سے حضرت حسنہؓ کے دو بیٹے جابرؓ اور جنادہؓ پیدا ہوئے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے نہایت سعید فطرت سے نوازا تھا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو حضرت سفیانؓ، حضرت حسنہؓ، حضرت شرحبیلؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت جنادہؓ سب نے بغیر کسی تامل کے حضورؐ کی دعوت پر لبیک کہا۔ گویا پورے کا پورا کنبہ اسلام کی نعمتِ عظمیٰ سے بہرہ ور ہو گیا۔ اس شرف میں بہت کم خاندان ان کے شریک و سہیم ہیں۔ چند سال بعد حضورؐ نے صحابہ کرام کو کفار کے مظالم سے بچنے کے لیے حبش جانے کا مشورہ دیا تو ۶ سنہ بعد بعثت میں حضرت حسنہؓ نے بھی اپنے شوہر اور بیٹوں کے ہمراہ حبشہ کی غریب الوطنی اختیار کی۔ اس طرح پورے گھرانے نے اللہ کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑ دیا۔ حضرت حسنہؓ تقریباً تیرہ سال تک حبش میں مقیم رہیں اور غزوۂ خیبر کے موقع پر اپنے اہل خاندان کے ہمراہ مدینہ منورہ واپس آئیں۔ سالِ وفات اور مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت اُمینہؓ بنتِ خلف الخزاعیہ

بعض نے ان کا نام اُمیمہ اور بعض نے ہمینہ لکھا ہے ان کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔ جلیل القدر صحابی حضرت خالدؓ بن سعید بن عاص اموی سے نکاح ہوا۔ دونوں میاں بیوی سابقین اولین میں سے ہیں۔

حضرت اُمینہؓ نے ۶ سنہ بعد بعثتِ نبوی میں اپنے شوہر کے ہمراہ حبش کی طرف ہجرت کی۔ وہیں ان کے صاحبزادے سعیدؓ اور صاحبزادی اُمِ خالدؓ پیدا ہوئیں۔ ان دونوں کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔

حضرت اُمینہؓ غزوۂ خیبر کے زمانے میں اپنے شوہر اور بچوں کے ہمراہ مدینہ منورہ آئیں اور باقی زندگی یہیں گزاری۔ سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

حضرت سہلہؓ بنتِ سہیلؓ بن عمرو

حضرت سہلہؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ وہ قریش کے خاندان بنی عامر بن لوئیؒ سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

سہلہؓ بنت سہیل بن عمرو بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئیؒ

حضرت سہلہؓ کے والد سہیلؓ بن عمرو رؤسا قریش میں سے تھے اور اپنی طلاقتِ لسانی کی بدولت خطیب قریش کے لقب سے مشہور تھے۔ وہ اپنی فصیح و بلیغ اور زوردار تقریروں سے بڑے بڑے مجمعوں کو متحرک کر دیتے تھے۔ بدقسمتی سے ان کا سارا زورِ بیان اور ملکہ خطابت فتح مکہ تک اسلام کے خلاف صرف ہوتا رہا۔ خدا کی قدرت سہیل جس قدر اسلام کی مخالفت میں سرگرم تھے، ان کی اولاد اسی قدر اسلام کی والہ و شیدا تھی۔ ان کی دو بیٹیاں سہلہؓ اور اُمِ کلثومؓ اور دو بیٹے عبداللہؓ اور ابو جندل عاصؓ ان سعادت مند رُوحوں میں سے تھے جنہوں نے بعد بعثت کے بالکل ابتدائی زمانے میں دعوت توحید پر لبیک کہا۔ حضرت سہلہؓ کی شادی رئیس قریش عتبہ بن ربیعہ کے فرزند ابو حذیفہ ہاشمؓ سے ہوئی۔ وہ بھی سابقین اوّلین کی مقدس جماعت میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ دونوں میاں بیوی قریش کے مقتدر خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود کفار کے دستِ تظلم سے محفوظ نہ رہ سکے اور ۵ سنہ بعد بعثت میں حضورؐ کے ایما پر حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں دو تین مہینے ہی گزرے تھے کہ انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین قریش کے مابین صلح ہو جانے کی خبر سنی۔ یہ خبر سُن کر وہ چند دوسرے مہاجرین حبشہ کے ہمراہ عازم مکہ ہو گئے۔ ابھی مکہ کے راستے میں ہی تھے کہ انہیں اس خبر کے غلط ہونے کی اطلاع ملی۔ لیکن اب انہوں نے واپس جانا مناسب نہ سمجھا اور اُمیہ بن خلف کی حمایت حاصل کر کے مکہ میں داخل ہو گئے۔

علامہ طبریؒ کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت سہلہؓ اور حضرت ابوحذیفہؓ ہجرت مدینہ تک مکہ ہی میں مقیم رہے لیکن ابن اسحاقؒ اور بعض دوسرے اہل سیر نے لکھا ہے کہ وہ ۵ سنہ بعد بعثت میں دوبارہ ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ وہیں ان کے فرزند محمدؓ بن ابوحذیفہؓ پیدا ہوئے۔

حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے ۳۳ مردوں اور آٹھ عورتوں پر مشتمل ایک جماعت حبشہ سے مکہ واپس آگئی۔ اس میں حضرت سہلہؓ، حضرت ابوحذیفہؓ اور ان کے فرزند محمدؓ بھی شامل تھے۔ کچھ عرصہ بعد جب حضورؐ نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دیا تو حضرت سہلہؓ، ان کے شوہر اور فرزند اپنے آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ کے ہمراہ مکہ سے مستقل ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور پھر ساری زندگی وہیں گزاری۔ حضرت سالمؓ جو سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ کے نام سے مشہور ہیں، اصل میں حضرت ابوحذیفہؓ کی ایک دوسری بیوی حضرت ثبیتہؓ بنت یعار انصاریہ کے غلام تھے انھوں نے آزاد کر دیا، تو حضرت ابوحذیفہؓ نے ان کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ اور وہ لوگوں میں سالمؓ بن ابوحذیفہؓ کے نام سے مشہور ہو گئے لیکن جب یہ حکم نازل ہوا: اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ (یعنی لوگوں کو اپنے اصل باپوں کی نسبت سے پکارو) تو لوگ حضرت سالمؓ کو سالمؓ مولیٰ ابوحذیفہؓ کہنے لگے۔

مسند ابوداؤد میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوحذیفہؓ کو حضرت سالمؓ کا اپنے گھر میں آنا جانا ناگوار گزرنے لگا۔ چنانچہ حضرت سہلہؓ، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سالم کو ہم اپنا بیٹا سمجھتے تھے اور وہ بچپن سے ہمارے گھر میں آتا جاتا تھا لیکن اب ابوحذیفہ کو اس کا ہمارے گھر میں داخل ہونا ناگوار گزرتا ہے۔"

ارشاد ہوا۔ اس کو اپنا دودھ پلا دو، تو وہ تمہارا محرم ہو جائے گا۔ غرض اس طرح حضرت سالمؓ، حضرت ابوحذیفہؓ اور حضرت سہلہؓ کے رضاعی فرزند ہو گئے۔

اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ یہ صرف حضرت سالمؓ کے لیے مخصوص اجازت تھی۔ ورنہ جوانی کی حالت میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

حضرت ابو حذیفہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں یمامہ کی مشہور جنگ میں شہادت پائی۔ ان کی شہادت کے بعد کچھ عرصہ بعد حضرت سہلہؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے نکاح کر لیا۔

سالِ وفات اور مزید حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔

حضرت اُمِّ کلثومؓ بنتِ سہیلؓ بن عمرو

حضرت اُمِّ کلثومؓ بنتِ سہیلؓ، حضرت سہلہؓ بنتِ سہیلؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ ان کا شمار بھی نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ بعدِ بعثت کے بالکل ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں۔ ان کی شادی حضرت ابو سبرہؓ بن ابی رُہم سے ہوئی جو ان کے ہم جد تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی برّہ بنتِ عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ انہیں بھی سابقین اوّلین کی مقدس جماعت کا ایک معزز رکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تمام اہلِ سیر نے ۵ھ بعدِ بعثت میں پہلی بار حبش کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرین کی فہرست میں حضرت ابو سبرہؓ کا نام صراحت کے ساتھ لیا ہے۔ البتہ حضرت اُمِّ کلثومؓ کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ پہلی ہجرتِ حبشہ میں اپنے شوہر کے ہمراہ حبش گئیں یا دوسری میں۔ زرقانیؒ نے بعض سیرت نگاروں کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ وہ مہاجرینِ حبشہ کے پہلے قافلے میں شامل تھیں۔ حضرت ابو سبرہؓ تین ماہ کے بعد حبش سے مکہ واپس آگئے اور اخنس بن شریق کی پناہ حاصل کر لی۔ کچھ عرصہ بعد مہاجرین کے دوسرے قافلے نے حبش کا قصد کیا تو حضرت ابو سبرہؓ اور حضرت اُمِّ کلثومؓ بھی اس کے ساتھ دوبارہ حبش چلے گئے۔

تقریباً چھ سات سال تک غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلنے کے بعد دونوں میاں بیوی حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکہ واپس آ گئے اور پھر حضورؐ کا اذن پاکر ہجرت مدینہ کی سعادت حاصل کی۔ حضرت ابو سبرہؓ عہدِ رسالت میں مدینہ منورہ میں ہی مقیم رہے۔ حضورؐ کے وصال کے بعد وہ مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے مکہ آ گئے اور باقی زندگی یہیں گزاری۔ ظاہر ہے کہ حضرت اُمِ کلثومؓ بھی ان کے ساتھ ہوں گی۔
حضرت اُمِ کلثومؓ کا سال وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِ زیاد اشجعیہؓ

ان کا تعلق بنو اشجع سے تھا۔ صحیح مسلم اور مسند ابوداؤد میں ہے کہ انہوں نے پانچ دوسری خواتین کے ساتھ غزوۂ خیبر میں چرخہ کات کر مسلمانوں کی مدد کی تھی۔ وہ میدان سے تیر اٹھا کر لاتی تھیں، اور مجاہدین کو ستو پلاتی تھیں۔
علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ طب اور جراحی میں بھی مہارت رکھتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کیا کرتی تھیں۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِ قیسؓ بنتِ محصن

بنو اسد بن خزیمہ میں سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
اُمِ قیسؓ بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کبیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔
حضرت اُمِ قیسؓ اور ان کے بھائی حضرت عُکاشہؓ بن محصن اور حضرت عمروؓ

بن محصن ہجرتِ نبویؐ سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئے۔ ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا اِذن دیا تو حضرت اُمِ قیسؓ بھی اپنے بھائیوں اور دوسرے قدح خوارانِ توحید کے ساتھ مدینہ پہنچیں۔

حضرت اُمِ قیسؓ سے ۲۴ احادیث مروی ہیں۔ مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت لیلیٰ غفاریہؓ

ان کا تعلق بنو غفار سے تھا۔ نہایت مخلص صحابیہ تھیں۔ طب اور جراحی میں مہارت رکھتی تھیں۔ طبرانیؒ نے خود ان سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوات میں شریک ہوتی تھی اور زخمیوں کا علاج کرتی تھی مشہور صحابی حضرت ابو ذر غفاریؓ کی اہلیہ کا نام بھی لیلیٰ تھا۔ اہلِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی یہ لیلیٰ ان کی زوجہ تھیں یا کوئی اور۔

مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت ضباعہؓ بنتِ زبیر

بنو ہاشم میں سے تھیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زبیر بن عبد المطلب کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا نکاح مشہور صحابی حضرت مقدادؓ بن عمرو الاسود سے ہوا۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں ایک دلچسپ روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مقدادؓ سے ایک مرتبہ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ تم شادی کیوں نہیں کرتے۔ مقدادؓ بڑے سادہ مزاج اور صاف گو تھے انہوں نے سادگی سے جواب

دیا۔ "تم اپنی لڑکی سے بیاہ دو" اس پر حضرت عبدالرحمنؓ سخت ناراض ہوئے اور انہیں سخت سست کہا۔ حضرت مقدادؓ نے دربارِ نبوت میں شکایت کی تو حضورؐ نے فرمایا۔ اگر کسی کو تمہیں اپنی بیٹی دینے سے انکار ہے تو ہونے دو۔ میں تمہیں اپنی بنت عم سے بیاہوں گا۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت ضباعہؓ کا نکاح حضرت مقدادؓ سے کر دیا۔ ان سے ایک لڑکی کریمہؓ پیدا ہوئیں۔ ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت اُمِّ ایوبؓ انصاریہ

اصل نام معلوم نہیں اپنی کنیت "اُمِّ ایوب" سے مشہور ہیں۔ میزبانِ رسولؐ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اہلیہ تھیں۔ ہجرتِ نبوی سے قبل اپنے شوہر کے ساتھ ہی اسلام قبول کیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سات ماہ تک حضرت ابوایوبؓ کے گھر میں قیام فرمایا۔ اس دوران میں حضرت امِ ایوبؓ ہی حضورؐ کا کھانا تیار کیا کرتی تھیں۔ ابتداء میں حضورؐ نے حضرت ابوایوبؓ کے مکان کی زیریں منزل میں قیام فرمایا۔ حضرت ابوایوبؓ اور اُمِّ ایوبؓ اگرچہ حضورؐ کی اپنی خواہش کے مطابق بالاخانہ میں منتقل ہو گئے تھے مگر دونوں میاں بیوی کو ہر وقت یہ خیال مضطرب رکھتا تھا کہ وہ تو بالائی منزل میں مقیم ہیں اور مہبطِ وحی و رسالتؐ نچلی منزل میں۔ ابنِ ہشام کا بیان ہے کہ ایک روز بالاخانے پر پانی سے بھرا ہوا برتن پھوٹ گیا۔ میاں بیوی اس خیال سے بے قرار ہو گئے کہ پانی بہہ کر نیچے جائے گا اور حضورؐ کو تکلیف ہوگی۔ گھر میں اوڑھنے کا ایک ہی لحاف تھا۔ انہوں نے فی الفور یہ لحاف گھسیٹ کر پانی پر ڈال دیا تاکہ بہتا ہوا پانی لحاف میں جذب ہو جائے۔ جب پانی کے نیچے بہنے کا امکان نہ رہا تو میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا۔

ایک دن اپنے بالائی منزل میں مقیم ہونے کا احساس اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ دونوں میاں بیوی چھت کے ایک کونے میں سکڑ کر بیٹھ گئے اور ساری رات اسی حالت میں جاگ کر گزار دی۔ صبح ہوئی تو حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی

"یا رسول اللہ، ہم ساری رات چھت کے ایک کونے میں بیٹھ کر جاگتے رہے۔"

حضورؐ نے سبب دریافت فرمایا تو عرض کیا:

"ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہر لحظہ یہ خیال سوہانِ روح رہتا ہے کہ آپ تو زیریں منزل میں تشریف رکھتے ہیں اور ہم بالاخانہ میں مقیم ہیں۔ یا رسول اللہ آپ بالاخانے پر تشریف لے چلیے، حضورؐ کے غلاموں کے لیے آپ کے قدموں کے نیچے رہنا ہی باعث سعادت ہے۔"

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور حضرت ابوایوبؓ اور حضرت ام ایوبؓ نے بکمال مسرت نچلی منزل میں اقامت اختیار کرلی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانۂ اقدس میں منتقل ہو جانے کے بعد بھی کبھی کبھی حضرت ابوایوبؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ دونوں میاں بیوی حضورؐ کا پُرتپاک خیر مقدم کرتے تھے اور جو کچھ میسّر ہوتا حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیتے ایک دن حضورؐ بھوک کی حالت میں خانۂ اقدس سے باہر نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ مل گئے۔ سرورِ کونینؐ ان دونوں کو ساتھ لے کر حضرت ابوایوبؓ کے گھر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت حضرت ابوایوبؓ اپنے مکان سے متصل کھجوروں کے باغ میں تھے اور گھر میں کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت ام ایوبؓ نے حضورؐ کو اہلاً وسہلاً کہا۔ حضورؐ نے پوچھا: "ابوایوبؓ کہاں ہے؟" حضرت ابوایوبؓ نے حضورؐ کی آواز سُنی تو کھجوروں کا ایک گچھا توڑ کر دوڑتے ہوئے گھر آئے اور یہ گچھا مہمانانِ عزیز کی خدمت میں پیش کیا، اس کے ساتھ ہی فوراً ایک بکری ذبح کی۔ حضرت ام ایوبؓ نے آدھے گوشت کا سالن پکایا، آدھے کے کباب بنائے اور حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ حضورؐ نے ایک روٹی پر کچھ گوشت رکھ کر فرمایا۔ "اسے فاطمہؓ کو بھیج

دو اس پر کئی دن کا فاقہ ہے۔" حضرت ابو ایوبؓ نے تعمیل ارشاد کی اور حضورؐ نے اپنے رفقاء کرام کے ساتھ کھانا کھایا۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت اُمِ ایوبؓ نے کئی دوسرے موقعوں پر بھی اسی طرح حضورؐ کی خدمت کی ہوگی۔

حضرت اُمّ ایوبؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ ان کے بطن سے حضرت ابو ایوبؓ کی جو اولاد ہوئی ان میں سے ایوب، خالد، محمد تین بیٹوں اور ایک بیٹی عمرہ کے نام معلوم ہیں۔

حضرت اُمِ ایوبؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کتبِ سیر خاموش ہیں۔

حضرت اُمّ سلیط انصاریہؓ

نام و نسب معلوم نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ غزوۂ اُحُد میں حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور کچھ دوسری خواتین کے ساتھ مشک بھر بھر کر زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی یہ خدمت مدت العمر یاد رہی۔ اپنے عہدِ خلافت میں ایک بار انہوں نے مدینہ کی خواتین میں چادریں تقسیم فرمائیں۔ ایک عمدہ چادر بچ گئی تو کسی نے کہا کہ آپ یہ چادر اپنی بی بی اُمِ کلثومؓ کو دے دیں۔ فرمایا "اُمِ سلیطؓ اس چادر کی زیادہ مستحق ہیں، یہ انصار کی ان عورتوں میں سے ہیں جنھوں نے حضورؐ سے بیعت کی تھی، وہ غزوۂ اُحُد میں مشک بھر بھر کر پانی لاتی تھیں۔"

ایک روایت کے مطابق حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو ان کے غسل کے موقع پر چند دوسری خواتین کے ساتھ وہ بھی حاضر تھیں۔ ایک روایت میں ان کے والد کا نام عبید بن زیاد آیا ہے۔

ان کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس

فاطمہ نام - نسب نامہ اس طرح ہے ۔

فاطمہؓ بنتِ قیس بن خالدِ اکبر بن وہب بن ثعلبہ بن وائلہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر ۔

والدہ کا نام امیمہ بنتِ ربیعہ تھا جو بنی کنانہ سے تھیں - ابو عمرو حفصؓ بن مغیرہ سے نکاح ہوا ۔

دعوتِ حق کی ابتدا ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئیں اور ہجرت کے دَورِ اوّل میں دوسری خواتین کے ہمراہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ۔

سنہ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں ایک لشکر لے کر عازم یمن ہوئے - اس لشکر میں حضرت فاطمہؓ کے شوہر ابو عمرو حفصؓ بھی شامل تھے - روانگی سے پہلے انھوں نے حضرت فاطمہؓ کو طلاق دے دی[1]۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا " تم عدّت کا زمانہ اُمِّ شریکؓ کے ہاں گزارو ۔"

---

[1] اس واقعہ نے تاریخ میں بڑی شہرت پائی - بیان کیا جاتا ہے کہ ابو عمرو حفصؓ روانگی سے کچھ عرصہ پہلے حضرت فاطمہؓ کو دو طلاقیں دے چکے تھے - آخری طلاق حضرت عیاشؓ بن ربیعہ کے ذریعے روانگی کے وقت دی اور بطور نفقہ ۵ صاع جَو اور ۵ صاع خرمے بھیجے - حضرت فاطمہؓ نے عیاشؓ سے کھانے اور مکان کا مطالبہ کیا تو انھوں نے کہا ابو عمرو حفصؓ نے صرف یہ جَو اور خرمے دیئے ہیں ان کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں، جو کچھ دیا گیا ہے یہ بھی محض احسان و ہمدردی ہے - حضرت فاطمہؓ کو اس پر غصہ آگیا وہ اپنے کپڑے وغیرہ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ بیان کیا - حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا : تم کو (باقی اگلے صفحہ پر)

لیکن حضرت اُمِّ شریک رضؓ کے گھران کے اعزّہ واقارب کے علاوہ دوسرے مہمان بھی بکثرت آتے تھے اس لیے آپؐ نے اپنے حکم میں ترمیم فرما کر حضرت فاطمہؓ کو مشورہ دیا کہ تم عدّت کا زمانہ اپنے ابنِ عَمّ ابنِ اُمِّ مکتوم رضؓ کے ہاں گزارو۔ انھوں نے تعمیلِ ارشاد کی۔ جب عدّت کا زمانہ پورا ہوگیا تو حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان، حضرت ابوجہمؓ اور حضرت اسامہؓ بن زیدؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت فاطمہؓ کا خیال تھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود انہیں شرفِ ازدواج بخشیں گے لیکن مصلحتِ خداوندی اس میں نہ تھی۔ چنانچہ جب حضرت فاطمہؓ نے اپنے نکاحِ ثانی کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: "معاویہؓ مفلس ہے، ابوجہمؓ سخت مزاج ہے۔ تم اُسامہؓ بن زیدؓ سے نکاح کرلو۔"

حضرت فاطمہؓ کچھ متامل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تمھیں کیوں عذر ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ اسی میں تمھاری بھلائی ہے۔"

اس پر حضرت فاطمہؓ نے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے نکاح کرلیا۔ وہ بڑے جلیل القدر صحابیؓ تھے اور حضورؐ انہیں اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ وہ حِبُّ النبیؐ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب) کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ صحیح مسلم میں حضرت فاطمہؓ سے روایت ہے کہ اسامہؓ بن زیدؓ سے نکاح کے بعد میں لوگوں کے نزدیک قابلِ رشک بن گئی۔

۲۴ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی تو مجلسِ شوریٰ کے اجتماعات حضرت فاطمہؓ بنتِ قیس کے مکان ہی میں ہوتے تھے چونکہ وہ نہایت زیرک، معاملہ فہم اور صائب الرائے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)۔ ابوعمرو نے کے مرتبہ طلاق دی۔ عرض کیا۔ تین بار۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اب تمھارا نان ونفقہ ابوعمرو پر واجب نہیں ہے۔"

جمہور فقہاء کا فیصلہ ہے کہ عدّت کے زمانے میں عورت کا نان نفقہ طلاق دینے والے مرد کے ذمہ ہے۔ چنانچہ اس روایت کی تشریح وتعبیر کے سلسلے میں کتبِ فقہ میں طویل مباحث ملتے ہیں۔

خاتون تھیں اس لیے مجلسِ شوریٰ کے اراکین ان سے مشورہ لینا بھی مناسب سمجھتے تھے۔

۵۴ھ ہجری میں حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ نے وفات پائی تو حضرت فاطمہؓ کو سخت صدمہ پہنچا اس کے بعد انہوں نے تا زندگی دوسرا نکاح نہیں کیا اور اپنے بھائی ضحاک بن قیس کے پاس رہنے لگیں۔ یزید بن معاویہؓ نے جب انھیں عراق کا گورنر مقرر کیا تو ان کے پاس کوفہ چلی گئیں اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

صحیح مسلم میں حضرت فاطمہؓ سے متعلق ایک خاص واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ مروان بن الحکم کے عہدِ حکومت میں حضرت سعیدؓ بن زیدؓ کی صاحبزادی کو ان کے شوہر عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے طلاق دے دی۔ حضرت فاطمہؓ رشتہ میں ان کی خالہ ہوتی تھیں اس لیے انھوں نے بمقتضائے ہمدردی ان کو کہلا بھیجا کہ تم میرے گھر آجاؤ۔ مروان کو علم ہوا تو اس نے قبیصہ کو ان کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ آپ ایک مطلقہ خاتون کو اس کا زمانۂ عدت پورا ہونے سے پہلے گھر سے کیوں نکالتی ہیں؟

حضرت فاطمہؓ نے جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مجھے ایامِ عدت اپنے ابنِ عم ابنِ اُمِ مکتومؓ کے پاس گزارنے کی اجازت دی تھی اس لیے میں نے بھی اپنی بھانجی کو عدت پوری ہونے سے پہلے اپنے پاس بلا بھیجا ہے۔

مروان نے ان کی بات کو کوئی وقعت نہ دی اور مطلقہ خاتون کو اپنے گھر میں ہی عدت گزارنے کا حکم دیا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے "سیرتِ عائشہؓ" میں اس واقعہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "اسلام میں حکم ہے کہ مطلقہ عورتیں عدت کے دن اپنے شوہر کے ہی گھر میں گزاریں اور اس حکم کے خلاف صرف ایک فاطمہؓ بنتِ قیس کی شہادت ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو طلاق دے دی اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے اپنے شوہر کا گھر چھوڑ کر دوسرے گھر میں جا کر رہیں۔ فاطمہؓ اس واقعہ کو بیان کر کے اجازتِ انتقالِ مکان پر استدلال کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کے عہد میں اسی واقعہ کی سند سے ایک معزز باپ نے اپنی مطلقہ بیٹی کو شوہر کے یہاں سے بلوا لیا۔ حضرت عائشہؓ نے اس عام حکمِ اسلامی کی مخالفت

پر سخت اعتراض کیا۔ مروان اس زمانے میں مدینہ کا گورنر تھا، اس کو کہلا بھیجا کہ تم سرکاری حیثیت سے اس معاملہ میں دخل دو اور نفسِ مسئلہ کی نسبت فرمایا کہ اس واقعہ سے عام استدلال جائز نہیں۔ واقعہ یہ تھا کہ فاطمہؓ کے شوہر کا گھر شہر کے کنارہ پر تھا اور رات کو جانوروں کا خوف رہتا تھا اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی تھی۔ (بحوالہ صحیح بخاری باب قصہ فاطمہؓ بنت قیس)

اہل سیر نے حضرت فاطمہؓ کے سالِ وفات کی صراحت نہیں کی البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت مکہ کے زمانے تک زندہ تھیں۔

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت فاطمہؓ صورت اور سیرت ہر لحاظ سے ہمہ صفت موصوف تھیں اور نہایت دانا، ذی علم اور باکمال خاتون تھیں۔ مہمانوں کی تواضع کرنے میں ان کو دلی راحت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ان کے شاگرد شعبیؒ حاضر خدمت ہوئے تو انھوں نے چھوہاروں اور ستوؤں سے ان کی تواضع کی۔

حضرت فاطمہؓ بنت قیس سے چونتیس احادیث مروی ہیں ان کے راویانِ حدیث میں حضرت قاسم بن محمدؒ، ابو سلمہؒ، سعید بن مسیبؒ، عروہ بن زبیرؒ، سلمان بن یسارؒ اور شعبیؒ جیسے اکابر تابعین شامل ہیں۔

صحیح مسلم اور ابوداؤد کی ایک حدیث جو علماء میں "حدیث جساسہ" کے نام سے شہرت رکھتی ہے، حضرت فاطمہؓ بنت قیس ہی سے مروی ہے وہ کہتی ہیں کہ:

"ایک مرتبہ میں مسجد نبویؐ میں گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ حضورؐ نماز سے فارغ ہو کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حسب عادت مسکرا کر فرمایا کہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا، جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کیوں جمع کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، اللہ اور اللہ کا رسول بہتر جانتے ہیں، ارشاد ہوا کہ میں نے کسی ترغیب و ترہیب کے لیے تمہیں جمع نہیں کیا بلکہ ایک واقعہ سنانے کے لیے جمع کیا ہے جو تمیم داریؓ نے بیان کیا ہے، وہ پہلے عیسائی تھے اللہ نے انہیں اسلام

نے سرفراز کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے جہاز میں سوار ہو کر سمندر کا سفر اختیار کیا، میرے ساتھ قبیلہ جذام اور لخم کے تیس ۳۰ آدمی بھی تھے۔ اثنائے سفر میں طوفان آ گیا اور جہاز ایک ماہ تک سمندری لہروں سے اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ آخر ایک جزیرے کے ساحل کے ساتھ جا لگا۔ ہم جزیرے میں اترے تو عجیب ہیئت کی ایک عورت ملی جس کے بہت لمبے لمبے بال تھے۔ ہم نے اس سے پوچھا، تو کون ہے، اس نے کہا، میں جساسہ یعنی مخبر ہوں جو دجال کو خبریں پہنچاتی ہوں، تم لوگ سامنے والے دَیر میں جاؤ، وہاں دجال کو دیکھو گے۔ ہم اس دَیر میں پہنچے تو وہاں ایک غیر معمولی قدوقامت کا آدمی دیکھا جو زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ ہم نے اس کوہ پیکر آدمی سے پوچھا "تم کون ہو؟" اس نے کہا۔ "پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں کیسے پہنچے؟"

ہم : ہم عرب کے رہنے والے ہیں، ہمارا جہاز سمندری طوفان میں پھنس گیا اور لہروں نے اسے اس جزیرہ کے قریب لا پھینکا، ایک عجیب الہیئت جساسہ نے ہمیں تیری طرف بھیج دیا۔

وہ : اچھا تو یہ بتاؤ کہ نخلستانِ بیسان میں پھل آتا ہے یا نہیں۔

ہم : بیسان کے نخلستان میں برابر پھل آ رہا ہے۔

وہ : یاد رکھو وہ وقت بھی آنے والا ہے جب بیسان میں کھجور کے درخت پھل نہیں دیں گے۔ اچھا یہ بتاؤ بحیرہ طبریہ میں ابھی پانی موجود ہے یا خشک ہو چکا؟

ہم : اس میں تو پانی بافراط موجود ہے۔

وہ : وہ وقت آنے والا ہے کہ اس کا پانی خشک ہو جائے گا۔ یہ بتاؤ کہ کیا چشمۂ زغر میں پانی آ رہا ہے اور لوگ اس سے اپنے کھیت سینچ رہے ہیں۔

ہم : ہاں چشمۂ زغر میں پانی آ رہا ہے اور لوگ اس سے اپنے کھیت سیراب کر رہے ہیں۔

وہ : اچھا یہ بتاؤ کہ اُمیّوں کے نبی نے ظاہر ہو کر کیا کیا ہے۔

ہم: وہ اپنی قوم پر غالب آئے اور لوگوں نے ان کی اطاعت قبول کرلی ہے۔

وہ: ہاں ان کے لیے اطاعت ہی بہتر تھی۔ اب میری نسبت بھی سن لو کہ میں مسیح (دجال) ہوں۔ مجھے عنقریب یہاں سے نکلنے کی اجازت ملے گی۔ میں روئے زمین میں گھوم جاؤں گا اور دنیا کا کوئی مقام ایسا نہ ہوگا جہاں میں چالیس دن کی مدت میں نہ پہنچ جاؤں۔ البتہ مکہ اور طیبہ دو شہروں میں مجھے داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جب میں ان شہروں میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا تو ایک شمشیر بدست فرشتہ مجھے اس سے روک دے گا۔

یہ واقعہ بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصائے مبارک تین بار منبر پر مارا اور فرمایا یہی طیبہ ہے۔ یہی طیبہ ہے، (یعنی مدینہ منورہ)"۔

حضرت اُمِّ فردہ رضؓ

قریش کے خاندان بنو تیم سے تھیں اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کی ہمشیر تھیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمِّ فردہؓ بنت ابو قحافہ عثمانؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی۔

اہلِ سیر نے ان کے قبولِ اسلام کا زمانہ نہیں لکھا لیکن ان کے شرفِ ایمان و صحابیت پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔ ان کی شادی حضرت اشعثؓ بن قیس سے ہوئی تھی۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ اشعثؓ بن قیس یمن کے علاقہ کندہ کے حکمران تھے۔ وہ ۱۰ ہجری میں ایک وفد کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا لیکن بدقسمتی سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ فتنۂ ردہ میں مبتلا ہوگئے، آخر انہیں گرفتار کرکے خلیفۃ الرسول حضرت ابو بکر صدیق رضؓ

کی خدمت میں لایا گیا۔ انھوں نے خلیفۃ الرسول کے سامنے سچے دل سے توبہ کرلی اور اپنی لغزش پر سخت ندامت کا اظہار کیا۔ اس پر صدیق اکبرؓ نے انھیں نہ صرف معاف کر دیا بلکہ اپنی ہمشیرہ اُمِ فروہؓ کا نکاح بھی ان سے کر دیا۔ نکاح کے بعد اشعثؓ بازار گئے۔ وہاں اونٹوں کی منڈی لگ رہی تھی۔ انھوں نے تلوار سونت لی اور جو اونٹ سامنے آتا گیا اس کی کونچیں کاٹ کر زمین پر گراتے گئے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی۔ اشعثؓ نے کہا کہ میں اپنے وطن میں ہوتا تو اور ہی سروسامان ہوتا۔ یہ کہہ کر اونٹوں کی قیمت ادا کر دی اور اہلِ مدینہ سے کہا۔ یہ آپ لوگوں کی دعوت ہے۔ روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"حضرت اشعثؓ نے بیسیوں اونٹ مار گرائے تو منڈی میں غل پڑ گیا کہ اشعثؓ کافر ہو گیا ہے۔ اشعثؓ نے یہ سُنا تو تلوار ایک طرف پھینک دی اور کہا:

انی واللہ ما کفرت ولکن زوجنی ھذا الرجل اختہ ولو کنا فی بلادنا کانت ولیمۃ غیر ھذا یا اھل المدینۃ کلوا! ویا اصحاب الابل تعالوا! اخذوا شروا ھا!

(خدا کی قسم میں کافر نہیں ہوا بلکہ ان صاحب (ابوبکر صدیقؓ) نے اپنی ہمشیرہ کا عقد مجھ سے کر دیا۔ اگر آج میں وطن میں ہوتا تو اس سے بہتر ولیمہ کرتا۔ مدینہ والو اس گوشت کو لے جاؤ اور کھاؤ اور اونٹوں کے مالکو آؤ اور اپنے اونٹوں کی قیمت مجھ سے لے لو۔)

امام احمد بن حنبلؒ، ترمذیؒ اور ابوداؤدؒ نے حضرت اُمِ فروہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل سب سے بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا، نماز کو اوّل وقت ادا کرنا۔

حضرت اُمِ فروہؓ کا سالِ وفات اور مزید حالاتِ زندگی دستیاب نہیں ہوئے

ایک خوش بخت صحابیہؓ

مدینہ منورہ کے مضافات (عوالی) میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صحابیہ

ایک مرتبہ سخت بیمار ہوگئیں۔ یہاں تک کہ ان کی زندگی کی طرف سے مایوسی ہوگئی لوگوں کا خیال تھا کہ وہ آج کسی وقت فوت ہو جائیں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ فوت ہو جائے تو مجھے اطلاع دی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے جنازہ کی نماز میں خود پڑھاؤں اور اس کے بعد اس کی تدفین کی جائے۔ اتفاق سے ان صحابیہ نے رات گئے انتقال کیا لوگ ان کا جنازہ تیار کر کے لائے تو حضور اکرمؐ آرام فرما چکے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کو جگانا مناسب نہ سمجھا اور ان صحابیہ کو رات ہی کو دفن کر دیا۔ صبح کو حضورؐ نے لوگوں سے ان کا حال پوچھا تو انھوں نے واقعہ عرض کیا۔ حضورؐ یہ سُن کر کھڑے ہو گئے، صحابہ کو ساتھ لے کر صحابیہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور دوبارہ نمازِ جنازہ ادا کی۔

حضرت تماضرؓ بنت الاصبغؓ

قبیلۂ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو الکلبی کی بیٹی تھیں جو دینِ مسیحی کے پیروکار تھے۔ شعبان سنہ ۶ھ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو دومۃ الجندل کی مہم پر مامور فرمایا اور جب وہ چلنے لگے تو ان کو ہدایت فرمائی کہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبیلہ کلب کو اسلام کی دعوت دینا اگر وہ قبول کریں تو ان کے سردار کی لڑکی سے نکاح کر لینا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل کی۔ رئیس قبیلہ اصبغؓ اور ان کی قوم کے بہت سے لوگوں نے برضا و رغبت اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حسبِ ارشاد اصبغؓ کی بیٹی تماضرؓ سے نکاح کر لیا اور ان کو اپنے ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ تماضرؓ ان کے عقدِ نکاح میں آخر وقت تک رہیں لیکن ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے مرض الموت میں ان کو اپنے حبالۂ عقد سے آزاد کر دیا اور ان کی وفات کے بعد انھوں نے حضرت زبیرؓ سے شادی کر لی لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ان سے

بھی جدائی ہو گئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ (خلیفہ سوم) نے ان کو حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کے ترکہ سے حصہ دیا تھا۔ ان کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کے فرزند ابوسلمہ رضؓ پیدا ہوئے۔ ارباب سِیَر نے ان کے سالِ وفات کی تصریح نہیں کی البتہ مختلف روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رضؓ کے عہدِ حکومت تک زندہ رہیں۔ بعض اہلِ سِیَر نے حضرت تماضر رضؓ کو تابعات میں شمار کیا ہے لیکن یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ایک مسلم خاتون جنھوں نے عہدِ رسالت کے کئی سال مدینہ منورہ میں گزارے ہوں اور پھر ایک جلیل القدر صاحبِ رسولؐ کی اہلیہ بھی ہوں وہ شرفِ صحابیت رضؓ سے محروم رہیں۔

حضرت زینب رضؓ بنتِ ابوسلمہ رضؓ

اُمُّ المؤمنین حضرت اُمِّ سلمہ رضؓ کی صاحبزادی تھیں جو اُن کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضؓ بن عبدالاسد مخزومی کے صلب سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

زینب رضؓ بنت ابوسلمہ رضؓ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم القرشی

حضرت ابوسلمہ رضؓ رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی بھی تھے اور رضاعی بھائی بھی۔ اس لحاظ سے حضرت زینب رضؓ حضورؐ کی بھتیجی ہوتی تھیں (برّہ بنت عبدالمطلب حضرت زینب رضؓ کی دادی تھیں اور حضورؐ کی پھوپھی) ان کی ولادت کے بارے میں روایتوں میں خاصا تضاد ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ حبشہ میں پیدا ہوئیں جہاں ۵ سنہ بعد بعثت میں ان کے والدین مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد قیام پذیر تھے۔ حضرت ابوسلمہ رضؓ اور اُمِّ سلمہ رضؓ حبشہ میں چند سال گزارنے کے بعد مکہ واپس آگئے اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ (حضرت ابوسلمہ رضؓ نے ۱۲ سنہ بعدِ بعثت میں مدینہ کی طرف ہجرت کی اور حضرت اُمِّ سلمہ رضؓ نے ۱۳ سنہ بعدِ بعثت میں) مولانا سعید انصاری مرحوم

نے سیر الصحابیات میں لکھا ہے کہ حضرت زینبؓ نے اپنے والدین کے ساتھ ہجرت کی۔ اگر حضرت زینبؓ کی ولادت حبشہ میں تسلیم کی جائے تو پھر انہوں نے "والدین" کے ساتھ نہیں بلکہ والدہ کے ساتھ ہجرت کی ہو گی، (دونوں میاں بیوی کے زمانۂ ہجرت میں ایک سال کا تفاوت ہے) اس وقت ان کی عمر کم از کم تین چار سال ضرور ہو گی لیکن بعض ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابو سلمہؓ نے ۴ھ ہجری میں وفات پائی تو اس وقت حضرت زینبؓ شیر خوار تھیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے تو اصابہ میں یہاں تک لکھا ہے کہ ان کو حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نے دودھ پلایا۔ عدت گزارنے کے بعد حضرت اُمِّ سلمہؓ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے عقدِ نکاح میں آئیں تو ننھی زینبؓ بھی حضورؐ کے آغوشِ تربیت میں آ گئیں، ان کا اصل نام برہ تھا۔ حضورؐ نے بدل کر زینب رکھا۔

بعض روایتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۳ھ میں والد (حضرت ابو سلمہؓ) کی وفات کے بعد پیدا ہوئیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق جن روایات میں حضرت زینبؓ کی ولادت حبشہ میں بتائی گئی ہے وہ صحیح نہیں ہیں کیونکہ ابنِ ہشام نے محمد بن اسحاق کے حوالہ سے خود حضرت اُمِّ سلمہؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جس وقت میں نے ہجرت کی (۳۱۳لہ بعد بعثت میں) میری گود میں ایک ہی بچہ تھا (سلمہؓ بن ابو سلمہؓ) اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ مدینہ منورہ میں ہجرتِ نبوی کے بعد پیدا ہوئیں، ۴ھ میں حضرت اُمِّ سلمہؓ کو اُمّ المؤمنین بننے کا شرف حاصل ہوا تو حضرت زینب شیر خوار تھیں اس لحاظ سے ان کا سالِ ولادت ۳ھ ہجری کے لگ بھگ ٹھہرتا ہے۔ حضرت اُمِّ سلمہؓ کے حضورؐ سے نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کی شیر خوارگی کی تصدیق مسند احمدؒ بن حنبل اور طبقات ابنِ سعد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت اُمِّ سلمہؓ نہایت حیادار تھیں۔ حضورؐ سے نکاح کے بعد کچھ عرصہ تک ان کی یہ کیفیت رہی کہ جب حضورؐ تشریف لاتے تو وہ فرطِ حیا سے اپنی شیر خوار بچی زینبؓ کو گود میں لے کر دودھ پلانے لگتیں۔ حضورؐ یہ دیکھ کر واپس ہو جاتے۔ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کو جو حضرت اُمِّ سلمہؓ کے رضاعی بھائی تھے، معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوئے اور حضرت زینبؓ کو اپنے گھر لے گئے (عارضی طور پر)۔

رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو ننھی زینبؓ سے بے حد محبت تھی، وہ آپؐ کی ربیبہ بھی تھیں اور بھتیجی بھی۔ حضورؐ کبھی غسل فرماتے ہوتے اور ننھی زینبؓ آہستہ آہستہ چلتے آپؐ کے قریب چلی جاتیں تو آپؐ پیار سے ان کے منہ پر پانی چھڑکتے تھے۔ اہلِ سیر نے تواتر کے ساتھ لکھا ہے کہ اس پانی کی برکت سے حضرت زینبؓ کے چہرے پر بڑھاپے میں بھی جوانی کی آب و تاب قائم رہی۔

حضرت زینبؓ سنِ بلوغ کو پہنچیں تو اُمّ المومنین حضرت اُمّ سلمہؓ نے ان کی شادی اپنے بھانجے حضرت عبداللہؓ بن زمعہ (بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی) سے کر دی۔ ان سے چھ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

سنہ ۶۳ھ میں حضرت زینبؓ کو ایک عظیم صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، یہ ان کے دو لڑکوں یزید بن عبداللہؓ اور کثیر بن عبداللہؓ کی شہادت تھی جو واقعۂ حرہ میں ہوئی جب ان کی لاشیں حضرت زینبؓ کے سامنے لائی گئیں تو انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا کہ مجھ پر بڑی مصیبت پڑی، میرا ایک فرزند تو سرِ میدان لڑ کر شہید ہوا لیکن دوسرا تو خانہ نشین تھا، ظالموں نے اُسے گھر میں گھس کر ناحق قتل کیا۔ اس کے بعد نہایت حوصلہ اور صبر سے اپنے دونوں نونہالوں کے کفن دفن کا انتظام کیا۔ اس واقعہ کے دس سال بعد (۷۳ھ میں) حضرت زینبؓ نے بھی پیک اجل کو لبیک کہا۔ جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ جنازے میں فقیہِ اُمت حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بھی شریک ہوئے۔

حضرت زینبؓ نے رحمتِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دامنِ شفقت میں تربیت پائی تھی اس لیے فضل و کمال کے لحاظ سے نہایت بلند مرتبے پر فائز تھیں۔ علامہ ابنِ عبدالبرؒ نے "استیعاب" میں اور علامہ ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے:

"کانت من افقه نساء زمانها"

(وہ اپنے زمانے کی فقیہ ترین خاتون تھیں)

اربابِ سیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ بڑے بڑے ذی علم لوگ حضرت زینبؓ سے مسائل پوچھا کرتے تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں حضرت ابو رافعؓ کا یہ قول نقل کیا

ہے کہ " جب میں نے مدینہ کی کسی فقیہ عورت کا ذکر کیا تو زینبؓ بنت ابو سلمہؓ کو ضرور یاد کیا"
حضرت زینبؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ ان سے روایت کرنے والوں میں حضرت امام زین العابدینؒ اور عروہ بن زبیرؓ جیسی عظیم شخصیتیں شامل ہیں۔

حضرت دُرّہؓ بنتِ ابی سلمہؓ

حضرت زینبؓ بنتِ ابی سلمہؓ کی ہمشیرہ تھیں۔ والد حضرت ابو سلمہؓ کی وفات کے بعد انہوں نے بھی سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی صحیح بخاری میں ان کا ذکر آیا ہے۔ اُم المومنین حضرت اُمِ حبیبہؓ نے ایک دفعہ حضورؐ سے کہا، ہم نے سنا ہے کہ آپ دُرّہؓ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں ؟ آپؐ نے فرمایا: " یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ اگر میں نے اس کو پرورش نہ بھی کیا ہوتا تو بھی وہ میرے لیے کسی طرح حلال نہ تھی کیوں کہ وہ میرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے "۔
ایک روایت میں ان کا نام رقیہ بھی آیا ہے۔ مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت حبیبہؓ بنتِ عبید اللہ

اُم المومنین حضرت اُمِ حبیبہؓ بنتِ ابو سفیانؓ کی صاحبزادی تھیں اور ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش کے صلب سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے :
حبیبہؓ بنت عبید اللہ بن جحش بن رئاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن سعد بن خزیمہ۔
ان کی دادی امیمہ بنتِ عبد المطلب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔

اس لحاظ سے اُن کے والد عبیداللہ حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے اور وہ حضورؐ کی بھتیجی ہوتی تھیں۔

حضرت اُمِ حبیبہؓ اور عبیداللہ بن جحش دونوں نے بعد بعثت کے ابتدائی زمانے میں اسلام قبول کیا اور ۶ سنہ نبوت میں ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ حضرت حبیبہؓ وہیں پیدا ہوئیں۔ بدقسمتی سے عبیداللہ حبش میں بری صحبت میں پڑ گئے اور اسلام سے منحرف ہو کر عیسائی ہو گئے۔ ساتھ ہی کثرت سے بادہ نوشی شروع کر دی، اور اسی حالت میں وفات پائی۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ اپنی بچی کے ساتھ پردیس میں بے یار و مددگار رہ گئیں۔ کچھ عرصہ بعد حضورؐ نے انہیں پیغامِ نکاح بھیجا جو انہوں نے قبول کر لیا اور نجاشی شاہِ حبشہ نے ان کا غائبانہ نکاح حضورؐ سے کر دیا۔ حضرت اُمِ حبیبہؓ غزوۂ خیبر کے موقع پر حبش سے مدینہ منورہ آئیں تو حضورؐ نے ان کی بچی حبیبہؓ کو بھی اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا اور نہایت محبت سے ان کی پرورش کی۔ حضرت حبیبہؓ کا نکاح داؤد بن عروہؓ بن مسعود سے ہوا جو بنو ثقیف کے رئیس تھے۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

حضرت سلمیٰؓ خادمۂ رسول اللہؐ

حضرت سلمیٰؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں لیکن حضورؐ نے انہیں آزاد کر کے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ سے ان کا نکاح کر دیا تھا۔ انہوں نے اس استقلال سے حضورؐ کی خدمت کی کہ لوگوں میں خادمۂ رسول اللہؐ کے لقب سے مشہور ہو گئیں۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے حضورؐ کے فرزند ابراہیمؑ پیدا ہوئے تو دایہ گیری کی خدمت حضرت سلمیٰؓ ہی نے انجام دی۔ ان کے شوہر حضرت ابو رافعؓ نے حضورؐ کو ابراہیمؑ کی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپؐ نے اس کے صلہ میں ایک غلام عطا فرمایا۔

حضورؐ کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حضرت امام حسنؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضرت سلمیٰؓ کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہم کو وہ کھانا پکا کر کھلائیں جو رسول اللہؐ کو مرغوب تھا۔ بولیں، تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ انہوں نے اصرار کیا تو حضرت سلمیٰؓ نے جَو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھا دیا اوپر سے روغن زیتون، زیرہ اور سیاہ مرچیں ڈال دیں۔ پک گیا تو ان کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ حضورؐ کی مرغوب ترین غذا تھی۔

حضرت سلمیٰؓ کا سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت فِضّہؓ

حضرت فِضّہؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ بتول کی کنیز تھیں۔ وہ سیدۃ النساءؓ کی حیاتِ پاک کے کس دَور میں ان کی خدمت میں آئیں؟ اہلِ سِیَر نے اس کی تصریح نہیں کی۔ بہرصورت مختلف روایات سے یہ ثابت ہے کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک خاندانِ نبوّت سے وابستہ رہیں۔ ان کے شرفِ صحابیت پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کا اصل نام میمونہ تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فِضّہؓ رکھا۔ بعض اربابِ سِیَر نے ان کا وطن حبش بیان کیا ہے اور کئی روایتوں میں ان کا نام "فضۃ النوبیۃ" درج ہے۔

حضرت فِضّہؓ نہ صرف گھر کے کام کاج میں حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا ہاتھ بٹاتی تھیں بلکہ ان کے ہر دُکھ سُکھ میں بھی شریک رہتی تھیں۔ بابِ علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدۃ النساءؓ کی خدمت میں رہنے کی بدولت ان کا پایۂ علم و فضل بھی بہت بلند ہو گیا تھا۔ ان کو سیدۃ النساءؓ کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ علامہ طبریؒ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے وفات پائی تو ان کو غسل دیتے وقت حضرت فِضّہؓ بھی موجود تھیں۔ سیدہ کا جنازہ اٹھنے لگا تو حضرت علیؓ نے اہلِ خانہ کو اس طرح آواز دی "اے اُمِّ کلثومؓ، اے زینبؓ، اے فِضّہؓ، اے حسنؓ، اے حسینؓ آؤ اپنی ماں کو آخری بار

دیکھ لو، اب تمہاری جدائی ہو رہی ہے اور پھر جنت میں ہی ملاقات ہوگی۔" گویا حضرت علیؓ کے نزدیک حضرت فضہؓ بھی ان کے گھر کا ایک فرد تھیں۔

سیدۃ النساءؓ کی وفات کے بعد حضرت فضہؓ سیدہ زینبؓ بنت علیؓ کی کنیزی میں آگئیں اور مصائبِ کربلا میں ان کے ساتھ شریک رہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدۃ النساءؓ کی وفات کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت فضہؓ کا نکاح ابو ثعلبہ حبشیؓ سے کر دیا تھا ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا، ابو ثعلبہؓ کے انتقال کے بعد ان کا نکاح ابو سلیک غطفانی سے ہوا۔ بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت فضہؓ کی ایک لڑکی (مسکہ) اور پانچ لڑکے تھے۔ حضرت فضہؓ کے سالِ وفات کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ملتی تاہم بعض اصحاب نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ حضرت زینبؓ بنت علیؓ کی رحلت کے چند سال بعد فوت ہوئیں اور ان کی قبر حضرت زینبؓ کی قبر کے ساتھ شام میں ہے۔

حضرت عاتکہؓ بنتِ زید

قریش کے خاندانِ عدی سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عاتکہؓ بنتِ زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوی۔

جلیل القدر صحابی حضرت سعیدؓ بن زید (یکے از اصحابِ عشرہ مبشرہ) ان کے حقیقی بھائی تھے اور حضرت عمرؓ بن خطاب چچا زاد بھائی۔ مشہور صحابیہ حضرت فاطمہؓ بنت خطاب ان کی چچا زاد بہن بھی تھیں اور بھاوج بھی۔

حضرت عاتکہؓ کے والد زید ان لوگوں میں سے تھے جو زمانہ جاہلیت میں ہی توحید کے قائل تھے اور جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا تھا کہ وہ قیامت کے دن تنہا

ایک اُمّت کی حیثیت سے اٹھیں گے۔ زید کو حضورؐ کی بعثت سے چند سال قبل کسی دشمن نے قتل کر ڈالا اور عاتکہ یتیم رہ گئی تھیں۔ سن شعور کو پہنچ کر انہوں نے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی اور صحابیت کا شرف بھی حاصل کیا۔ ان کی شادی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سے ہوئی۔ نہایت حسین وجمیل اور عاقلہ و فاضلہ خاتون تھیں۔ حضرت عبداللہؓ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا۔ وہ بھی شوہر پر جان چھڑکتی تھیں اور ہمیشہ ان کے آرام کو اپنے آرام پر ترجیح دیتی تھیں۔ چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ رضؓ کو جہاد پر جانے کے لیے مجبور نہیں نہیں کیا تھا اس لیے حضرت ابوبکر صدّیق رضؓ نے حضرت عبداللہؓ کو حکم دیا کہ وہ عاتکہ کو طلاق دے دیں۔ پہلے تو وہ کچھ عرصہ ٹالتے رہے لیکن جب والدِ ماجد کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو انہوں نے حضرت عاتکہؓ کو ایک طلاق دے دی۔ لیکن بیوی کے فراق نے انھیں نڈھال کر دیا اور انہوں نے یہ شعر کہے:

اعاتكَ لا انساكِ ما ذرشارق	اے عاتکہؓ جب تک سورج چمکتا رہے گا،
وما ناح قمری الحمام المطوق	اور قمری بولتی رہے گی میں تجھے نہ بھولوں گا
اعاتكَ قلبي كل يوم وليلة	اے عاتکہؓ میرا دل شب و روز بصد
اليكِ بما تخفى النفوس معلق	ہزار تمنّا و شوق تجھ سے لگا ہوا ہے۔ مجھ
ولم ار مثلي طلق اليوم مثلها	جیسے آدمی نے اس جیسی خاتون کو کبھی
ولا مثلها في غير جرم تطلق	طلاق نہ دی ہو گی اور نہ اس جیسی خاتون
	کو بغیر گناہ طلاق دی جاتی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے نرم دل تھے۔ ان کے کانوں تک یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے حضرت عبداللہؓ کو رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد وہ ہر غزدے

میں شریک ہونے لگے۔ طائف کے محاصرے میں ایک دن وہ دشمن کی طرف سے آنے والے ایک تیر سے سخت مجروح ہو گئے۔ اگرچہ یہ زخم اس وقت تو مندمل ہو گیا لیکن تیر کا زہر اندر ہی اندر کام کرتا رہا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد (شوال ۱۱ھ میں) یہ زخم عود کر آیا۔ اور اسی کے صدمے سے حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ نے وفات پائی۔ حضرت عاتکہؓ کو ان کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا، مرحوم خاوند کی طرح وہ بھی شعر و شاعری میں درک رکھتی تھیں، اس موقعہ پر انہوں نے ایک پُردرد مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں ؂

آلیت لا ینفک عینی حزینۃ	قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیرے غم میں میری آنکھ
علیک ولا ینفک جلدی اغبرا	روئے گی اور میرا جسم غبار آلود رہے گا
للہ عینا من رای مثلہ فتی	زہے قسمت اس آنکھ کی جس نے تجھ جیسا
اکروا حمی فی الھیاج واصبرا	جنگجو اور ثابت قدم جوان دیکھا
اذا شرعت فیہ الاسنۃ خاضھا	اس پر تیر برستے تو ان کی بوچھاڑ میں گھستا ہو
الی الموت حتی یدرک الموت احمرا	وہ اس وقت تک موت کی طرف چلتا رہتا جب
مدی الدھر حین غنت حمامۃ ایکۃ	تک کہ خون کی ندیاں نہ بہا لیتا۔ زندگی بھر جب
وما ترد اللیل المصباح المنورا	جنگلی کبوتر گنگنائے گا (روتی رہوں گی)
	اور جب تک رات پر صبح آتی رہے۔

کچھ عرصہ بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عاتکہؓ سے نکاح کر لیا۔ دعوتِ ولیمہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شریک تھے، انہوں نے حضرت عاتکہؓ کو اوپر والے مرثیے کا پہلا شعر یاد دلایا تو وہ رونے لگیں۔ تاہم عمر فاروقؓ سے بھی ان کی وفاداری اور محبت مثالی رہی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی تو اس موقع پر بھی انہوں نے ایک دردناک مرثیہ کہا اس کے چند اشعار یہ ہیں ؂

من لنفس عادھا احزانھا	کون سمجھائے اس نفس کو جس کو غموں نے پھر اعادہ کیا ہے
ولعین شفھا طول السھد	اور اس آنکھ کو جس کو بیداری کی کثرت نے تکلیف دی ہے

وَجسدِ لفّفَ فی اکفانہ ‏— اور اس جسم کو جو کفن میں لپیٹا گیا ہے
رحمۃُ اللہ علی ذالکَ الجسد ‏— اللہ تعالٰی کی اس پر رحمت ہو
فیہ تفجیع لمولیٰ عازمٍ ‏— مقروض اور نادار عزیزوں کو اس
لم یدعہ اللہ یمشی بسبب ‏— کا صدمہ ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد حضرت عاتکہؓ کا نکاح حواریٔ رسولؐ حضرت زبیرؓ بن العوام سے ہوا۔ انہوں نے جنگِ جمل کے موقع پر ابن جرموز کے ہاتھ سے شہادت پائی تو حضرت عاتکہؓ فرطِ غم سے نڈھال ہوگئیں اور بے اختیار ان کی زبان پر یہ مرثیہ جاری ہوگیا ؎

غدر ابن جرموز بفارس بھمۃ ‏— ابنِ جرموز نے لڑائی کے دن ایک عالی ہمت شہسوار
یوم اللقاء وکان غیر معّرِد ‏— سے غداری کی اور غداری بھی ایسی حالت میں کہ وہ نہتا
یا عمرو، لو نبھتہ لوجدتہ ‏— اور بے سروسامان تھا۔ اے عمرو اگر تو اس کو پہلے سے
لا طائشاً رعش الجنان ولا الید ‏— متنبہ کردیتا تو اس کو ایسا شخص پاتا کہ نہ اس کے
کم غمرۃ قد خاضہا لم یثنہ ‏— دل میں خوف ہوتا اور نہ ہاتھ میں لرزہ، کتنے مصائب
عنہا طرادک یا ابن فقع القردد ‏— ہیں کہ وہ ان میں گھس گیا، اے بندریا کے بیٹے، تو
ثکلتک امک ان ظفرت بمثلہ ‏— اس کو جھکایا، پچھاڑ نہ سکا، تیری ماں تجھ
ممن مضی، ممن یروح ویغتدی ‏— پر روئے تو ان لوگوں پر جو گزر چکے ہیں اور جو زندہ
وَ اللہِ ربّکَ ان قتلت لمسلما ‏— ہیں ان ... اس طرح غالب نہیں ہوسکا۔ خدا کی قسم
حلت علیک عقوبۃ المتعمد ‏— تونے ایک مسلمان کو ناحق قتل کیا تجھ پر ضرور اللہ تعالٰی کا عذاب نازل ہوگا۔

حضرت عاتکہؓ کا سالِ وفات اور دیگر حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت سلمٰی بنت عمیسؓ

عمِ رسولؐ حضرت حمزہؓ کی اہلیہ تھیں اور قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتی تھیں، سلسلہ نسب

یہ ہے: ———

سلمٰی بنت عمیس بن معد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک بن بشر بن وہب اللہ بن شہران بن عفرس بن خلف بن اقبل (خثعم)

ماں کا نام ہند (خولہ) بنتِ عوف تھا وہ قبیلہ کنانہ سے تھیں۔

جلیل القدر صحابیہ حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس (جن کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا) حضرت سلمٰیؓ کی حقیقی بہن تھیں جبکہ اُمّ المومنین حضرت میمونہؓ بنتِ حارث اور حضرت اُمِّ الفضلؓ (اہلیہ حضرت عباسؓ عمِّ رسول) ان کی اخیافی بہنیں تھیں۔

حضرت اُمامہؓ بنتِ حمزہؓ حضرت سلمٰیؓ ہی کے بطن سے تھیں۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد حضرت سلمٰیؓ کا نکاح شداد بن اسامۃ الہادی سے ہوا۔ ان سے دو بیٹے عبداللہ اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ حضرت سلمٰیؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمامہؓ بنتِ حمزہؓ

عمِّ رسول سید الشہداء حضرت حمزہؓ بن عبدالمطّلب کی صاحبزادی تھیں جو سلمٰیؓ بنتِ عمیس کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ حضرت حمزہؓ کی شہادت (۳ھ) میں وہ بہت کم سن تھیں۔

صحیح بخاری میں ان کے متعلق یہ واقعہ مذکور ہے کہ ذیقعدہ ۷ھ ہجری میں حضورؐ عمرۃ القضاء کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ صلحنامۂ حدیبیہ کی شرط کے مطابق تین دن کے قیام کے بعد آپؐ مکہ سے چلنے لگے تو اُمامہؓ بنتِ حمزہؓ "یا عمّ یا عمّ" کہتی ہوئی حضورؐ کی طرف دوڑیں (ایک اور روایت میں ہے کہ اس وقت وہ یا اخی یا اخی

یعنی بھائی بھائی کہہ رہی تھیں (فی الحقیقت حضورؐ حضرت حمزہؓ کے رضاعی اور خالہ زاد بھائی بھی تھے اور ان کے بھتیجے بھی تھے۔ اس لحاظ سے آپؐ امامہؓ کے چچا بھی ہوتے تھے اور بھائی بھی) حضرت علیؓ نے ان کو گود میں اٹھا لیا اور اپنے ساتھ لے جا کر حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے سپرد کر دیا کہ یہ تمہاری بنتِ عم ہے۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور حِبُّ النبی حضرت زیدؓ بن حارثہ نے امامہؓ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لینے کے لیے حضورؐ کی خدمت میں الگ الگ دعوے پیش کیے۔ حضرت علیؓ کہتے تھے کہ اُمامہؓ میرے چچا کی لڑکی ہے، اس لیے میں حق دار ہوں، حضرت جعفرؓ یہ کہہ کر اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے کہ وہ میری بنتِ عم ہے، اور میری اہلیہ اسماءؓ بنتِ عمیس کی حقیقی بھانجی ہے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ کہتے تھے کہ وہ میرے دینی بھائی (حضرت حمزہؓ) کی لڑکی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منازعت کا فیصلہ حضرت جعفرؓ کے حق میں صادر فرمایا کیوں کہ ان کی زوجہ اسماء بنتِ عمیس حضرت اُمامہؓ کی حقیقی خالہ تھیں اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔

حضرت اُمامہؓ سنِ بلوغ کو پہنچیں تو ان کا نکاح حضرت سلمہؓ (یا بروایتِ دیگر عمرؓ) بن ابی سلمہؓ سے ہوا جو اُمُّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے فرزند اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب تھے۔

حضرت اُمامہؓ بنتِ حمزہؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

حضرت اُمُّ الفضلؓ بنتِ حمزہؓ

بعض اہلِ سِیَر نے حضرت اُمامہؓ کے علاوہ سیدالشہداء حضرت حمزہؓ کی ایک اور بیٹی اُمُّ الفضلؓ کا ذکر بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہوا۔ عبداللہ بن شدادؓ نے ان سے روایت کی ہے کہ ہمارا ایک آزاد کردہ غلام مر گیا تھا اس کی ایک بیٹی اور ایک بہن تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو نصف نصف

ورثہ دلایا۔ مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت عمرہؓ بنتِ حارث

خزاعہ کے خاندان بنو مصطلق سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عمرہ بنتِ حارث بن ابی ضرار بن حبیب بن عائذ بن مالک بن خزیمہ (مصطلق)

اُمّ المؤمنین حضرت جویریہؓ بنتِ حارث کی بہن تھیں۔ سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں اور شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ حضرت عمرہؓ بنتِ حارث نے حدیث اَلدُّنْیَا خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ (دُنیا شاداب و شیریں لگتی ہے) روایت کی ہے۔

مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ ولید

قریش کے خاندان بنو عبد شمس سے تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے:

فاطمہؓ بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

حضرت فاطمہؓ کا دادا عتبہ بن ربیعہ قریش کا نامور رئیس تھا، اور والد کا شمار بھی قریش کے شجاع اور متمول جوانوں میں ہوتا تھا۔ دادا اور والد دونوں آخر دم تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے، اور غزوۂ بدر (۲ھ) میں مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ البتہ چچا حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ اور خود حضرت فاطمہؓ کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ حق کی توفیق دی اور دونوں نے شرفِ صحابیت حاصل کیا۔ حضرت

ابوحذیفہؓ نے سعادت مند بھتیجی کا نکاح اپنے منہ بولے بیٹے اور آزاد کردہ غلام حضرت سالمؓ سے (جو سالمؓ مولیٰ ابوحذیفہؓ کے نام سے مشہور ہیں) کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ کو ہجرت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ نہایت مخلص صحابیہ تھیں۔

مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت زینبؓ بنتِ حنظلہ

تمام اہلِ سیر نے ان کا شمار حضورؐ کی صحابیات میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان کا نکاح حِبُّ النبیؐ حضرت اسامہؓ بن زیدؓ سے کر دیا تھا لیکن ان سے نباہ نہ ہو سکا اور دونوں میں تفریق ہو گئی اس کے بعد ان کا نکاح مشہور صحابی حضرت نعیم النحام عدویؓ سے ہوا، ان کے صلب سے ایک صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے "رحمۃ للعالمین" جلد سوم میں حضرت زینبؓ کے خاندان کے بارے میں لکھا ہے کہ زینبؓ اس بڑے خاندان کی خاتون تھیں کہ شہزادہ امرء القیس ان کے جدِ امجد کا مداح تھا۔

مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت سہلہؓ بنتِ عاصم قضاعیہ

قبیلۂ بلی سے تھیں جو قضاعہ کی شاخ تھا اور قضاعہ کے بارے میں علامہ ابن سعد نے لکھا ہے وھم من الانصار۔ ہجرتِ نبوی سے کچھ پہلے یا بعد اسلام قبول کیا اور شرفِ صحابیت سے بہرہ در ہوئیں۔ ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت

عبدالرحمٰنؓ بن عوف (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) سے ہوا۔

صحیح بخاری کتاب النکاح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰنؓ پر مراسم شادی کی علامات دیکھیں تو پوچھا "نکاح کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ"

حضورؐ نے فرمایا۔ "کس سے"؟

حضرت عبدالرحمٰن نے کہا: "ایک انصاریہ سے"!

حضورؐ نے پوچھا: "کیا مہر ہے؟"

عرض کیا: "سونے کی ایک گٹھلی ہے۔" (یا کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا)

حضورؐ نے فرمایا: "اللہ یہ شادی تمہارے لئے مبارک کرے، ولیمہ کرد اگرچہ ایک بکری ہی سہی۔"

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ یہ انصاریہ جن سے حضرت عبدالرحمٰنؓ نے نے نکاح کیا تھا، حضرت سہلہ بنت عاصم تھیں۔

مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت ثبیتہؓ بنت یعار انصاریہ

انصار کے کسی قبیلے سے تھیں۔ ان کا نکاح رئیس مکہ عتبہ بن ربیعہ کے فرزند حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ سے ہوا جن کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوعبداللہ سالمؓ پہلے حضرت ثبیتہؓ ہی کے غلام تھے انہوں نے راہ حق میں آزاد کردیا تو حضرت ابوحذیفہؓ نے اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا چنانچہ وہ سالمؓ بن ابوحذیفہؓ کے نام سے مشہور ہوگئے۔ جب یہ حکم نازل ہوا کہ لوگوں کو اپنے (اصل) باپوں کی نسبت سے پکارو تو لوگ انہیں سالمؓ مولیٰ ابوحذیفہؓ کہنے لگے۔

حضرت سالمؓ کے کوئی اولاد نہ تھی لہذا (جنگِ یمامہ میں) اپنی شہادت سے پہلے انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کے متروکہ مال اسباب میں سے ایک ایک ثلث مختلف اسلامی ضروریات اور غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے اور ایک ثلث ان کے سابق آقاؤں کو دیا جائے۔ خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی وصیت کے مطابق ان کے ترکہ کا ایک تہائی حضرت ثبیتہؓ کے پاس بھیجا تو انہوں نے یہ کہہ کر اس کے لینے سے معذرت کی کہ میں نے سالمؓ کو کسی صلہ کی اُمید کے بغیر محض رضائے الٰہی کی خاطر آزاد کیا تھا۔ اس روایت سے جہاں ان کا اخلاصِ عمل اور استغنا ظاہر ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ جنگِ یمامہ کے بعد تک حیات تھیں۔

سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت اُمِّ اوس انصاریہ رضؓ

انصار کے کسی قبیلے سے تھیں۔ (بعض نے انہیں بہزیہ لکھا ہے) ہجرت کے بعد اسلام قبول کیا اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں۔ قبولِ اسلام کے بعد انہوں نے ایک کپّی میں گھی بھر کر حضورؐ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ حضورؐ نے گھی قبول فرما لیا اور ان کے لیے برکت کی دعا کی۔ پھر آپؐ نے وہ کپّی حضرت اُمِّ اوسؓ کو واپس بھجوا دی، وہ یہ دیکھ کر پریشان ہوئیں کہ کپّی بدستور گھی سے بھری ہوئی تھی، روتی ہوئی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں کہ یا رسول اللہ! آپؐ نے مجھ ناچیز کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ حضورؐ نے انہیں تسلی دی کہ میں نے تمہارا ہدیہ قبول کر لیا ہے۔ اب اس کپّی میں جو گھی ہے اسے تم اپنے استعمال میں لاؤ۔ اس واقعہ کے بعد حضرت اُمِّ اوسؓ سالہا سال تک اس کپّی میں سے گھی لے کر استعمال کرتی رہیں وہ ختم ہونے میں نہیں آیا تھا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُمِّ اوسؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہدِ خلافت

تک زندہ تھیں اور اسی کپی سے گھی لے کر استعمال کیا کرتی تھیں۔

مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت اُمِّ خلّادؓ انصاریہ

انصار کے کسی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نکاح سوید بن ثعلبہ (خزرجی) سے ہوا۔ ان کے صُلب سے ایک بیٹے خلّاد پیدا ہوئے، جو بڑے مخلص صحابی تھے، وہ غزوہ بنو قریظہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ ایک یہودی عورت نے اپنے مکان کی چھت سے ان پر بھاری پتھر گرا دیا جس کے صدمہ سے شہید ہو گئے۔

والدہ کو اڑتی اڑتی خبر ملی تو وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ عقل و خرد پر بجلی بن کر گرنے والے اس حادثے کے باوجود ان کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ بارگاہِ نبوت میں جو لوگ حاضر تھے ان میں سے کسی نے کہا :

”بی بی تمہارا بیٹا قتل ہو گیا ہے۔ تعجب ہے کہ ایسی مصیبت کے وقت بھی تم نے چہرے پر نقاب ڈال رکھی ہے۔“

اُمِّ خلّادؓ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔ ”اگر میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے تو کیا اب شرم و حیا بھی کھو دوں ؟“

مسندِ ابو داؤد میں ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا۔ ”تمہارے فرزند کو دوہرا ثواب ملے گا کیونکہ اسے اہلِ کتاب نے قتل کیا ہے۔“

حضرت اُمِّ خلّادؓ کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت اُمُّ الخیرؓ بنتِ صخر

سلمٰی نام اور اُمُّ الخیر کنیت - قریش کے خاندان بنو تیم سے تھیں سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمُّ الخیر سلمٰیؓ بنتِ صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرّہ

ان کی شادی اپنے ابنِ عم ابو قحافہؓ سے ہوئی، اُن کے صُلب سے ملّتِ اسلامیہ کی وہ مایۂ ناز ہستی پیدا ہوئی جن کو دنیا افضل الامت سیّدنا حضرت ابو بکر صدیقِ اکبرؓ کے نام سے جانتی ہے۔

صدیقِ اکبرؓ کے قبولِ اسلام کے بعد حضرت اُمُّ الخیرؓ کچھ عرصہ اپنے آبائی مذہب پر ہی قائم رہیں۔ ادھر سعادت مند فرزندِ جلیل نے اپنی زندگی تبلیغ حق کے لیے وقف کر دی۔ ان کا طرزِ عمل کفار کو ایک آنکھ نہ بھایا اور وہ ان کے درپئے آزار ہو گئے۔ ایک دن حضرت ابو بکر صدیقؓ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خانۂ کعبہ تشریف لے گئے اور وہاں پر موجود مشرکین کو دعوتِ حق دی۔ مشرکین ان کی باتیں سن کر مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے حضورؐ کو تو پیچھے دھکیل دیا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ پر ٹوٹ پڑے، اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ اسی اثنا میں بنو تیم کے کچھ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے مشتعل مشرکین کو پرے ہٹایا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو گھر لے گئے۔ گھر پہنچ کر حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ذرا ہوش آیا تو سب سے پہلے ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: "رسول اللہؐ کا کیا حال ہے؟"

گھر والے جو ابھی شرفِ اسلام سے بہرہ ور نہیں ہوئے تھے، ان کو ملامت کرنے لگے کہ اس حالت میں بھی آپ کو اپنے ساتھی کا خیال ہے اور اپنی کچھ پروا نہیں، لیکن حضرت ابو بکر صدیقؓ برابر یہی پوچھتے رہے کہ "رسول اللہؐ کا کیا حال ہے مجھے ان کی خبر لا دو۔"

ایک روایت کے مطابق رات کو حضورؐ خود حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گھر تشریف لائے، انہیں اس حال میں دیکھا تو آپؐ آب دیدہ ہو گئے اور فرطِ محبت سے ان کی پیشانی چوم لی۔ اس موقع پر صدیق اکبرؓ نے نہایت لجاجت سے عرض کی:

"یا رسول اللہ یہ میری والدہ ہیں ان کے لیے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں نعمت اسلام سے بہرہ یاب کرے اور عذابِ دوزخ سے محفوظ رکھے۔"

حضورؐ نے حضرت اُمّ الخیرؓ کے لیے دعا فرمائی جو فوراً درِ اجابت پر پہنچی اور وہ اسی وقت مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔

بعض روایتوں میں ہے کہ رات کو حضرت اُمّ جمیل فاطمہؓ بنتِ خطاب حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خبر گیری کے لیے آئیں۔ صدیق اکبرؓ نے ان سے پوچھا کہ حضورؐ اس وقت کہاں ہیں، انہوں نے بتایا کہ آپؐ دارِ ارقم میں تشریف فرما ہیں۔ صدیق اکبرؓ نے ان سے درخواست کی کہ مجھے حضورؐ کی خدمت میں لے چلو۔

رات گئے جب خبر گیری کرنے والے دوسرے سب لوگ چلے گئے تو حضرت اُمّ الخیر اور حضرت اُمّ جمیلؓ صدیق اکبر کو سہارا دے کر دارِ ارقم میں حضورؐ کی خدمت میں لے گئیں۔ آپؐ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اُن کے لیے دُعائے خیر کی۔ اسی موقع پر انہوں نے حضورؐ سے اپنی والدہ کے حق میں دعا کی درخواست کی۔ حضورؐ نے فوراً دستِ دُعا پھیلائے اور حضرت اُمّ الخیرؓ اسی وقت سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔ یہ واقعہ بعد بعثت کے چوتھے یا پانچویں سال کا ہے اسی لیے اہلِ سیر حضرت اُمّ الخیرؓ کو قدیم الاسلام صحابیات میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت اُمّ الخیرؓ نے طویل عمر پائی اور ابن اثیر کے بیان کے مطابق حضرت ابو قحافہؓ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان کا انتقال ہوا۔ طبرانی نے ہیثم بن عدی سے روایت کی ہے کہ ۱۳ھ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے وفات پائی تو ان کے والدین حضرت ابو قحافہؓ اور حضرت اُمّ الخیرؓ دونوں زندہ تھے اور دونوں

نے ان کی میراث کا حصہ پایا۔ قیاس یہ ہے کہ دونوں عہدِ فاروقی میں کسی وقت فوت ہوئے۔

حضرت ثویبہؓ

حضرت ثویبہؓ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے (دشمنِ اسلام) چچا ابولہب کی لونڈی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت ثویبہؓ نے حضورؐ کی ولادت باسعادت کی خبر ابولہب کو سنائی تو اس نے انہیں آزاد کر دیا۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباسؓ نے اسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ جہنم میں تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ "میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کا مژدہ سن کر ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا اس کے عوض دوشنبہ کے دن میرے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔" لیکن کچھ ایسی روایات بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابولہب نے حضرت ثویبہؓ کو اس وقت آزاد کیا جب حضورؐ کی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے ہو چکی تھی۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہؓ نے ثویبہ کو ابولہب سے خرید کر آزاد کرنا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ بعد میں کچھ خیال آیا اور خود ہی آزاد کر دیا۔

حضرت ثویبہؓ کو یہ عظیم شرف حاصل ہوا کہ ولادت کے بعد چند دن تک حضورؐ نے اُن کا دودھ پیا۔ صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ بن عبدالاسد (حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور اُمّ المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ کے پہلے شوہر) نے بھی ان کا دودھ پیا تھا۔ ابن سعدؒ، ابن کثیرؒ اور سہیلیؒ کا بیان ہے کہ عمِّ رسول حضرت حمزہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن جحش (حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی) نے بھی حضرت ثویبہؓ کا دودھ پیا تھا۔ اس لحاظ سے حضرت ثویبہؓ ان تمام جلیل القدر ہستیوں کی رضاعی ماں تھیں۔ ہجرت کے بعد حضورؐ مدینہ سے ان کے لیے کپڑا اور خرچ بھیجا کرتے تھے۔

حضرت ثویبہؓ نے ۷ھ میں وفات پائی۔ اُن کے ایک بیٹے مسروحؓ تھے جو حضورؐ کے رضاعی بھائی تھے۔ وہ والدہ کے سامنے ہی فوت ہو گئے تھے۔ حضرت ثویبہؓ کے قبولِ اسلام پر متعدد اہلِ سِیَر متفق ہیں۔

حضرت سبیعہ غامدیہؓ

حضرت سبیعہؓ قبیلہ بنو غامد کی ایک شریف زادی تھیں۔ وہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکی تھیں، لیکن ان سے ایک مرتبہ ایک جنسی لغزش سرزد ہو گئی۔ وہ اس فعل کی در پردہ مرتکب ہوئی تھیں۔ اگر وہ چاہتیں تو کسی کو علم نہیں ہو سکتا تھا لیکن وہ ایک سچی مسلمان تھیں۔ احساسِ معصیت نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا اور وہ ایک دن بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہو کر عرض پیرا ہوئیں:

"یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے، میں نے بدکاری کا ارتکاب کیا ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "واپس جا، استغفار کر اور اللہ کی طرف انابت و رجوع کر۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ آپؐ نے ان سے گواہ طلب کیے۔ انہوں نے عرض کی "یا رسول اللہؐ اس وقت کوئی دیکھنے والا موجود نہیں تھا۔"

اس پر ارشاد ہوا۔ "جا اور استغفار کر شاید تیرا گناہ اللہ معاف کر دے۔"

وہ دوسرے دن پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بولیں:

"یا رسول اللہ کیا آپ مجھے بھی اسی طرح پھیر پھیر دینا چاہتے ہیں جس طرح آپ نے ماعزؓ بن مالک کو لوٹا دیا تھا۔ خدا کی قسم

میں بدکاری کے نتیجہ میں ایک بچے کی ماں بننے والی ہوں۔"
آپؐ نے حکم دیا۔ "واپس جاؤ" وہ چلی گئیں۔
تیسرے دن پھر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:
"یارسول اللہ مجھ پر حد جاری کیجیے تاکہ میں پاک ہو جاؤں۔"
حضورؐ نے فرمایا: "واپس جاؤ اور بچہ کے پیدا ہونے کا انتظار کرو۔"

وہ چلی گئیں جب بچہ پیدا ہوا تو بچے کو گود میں لیے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ سے درخواست کی کہ مجھ پر حد جاری فرمائیں۔

حضورؐ نے فرمایا۔ "دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب بچہ دودھ چھوڑ دے تب آنا۔"

جب بچے کی رضاعت کا زمانہ گزر گیا تو پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ اب آپؐ نے حکم الٰہی کے مطابق رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا۔

(ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت سبیعہؓ نومود بچے کو گود میں لیے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا کہ فی الحال ہم اس پر حد جاری نہیں کریں گے اور اسے اس وقت تک چھوڑے رکھیں گے جب تک اس بچے کے دودھ پلانے کا کوئی انتظام نہ ہو جائے، یہ سن کر ایک انصاری بزرگ کھڑے ہو گئے اور عرض کی، یارسول اللہ اس بچے کی رضاعت میرے ذمہ ہے۔ اس پر حضورؐ نے سبیعہؓ پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا)

لوگوں نے حضرت سبیعہؓ پر پتھر برسانے شروع کیے۔ حضرت خالدؓ بن ولید بھی اس موقع پر موجود تھے۔ انہوں نے ایک پتھر پھینکا جو حضرت سبیعہؓ کے سر پر پڑا اور خون کی چھینٹیں اڑ کر حضرت خالدؓ کے چہرے پر پڑیں۔ ان کے منہ سے حضرت سبیعہؓ کے لیے کوئی سخت جملہ نکل گیا۔ حضورؐ نے فرمایا:

"خالد زبان کو روکو۔ خدا کی قسم اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ ظلم سے محصول وصول کرنے والا بھی اگر ایسی توبہ کرے تو بخشا جائے"

اس کے بعد آپؐ نے حضرت سبیعیہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔

ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ اس کا کیا سبب ہے کہ آپؐ نے ایک ایسی عورت پر نماز پڑھی ہے جو حرام کاری کی مرتکب ہوئی تھی۔"

سید المرسلینؐ نے فرمایا:

"راہِ خدا میں جان قربان کرنے سے بڑھ کر اس نے کوئی چیز نہیں پائی یعنی اس نے محض خوفِ خدا سے خود آکر اپنے گناہِ کبیرہ کا اقرار کیا اور اپنی جان قربان کر دی۔"

حضرت سیرین قبطیہؓ

صلح حدیبیہ ۶ھ ہجری کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو مقوقس والیٔ مصر کے پاس مبلغ اسلام بنا کر بھیجا۔ مقوقس نے اسلام تو قبول نہ کیا البتہ حضرت حاطبؓ کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔ جب وہ مصر سے چلنے لگے تو مقوقس نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بہت سے تحائف اور ہدایا ان کے ساتھ کر دیئے۔ ان میں دو بہنیں ماریہؓ اور سیرینؓ بھی تھیں۔ یہ دونوں حضرت حاطبؓ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہو گئیں۔ حضرت ماریہؓ تو حرمِ نبوی میں داخل ہوئیں اور حضرت سیرینؓ مداحِ رسولؐ حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری کے حبالۂ عقد میں آئیں۔ ان کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حسانؓ پیدا ہوئے۔

علامہ زرقانیؒ نے لکھا ہے کہ مصر کے قبطی بالعموم عیسائی تھے چونکہ حضرت ماریہؓ اور حضرت سیرینؓ قبطیہ تھیں اس لیے اربابِ سیر نے انہیں اہلِ کتاب صحابیات میں شمار کیا ہے۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے حضرت ابراہیمؑ فوت ہوئے تو ان کی والدہ حضرت ماریہؓ سخت غمزدہ ہوئیں اور شدتِ الم سے رونے لگیں، حضرت سیرینؓ کو بھی اپنے بھانجے کی موت سے سخت صدمہ پہنچا لیکن انہوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور اپنی بہن (حضرت ماریہؓ) کو صبر کی تلقین کرتی رہیں۔

حضرت تمیمہؓ بنتِ وہب

بعض روایتوں میں ان کا نام عائشہ، سہمیہ، امیمہ، رمیصا اور عمیصا بھی آیا ہے۔ یہود کے خاندان بنو قریظہ سے تھیں۔ ان کا پہلا نکاح اپنے ہی خاندان کے ایک صاحب حضرت رفاعہؓ بن قرظہ قرظی سے ہوا، لیکن ان سے نباہ نہ ہو سکا اس لیے انہوں نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن زبیر سے نکاح ہوا، مگر کچھ عرصہ بعد بوجوہ ان سے بھی علیحدگی اختیار کرنی چاہی (ان کا ارادہ تھا کہ دوبارہ رفاعہؓ سے نکاح کر لیں) حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ عبدالرحمٰن تو کپڑے کی بتی کی طرح ہے۔

حضورؐ ان کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا، کیا تو پھر رفاعہ کی طرف جانے کا ارادہ رکھتی ہے لیکن جو بات تو کہہ رہی ہے اس کے پیشِ نظر میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

حضورؐ کے وصال کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں

حاضر ہو کر بھی درخواست پیش کی لیکن انہوں نے بھی اجازت نہیں دی۔ حضرت عمر فاروق خلیفہ ہوئے تو ان سے بھی اجازت چاہی، انہوں نے بھی سختی سے ان کی درخواست رد کر دی۔ مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

بنتِ عمروؓ بن وہب

سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جاں نثار حضرت سعد الاسود سہمیؓ ظاہری حسن و جمال سے محروم تھے اس لیے کوئی شخص ان کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینے پر راضی نہیں ہوتا تھا۔ انھوں نے حضورؐ کی خدمت میں اپنی مشکل بیان کی تو فرمایا: "تم اسی وقت عمروؓ بن وہب ثقفی کے گھر جاؤ اور سلام کے بعد ان سے کہو کہ رسول اللہؐ نے آپ کی بیٹی کا رشتہ میرے ساتھ کر دیا ہے۔"

حضرت سعدؓ نے حضرت عمروؓ بن وہب کو حضور کے فرمان سے آگاہ کیا تو انھیں سعدؓ کی بات پر اعتبار نہ آیا اور انہوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کی صاحبزادی نے باپ کی گفتگو سنی تو لپک کر دروازے پر آئیں اور حضرت سعدؓ سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے اللہ کے بندے اگر واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بھیجا ہے تو میں بخوشی تمہارے ساتھ شادی کے لیے تیار ہوں۔"

حضرت سعدؓ نے واپس جا کر حضورؐ کو ساری بات بتائی تو آپؐ نے لڑکی کو دعائے خیر دی۔ اُدھر لڑکی نے اپنے والد کو بھی غضب الٰہی سے ڈرایا، وہ بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر عفوِ تقصیر کے خواستگار ہوئے۔ حضورؐ نے اب بنت عمروؓ کا نکاح حضرت سعد سے کر دیا۔ ابھی بیوی کو رخصت کرا کر نہیں لائے تھے کہ ایک غزدہ میں شہید ہو گئے حضورؐ نے ان کا ترکہ بنتِ عمروؓ بن وہب کو دلایا۔ ان کے اسی قدر حالات معلوم ہیں۔

حضرت اُمِّ حَرْمَلَہ بنتِ عبدالاسود

حضرت اُمِّ حَرْمَلَہؓ بنت عبدالاسود بنو خزاعہ میں سے تھیں۔ ان کی شادی حضرت جہمؓ بن قیس ہوئی جو بنو عبدالدار بن قُصَیّ میں سے تھے۔ دونوں میاں بیوی نہایت سعید الفطرت تھے اور دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں مشرّف بہ اسلام ہو گئے تھے۔ ۶ سنہ بعدِ بعثت میں اپنے دو فرزندوں عمروؓ بن جہم اور خُزَیمہؓ بن جہم کو ساتھ لے کر حبش کی طرف ہجرت کرنے والے دوسرے قافلے میں شامل ہو گئے۔ حضرت اُمِّ حَرْمَلَہؓ نے قیامِ حبشہ کے دوران میں ہی وفات پائی اور سرزمینِ حبشہ ہی کو ان کی ابدی آرامگاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ بعض روایتوں میں ان کا نام حرملہ بھی آیا ہے اور خُزَیمہؓ کو ان کی بیٹی بتایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت بَرَکہؓ بنتِ یسار

ان کا حسب و نسب تاریکی میں ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ابو سفیانؓ کی آزاد کردہ لونڈی تھیں اور دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہو گئی تھیں۔ ان کا نکاح حضرت قیسؓ بن عبداللہ سے ہوا۔ وہ بھی سابقین اوّلین میں سے تھے اور قبیلہ بنو اسد بن خزیمہ کے حلیف و حراغ تھے۔ دوسری ہجرتِ حبشہ میں دونوں میاں بیوی نے حبش کی غریب الوطنی اختیار کی اور وہاں سے غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ آئے۔ ابن اثیرؒ نے لکھا ہے کہ ان کی لڑکی آمنہ اُمّ المومنین حضرت اُمِّ حبیبہؓ بنت ابی سفیانؓ کی دایہ تھیں اور حضرت قیسؓ ان کے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحش کے خدمت گار تھے۔ عبیداللہ نے حبش جا کر

مذہب عیسوی اختیار کرلیا۔ لیکن قیسؓ اور برکہؓ بدستور اسلام پر قائم رہے۔ اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

حضرت فکیہہؓ بنتِ یسار

نہایت قدیم الاسلام صحابیات میں سے ہیں۔ تمام اہلِ سیر اس بات پر متفق ہیں کہ انہوں نے بعدِ بعثت کے ابتدائی تین سالوں میں اسلام قبول کیا۔ ان کا نکاح حضرت حطابؓ بن حارث جمحی سے ہوا جو انہی کی طرح سابقین اوّلین میں سے تھے جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا کردی، تو میاں بیوی ۶ھ بعدِ بعثت میں مہاجرینِ حبشہ کے دوسرے قافلے میں شامل ہوگئے اور حبش کو اپنا وطنِ ثانی بنالیا۔ ایک روایت کے مطابق حضرت حطابؓ بن حارث قیامِ حبشہ کے دوران میں ہی انتقال کر گئے اور حضرت فکیہہؓ بیوگی کے عالم میں غزوۂ خیبر کے موقع پر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آئیں۔

لیکن ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حطابؓ اپنی اہلیہ کے ہمراہ بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس آئے اور حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ بعض روایتوں میں ان کا نام خطابؓ بن حارث بھی آیا ہے۔ حضرت فکیہہؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اسماءؓ بنتِ سلامہ

ان کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ دعوتِ توحید کے بالکل ابتدائی دور میں شرفِ اسلام

سے بہرہ ور ہوئیں۔ ان کا نکاح حضرت عیاشؓ بن ابی ربیعہ مخزومی سے ہوا۔ وہ ابوجہل جیسے دشمنِ اسلام کے ماں جائے بھائی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ سعید عطا کی تھی۔ چنانچہ بعد بعثت کے ابتدائی زمانے میں اس وقت سعادت اندوزِ اسلام ہوئے جب حضورؐ حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے گھر تشریف نہیں لائے تھے۔

ابوجہل اور اس کے حواریوں نے حضرت عیاشؓ اور حضرت اسماءؓ پر اسلام لانے کے جرم میں جینا دوبھر کر دیا تو دونوں میاں بیوی ۶ھ بعدِ بعثت میں مکہ سے ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔ یہاں ان کے ایک صاحبزادے عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت اسماءؓ اپنے شوہر اور بچے کے ہمراہ مکہ واپس آ گئیں۔ حضرت عیاشؓ نے کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ کے ہمراہ ہجرتِ مدینہ کا شرف حاصل کیا۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ نے ہجرتِ نبویؐ کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور سارا خاندان مدینہ میں یکجا ہو گیا۔

حضرت عیاشؓ کی وفات کے بعد حضرت اسماءؓ بنتِ سلامہ کا نکاح حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے ہوا۔

مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت لَقَطہؓ بنتِ علقمہ

بعض روایتوں میں ان کا نام فاطمہؓ بنت علقمہؓ اور بعض میں اُمِ لَقَطہؓ آیا ہے۔ سابقین اوّلین کے اس طبقے سے تعلق رکھتی ہیں جس کو بعثت کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے شوہر حضرت سلیطؓ بن عمرو بھی اسی سعادت مند گروہ میں سے تھے۔ ان کا تعلق بنی عامر بن لوئی سے تھا۔ دوسری

ہجرتِ حبشہ (۵ھ بعد بعثت) میں دونوں میاں بیوی نے راہِ حق میں گھر بار کو خیر باد کہا اور حبش کی غریب الوطنی اختیار کر لی۔ تقریباً تیرہ برس پردیس میں گزارنے کے بعد غزوۂ خیبر کے موقع پر مدینہ منورہ کو مراجعت کی۔ ان کی اولاد میں صرف ایک لڑکے سلیطؓ کا نام ابنِ سعد نے صراحت کے ساتھ لیا ہے۔ مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت اُمِّ حبیبہؓ بنتِ جحش

حضرت اُمِّ حبیبہؓ بنتِ جحش، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی اُمیمہ بنتِ عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں اور اُمّ المومنین حضرت زینبؓ بنتِ جحش، حضرت حمنہؓ بنتِ جحش اور شہیدِ اُحد حضرت عبداللہؓ بن جحش "المجدع فی اللہ" (گوش بُریدہ راہِ خدا) کی حقیقی بہن تھیں۔ اپنے بہن بھائیوں کی طرح وہ بھی دعوتِ توحید کے ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور مدتوں راہِ حق میں ہر قسم کے مصائب جھیلتی رہیں تاآنکہ ہجرتِ مدینہ کا اذن ہوا اور ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے انھوں نے سرزمینِ مکہ کو الوداع کہہ کر یثرب میں بود و باش اختیار کر لی۔ حضرت اُمِّ حبیبہؓ کا نکاح عظیم المرتبت صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (یکے از اصحابِ عشرہ مبشرہ) سے ہوا۔

صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اپنی بہن اُمّ المومنین حضرت زینبؓ بنتِ جحش سے بہت محبت تھی اور دن میں کئی مرتبہ ان کے گھر آیا کرتی تھیں۔ بعض روایتوں میں حضرت اُمِّ حبیبہؓ کی کنیت اُمِّ حبیب درج ہے۔

مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرتِ اروی رضؓ بنتِ عبد المطلب

حضرت اروی رضؓ کے حسب نسب کے بارے میں اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ ان کے قبولِ اسلام پر علامہ ابنِ سعدؒ، ابنِ قیمؒ اور بہت سے دوسرے اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت اروی رضؓ کا نکاح عمیر بن وہب (بن عبد بن قصیّ) سے ہوا۔ ان کے صُلب سے طلیبؓ پیدا ہوئے۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو جن پاک نفوس نے اس دعوت کے قبول کرنے میں نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر اوّلیت کا شرف حاصل کیا، حضرت طلیبؓ بھی ان میں شامل تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس زمانے میں حضرت ارقمؓ بن ابی الارقم کے گھر میں فروکش ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے۔ حضرت طلیبؓ دارِ ارقم سے مسلمان ہو کر گھر آئے اور والدہ سے کہا: "اماں جان میں اپنے (ماموں زاد) بھائی محمدؐ پر سچّے دل سے ایمان لے آیا ہوں وہ خدا کے سچّے رسول ہیں۔"

حضرت اروی رضؓ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن بڑے اخلاص اور دردمندی کے ساتھ اپنے فرزند سے کہا:

> "بیٹے تمہارا بھائی آج مخالفتوں کے طوفان میں گھرا ہوا ہے۔ بیکس اور مظلوم ہے اور واقعی تمہاری امداد کا مستحق ہے، اے کاش کہ مجھ میں مردوں جیسی قوّت ہوتی تو اپنے یتیم بھتیجے کو ظالموں کی چیرہ دستیوں سے بچاتی۔"

طلیبؓ نے کہا۔ "اماں تو پھر آپ بھی اسلام کیوں نہیں قبول کر لیتیں؟"

حضرت اروی رضؓ نے کہا: "مجھے دوسری بہنوں کا انتظار ہے۔"

حضرت طلیبؓ نے کہا: "اماں اب انتظار کا وقت نہیں، خدا کے لیے

میرے ساتھ بھائی کے پاس چلیں اور دولتِ اسلام سے بہرہ یاب ہو جائیں۔"

حضرت اروی ؓ مزید عذر نہ کر سکیں، اسی وقت اپنے سعادت مند بیٹے کے ساتھ حضرت ارقم ؓ کے گھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔ یہ واقعہ ۳ھ بعدِ بعثت کی دوسری ششماہی کا ہے۔ بعض سیرت نگاروں کا بیان ہے کہ حضرت طلیب ؓ اور حضرت اروی ؓ حضرت حمزہ ؓ کے قبولِ اسلام کے بعد ایمان لائے اور حضرت طلیب ؓ نے ماں کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے حضرت حمزہ ؓ کے قبولِ اسلام کا حوالہ بھی دیا لیکن یہ روایت صحیح نہیں کیونکہ حضرت حمزہ ؓ ہجرتِ حبشہ ثانیہ کے بعد (۶ھ بعدِ بعثت کے دوران میں) مسلمان ہوئے۔ اس وقت حضرت طلیب ؓ ہجرت کر کے حبش جا چکے تھے۔

حضرت اروی ؓ اور حضرت طلیب ؓ قبولِ اسلام سے پہلے بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر اندیش تھے۔ حضرت اروی ؓ اپنے فرزند کو ہمیشہ حضور ؐ کی مدد کرنے کی ترغیب دیتی رہتی تھیں وہ ویسے ہی حضور ؐ کے جاں نثار تھے، ماں کی تائید سے ان کا حوصلہ اور بھی بلند ہو گیا تھا اور وہ ہر وقت حضور ؐ کی حفاظت اور اعانت پر کمربستہ رہتے تھے۔

حافظ ابن حجر ؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عوف بن صبرہ سہمی نے حضرت طلیب ؓ کے سامنے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ نازیبا الفاظ کہے حضرت طلیب ؓ جوشِ غضب سے بیقرار ہو گئے اور اس کو اونٹ کے کلّے کی ہڈی مار کر لہولہان کر دیا۔ عوف نے حضرت اروی ؓ سے شکایت کی تو انہوں نے بے ساختہ کہا:

ان طلیبا نصر ابن خالہ	واساہ فی دمہ ومالہ
(طلیب نے اپنے ماموں کے بیٹے کی مدد کی	اور اس کے خون اور اس کے مال کی غمخواری کی)

حضرت اروی ؓ کا بھائی ابولہب اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ ایک دفعہ اس نے چند مسلمانوں کو قبولِ حق کے جرم میں قید کیا تو حضرت طلیب ؓ کو سخت غصہ آیا اور انہوں نے اپنے ماموں کو خوب پیٹا۔ اپنے سرغنہ کو پٹتے دیکھ کر بہت سے مشرکین حضرت طلیب ؓ کو لپٹ گئے اور ابولہب کو چھڑا کر طلیب ؓ کو باندھ

دیا۔ چونکہ بڑے معزز خاندان کے فرد تھے اس لیے کچھ دیر بعد چھوڑ دیا۔ ابولہب نے ان کے خلاف اپنی بہن سے شکایت کی۔ حضرت اروی رضؓ نے جواب دیا: "طلیب کی زندگی کا بہترین وقت وہی ہے جب وہ محمدؐ کی مدد کرے۔"

ایک دفعہ حضرت طلیبؓ کو معلوم ہوا کہ ابواہاب بن عزیز دارمی نے حضورؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ انہوں نے چپکے سے جاکر اس کا سر قلم کر ڈالا حضرت اروی رضؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اظہار خوشنودی کیا۔

سنہ ۶ بعد بعثت کے آغاز میں حضرت طلیبؓ حضورؐ کے ایماء پر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں سات سال قیام کرنے کے بعد حضورؐ کی ہجرت الی المدینہ سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آئے۔ حضرت اروی رضؓ نے اپنے سعادت مند فرزند سے جدائی کا یہ طویل زمانہ بڑے صبر واستقلال کے ساتھ گزارا۔

حضرت اروی رضؓ کا سال وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہیں لیکن ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضورؐ کی وفات تک حیات تھیں اور حضورؐ کے وصال پر انہوں نے چند درد انگیز اشعار بھی کہے تھے۔ لیکن اس روایت کی ثقاہت کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا ـــــ بعض اہل سیر نے لکھا کہ حضرت اروی رضؓ شعروشاعری میں اچھی خاصی درک رکھتی تھیں۔

حضرت اُمِّ عبدؓ

اصل نام معلوم نہیں البتہ بعض روایتوں میں ان کے والد کا نام عبد وُدّ آیا ہے۔ جلیل القدر صحابی فقیہ الامت حضرت عبداللہ رضؓ بن مسعود کی والدہ تھیں۔ مسعود بن غافل ہذلی سے نکاح ہوا۔ انہی کے صُلب سے حضرت عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں شرف اسلام سے بہرہ در ہوئیں اور ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بہت شفقت فرماتے تھے اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کو اکثر ابن اُمِّ عبد کہہ کر بلاتے تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود وقتاً فوقتاً اپنی والدہ کو حرم نبوی میں بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ حضورؐ کی خانگی زندگی کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں۔

حضرت اُمِّ عبدؓ کے مزید حالات نہیں ملتے۔

حضرت زینبؓ بنتِ ابی معاویہ

زینبؓ نام تھا اور رائطہ لقب یا عرف۔ ان کا تعلّق قبیلہ بنو ثقیف سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

زینبؓ بنتِ ابی معاویہ عبداللہ بن معاویہ بن عتاب بن اسعد بن غاضرہ بن حطیط بن جشم بن ثقیف۔

فقیہ الامّت حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی اہلیہ تھیں۔ حضرت عبداللہؓ کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں تھا اور وہ بہت تنگ دست تھے۔ حضرت زینبؓ دستکار تھیں، جو کچھ کماتی تھیں اپنے شوہر اور ان کی اولاد پر صرف کر دیتی تھیں۔ اس طرح دوسرے حاجت مندوں اور مسکینوں کو صدقہ دینے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں بچتا تھا، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے صدقہ کا ثواب سن کر ان کے دل میں رہ رہ کر یہ تمنا پیدا ہوتی تھی کہ کاش میرے پاس بھی خیرات کے لیے کچھ رقم بچ جاتی۔ ایک دن حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے کہا:

"میں جو کچھ دستکاری کے ذریعہ کماتی ہوں، اس سے آپ کی اور آپ کی اولاد کی کفالت کرتی ہوں اس طرح صدقہ وخیرات کے ثواب سے محروم رہ جاتی ہوں، آپ ہی بتائیں اس میں میرا

کیا فائدہ ہے؟"

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا: "جس کام میں تمہارا فائدہ ہو وہ کرو، میں تم کو آخرت کے اجر سے محروم نہیں کرنا چاہتا۔"

حضرت زینبؓ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہیں ایک دستکار عورت ہوں جو کچھ کماتی ہوں، شوہر اور اولاد پر خرچ کردیتی ہوں کیونکہ میرے خاوند کا کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے۔ اس طرح مساکین کو صدقہ نہیں دے سکتی۔ ایسی صورت میں مجھے کچھ ثواب ملتا ہے یا نہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں تم کو ان کی کفالت کرنی چاہیے۔"

ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی۔ حضرت زینبؓ نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے کہا کہ "آپ بہت تنگدست ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں اگر حضورؐ اجازت دیں تو میں جو صدقہ کرنا چاہتی ہوں آپ ہی پر کروں۔"

حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: "تم ہی جاؤ۔"

حضرت زینبؓ حضورؐ کے آستانِ مبارک پر حاضر ہوئیں تو دروازے پر انصار کی ایک خاتون کو کھڑے پایا، وہ بھی حضورؐ سے یہی مسئلہ پوچھنے آئی تھیں۔ اتنے میں اندر سے حضرت بلالؓ آئے، دونوں بیبیوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ حضورؐ کی خدمت میں عرض کیجیے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور پوچھتی ہیں کہ وہ اپنے شوہروں اور ان کے زیرِ کفالت یتیموں پر صدقہ کرسکتی ہیں یا نہیں۔

حضرت بلالؓ نے حضورؐ کی خدمت میں ان کا سوال پیش کیا تو آپ نے

فرمایا: " وہ دونوں کون ہیں؟"

انہوں نے عرض کیا: " ایک عورت انصار کی ہے اور دوسری زینب"

حضورؐ نے پوچھا: " کونسی زینب؟"

عرض کیا: " عبداللہ بن مسعود کی اہلیہ۔"

آپؐ نے فرمایا: " ان کو دوہرا ثواب ملے گا۔ ایک قرابت کا دوسرا صدقہ کا۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود جب گھر تشریف لاتے تو باہر ہی سے کھنکارتے اور بلند آواز سے کچھ بولتے تاکہ اہل خانہ کو ان کے آنے کی خبر ہو جائے۔ مسند ابوداؤد میں حضرت زینبؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کھنکارتے ہوئے اندر آئے، اس وقت ایک بوڑھی عورت مجھے تعویذ پہنا رہی تھی۔ میں نے ان کے ڈر سے اس کو پلنگ کے نیچے چھپا دیا۔ حضرت عبداللہؓ میرے قریب بیٹھ گئے اور میری گردن کی طرف دیکھ کر پوچھا کہ یہ دھاگا کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ دھاگا مجھ کو دم کر کے دیا گیا ہے۔ یہ سنتے ہی انہوں نے یہ دھاگا میری گردن سے توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا، تم عبداللہ کا خاندان ہو، تم شرک سے بے نیاز ہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور اعمال حبّ شرک ہیں۔ میں نے کہا کہ میری آنکھ میں چبھن محسوس ہوتی تھی چنانچہ میں فلاں یہودی کے پاس دم کرانے کے لیے جایا کرتی تھی اس کے دم کرنے سے مجھے سکون سا ہو جاتا تھا۔ حضرت عبداللہؓ بولے کہ یہ شیطانی عمل ہے، وہی اپنے ہاتھ سے چبھن پیدا کرتا تھا اور جب دم کر دیا جاتا تو وہ ہاتھ روک لیتا تھا۔ لہٰذا تمہارے لیے اس طرح کہنا کافی تھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ:

اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

(اے پروردگارِ کائنات، تکلیف کو دور فرما دے اور تیری شفا ہی دراصل شفا ہے، شفا عطا فرما کیونکہ تو ہی شفا بخشنے والا ہے۔ ایسی شفا عطا کر کہ جس کے بعد کسی قسم کی تکلیف باقی نہ رہے)

یہ روایت ابنِ ماجہؒ، ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے بھی نقل کی ہے اور امام ذہبیؒ نے اس کو صحیح قرار دیا ہے لیکن بعض علماء نے اس کی تاویل کی ہے اور کچھ دوسری روایتوں کے پیشِ نظر اس قسم کی جھاڑ پھونک اور تعویذ کو جائز قرار دیا ہے جس میں شرکیہ کلمات استعمال نہ کیے جائیں۔

مسند احمد حنبل میں ہے کہ حضرت زینبؓ بنت ابی معاویہ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت اور عقیدت تھی اور وہ وقتاً فوقتاً بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتی رہتی تھیں۔ حضورؐ بھی ان پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے اور کبھی کبھی ان کو اپنا سر مبارک دیکھنے کی اجازت دے دیتے تھے۔ ایک دن حضورؐ کے سر مبارک کی جوئیں دیکھ رہی تھیں۔ اس وقت مہاجرین کی کچھ اور خواتین بھی بارگاہِ نبوت میں حاضر تھیں، کسی مسئلے پر بحث چھڑ گئی، حضرت زینبؓ اپنا کام چھوڑ کر بولنے لگیں۔ حضورؐ نے فرمایا، تم آنکھ سے نہیں بولتی ہو، کام بھی کرو اور باتیں بھی۔

حضرت زینبؓ کا سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں۔ مشہور محدث حضرت ابو عبیدہؒ ان کے فرزند تھے۔

حضرت زینبؓ سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں جو انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کی ہیں۔

حضرت جمانہؓ بنتِ ابی طالب

حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب کی بیٹی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی

ہمشیر تھیں۔ اس لحاظ سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چچازاد بھائی تھے۔

قاضی محمد سلیمان صاحب سلمان منصور پوریؒ نے "رحمۃ للعالمینؐ" جلد دوم میں بیان کیا ہے کہ "اولادِ ابی طالب" میں جمانہ کا نام ملتا ہے مگر ان کے حالات سے کوئی آگاہی نہیں ملتی، ابنِ اسحاقؒ امام اہل السیر نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیداوارِ خیبر میں سے تیس وسق خرما جمانہ دختِ ابی طالب کے لیے مقرر فرمائے تھے۔ اس فقرہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ خلعتِ اسلام سے مشرف تھیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح خیبر تک وہ حیات تھیں۔"

حضرت اُمِّ ہانیؓ بنتِ ابی طالب

ان کا نام بہ اختلافِ روایت فاختہ یا فاطمہ یا ہند تھا، کنیت "اُمِّ ہانی" پر سب اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔

عَمِّ رسول حضرت ابی طالب کی دختر تھیں۔ والدہ کا نام فاطمہؓ بنتِ اسد تھا، حضرت جعفرؓ طیار، طالب، عقیلؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ان کے حقیقی بھائی تھے۔

اُمِّ ہانیؓ کا نکاح ہبیرہ بن ابی وہب بن عمرو بن عایذ بن عمران بن مخزوم) مخزومی سے ہوا۔ ہبیرہ بن ابی وہب فتح مکہ کے وقت حالتِ شرک میں نجران کی طرف بھاگ گیا۔ نجران سے اس کی واپسی اور قبولِ اسلام کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی[1]

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ ہبیرہ بن ابی وہب نے مکہ سے اپنے فرار کے موقع پر یہ اشعار کہے (یا نجران پہنچ کر وہاں سے لکھ بھیجے)۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت اُمِّ ہانیؓ کے قبولِ اسلام پر سب اہلِ سِیَر کا اتفاق ہے لیکن اس کے زمانے کے بارے میں روایات میں اختلاف ہے بعض نے لکھا ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھیں البتہ اپنا اسلام چھپائے ہوئے تھیں۔

فتح مکہ کے سلسلے میں حضرت اُمِّ ہانیؓ سے متعلق روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکی تھیں اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت عقیدت اور محبت رکھتی تھیں۔ حضورؐ کو بھی ان کا بے حد لحاظ اور خیال تھا، چنانچہ جن مشرکوں کو حضرت اُمِّ ہانیؓ نے اپنے گھر میں پناہ دی، حضورؐ نے بھی ان کو پناہ دے دی، مزید برآں آپؐ بہ نفسِ نفیس حضرت اُمِّ ہانیؓ کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں نماز پڑھی۔

مسند احمد حنبلؒ میں ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر حارث بن ہشام مخزومی اور زہیر بن امیہ مخزومی (حاکمؒ نے زہیر کی جگہ عبداللہ بن ابی ربیعہ لکھا ہے) حضرت اُمِّ ہانیؓ کے گھر میں پناہ گزیں ہوئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا تو وہ شمشیر بدست اپنی ہمشیرہ کے گھر پہنچے اور یہ کہہ کر دونوں مخزومیوں کو قتل کرنا چاہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لعمرك ما وليت ظهري محمداً
واصحابه جبنا ولاخيفة القتل
ولكنني قلبت امري فلم اجد
لسيفي غناء ان ضربت ولا نبل
وقفت فلما خفت ضيقة موقفي
رجعت لعود كالهزبر الى الشبل

تیری قسم میں نے محمدؐ اور اصحابِ محمدؐ کے سامنے سے بوجہ نامردی اور خوفِ قتل پیٹھ نہیں پھیری بلکہ میں نے دیکھا کہ میرا کام اُلٹ گیا اور میری تلوار اور میرے تیر اب کچھ کام نہیں بنا سکتے۔

جب تک میں نے اپنی جائے قیام تنگ نہ دیکھی ٹھہرا رہا پھر پلٹ آیا جس طرح شیر اپنے بچوں کی طرف لوٹتا ہے۔

کہ یہ واجب القتل قرار پا چکے ہیں، حضرت اُمِّ ہانیؓ نے کہا کہ انہوں نے میرے ہاں پناہ لی ہے میں ان کو ہرگز قتل نہ ہونے دوں گی پھر اپنا دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد اُمِّ ہانیؓ دونوں مخزومیوں کو ساتھ لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں۔ حضورؐ نے حضرت اُمِّ ہانیؓ کو دیکھ کر فرمایا۔ " مرحبا واہلاً یا اُمِّ ہانی ۔ کیسے آنا ہوا ؟

حضرت اُمِّ ہانیؓ نے عرض کیا : " یا رسول اللہ میں نے ان دونوں کو پناہ دی ہے اور علیؓ ان کو قتل کرنا چاہتے ہیں "۔

حضورؐ نے فرمایا ، جس کو تو نے پناہ دی ، اس کو میں نے بھی پناہ دی ۔

اس واقعہ کے بعد حارثؓ بن ہشام اور زہیرؓ بن امیہ دونوں صدقِ دل سے مسلمان ہو گئے ۔

صحیح بخاری اور مسلم میں خود حضرت اُمِّ ہانیؓ سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور وہاں غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں، میں نے کوئی نماز اس سے ہلکی اور مختصر نہیں دیکھی لیکن آپؐ رکوع اور سجدہ پوری طرح کرتے تھے ۔ ایک اور روایت میں حضرت اُمِّ ہانیؓ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ چاشت کا وقت تھا (یا یہ چاشت کی نماز تھی)

مسند ابوداؤد اور سنن دارمی میں حضرت اُمِّ ہانی سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے ۔ ایک خادمہ ایک برتن لے کر حاضر ہوئی جس میں پینے کی کوئی چیز تھی (بعض روایتوں کے مطابق یہ شربت تھا) خادمہ نے وہ برتن آپؐ کو دے دیا ۔ آپؐ نے تھوڑا سا پی لیا اور پھر مجھے دے دیا ۔ میں نے اس کو پی لیا اور پھر عرض کیا ، یا رسول اللہ میں روزہ سے تھی اور میں نے پی لیا ، آپؐ نے پوچھا ، کیا تم نے کوئی قضا روزہ رکھا تھا ؟ میں نے کہا ، نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا ، " اگر یہ روزہ نفل تھا تو کچھ حرج نہیں ۔ "

مسندِ احمدؒ اور ترمذی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اُمِّ ہانیؓ نے

کہا، یا رسول اللہ میں روزے سے تھی، آپؐ نے فرمایا، نفل روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مالک ہے چاہے روزہ رکھے چاہے نہ رکھے۔ مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے اُمِّ ہانیؓ سے روزہ توڑنے کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کا جھوٹا واپس نہیں کر سکتی تھی۔ اس روایت سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اُمِّ ہانیؓ فتح مکہ سے پہلے شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو چکی تھیں اور روزے رکھا کرتی تھیں وہاں حضورؐ سے ان کی عقیدت اور محبت کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِّ ہانیؓ سے نکاح کی خواہش کی تو انہوں نے یہ کہہ کر معذرت کی کہ "یا رسول اللہ میرا سن زیادہ ہو گیا ہے اور میرے بچے ہیں (جن کی پرورش میرے لیے ضروری ہے) اس موقع پر حضورؐ نے خواتین قریش کے بارے میں فرمایا کہ شتر سوار عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں، بچپن میں اپنے یتیم بچے سے محبت رکھتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِّ ہانیؓ پر بہت شفقت فرمایا کرتے تھے ایک مرتبہ ان سے فرمایا۔ "اُمِّ ہانی بکری لے لو یہ بابرکت جانور ہے۔"

امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت اُمِّ ہانیؓ نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا، یا رسول اللہ اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں، چلنے پھرنے میں کمزوری محسوس ہوتی ہے، کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجئے جسے بیٹھے بیٹھے پڑھ سکوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ایک سو مرتبہ سبحان اللہ، ایک سو مرتبہ الحمد للہ۔ ایک سو مرتبہ اللہ اکبر اور ایک سو مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ لیا کرو۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اُمِّ ہانیؓ حضورؐ سے فقہی مسائل اور قرآنِ حکیم کے مطالب دریافت کیا کرتی تھیں۔

حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُمِّ ہانیؓ نے امیر معاویہؓ کے زمانۂ حکومت میں وفات پائی۔ اولاد میں عمرو، ہانی، یوسف اور جعدہ مشہور ہیں۔

حضرت اُمّ ہانیؓ فضل وکمال کے لحاظ سے بڑے بلند مرتبے پر فائز تھیں، ان سے چھیالیس حدیثیں مروی ہیں، ان کے راویوں میں حضرت عبداللہؓ بن عباس، عبداللہ بن حارثؓ، ابن ابی لیلیٰ، مجاہدؒ، عروہؒ اور شعبیؒ جیسے اکابرِ اُمت شامل ہیں۔

حضرت حولاءؓ

اہلِ سیَر نے ان کے حسب و نسب کی تصریح نہیں کی البتہ ان کے شرفِ صحابیت پر سب کا اتفاق ہے۔

علامہ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ عطر کی تجارت کیا کرتی تھیں ایک مرتبہ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرے شوہر بلا وجہ مجھ سے اعراض کرتے ہیں حالانکہ میں ہر رات کو خوشبو لگاتی ہوں۔ بناؤ سنگار میں بھی کوئی کمی نہیں کرتی لیکن وہ پھر بھی میری طرف توجہ نہیں کرتے اور منہ پھیر لیتے ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپؐ کو حضرت حولاءؓ کی شکایت کا علم ہوا تو آپؐ نے ان سے فرمایا "جاؤ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرتی رہو"۔

مسند احمد حنبلؒ میں ہے کہ حضرت حولاءؓ کو عبادتِ الٰہی سے بے حد شغف تھا۔ ساری ساری رات نمازیں پڑھنے میں گزار دیتی تھیں۔ ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہؓ کے پاس تشریف فرما تھے کہ حضرت حولاءؓ سامنے سے گزریں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ یہ حولاء ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ یہ رات بھر نہیں سوتیں اور برابر نمازیں پڑھا کرتی ہیں۔ حضورؐ نے تعجب سے فرمایا: "رات بھر نہیں سوتیں؟ انسان کو اتنا کام کرنا چاہیے جسے ہمیشہ (کسی تکلیف کے بغیر) نباہ سکے"۔ مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِّ حکیمؓ بنتِ حارث

(۱)

رمضان المبارک ۸ھ میں اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو مغلوب کر دیا اور اہلِ حق مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے لیکن ان کا یہ داخلہ دنیا کے دوسرے فاتحین کی طرح نہیں تھا۔ چند انتہائی شریر النفس مشرکین کو چھوڑ کر جو مباح الدم قرار دیئے گئے تھے یا ان چند مشرکین کے سوا جنہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید کے دستے کی مزاحمت کی تھی، مکہ کے کسی اور مشرک کی نکسیر تک نہ پھوٹی۔ دس ہزار نفوس قدسی نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مکہ معظمہ میں اس طرح قدم رکھا جیسے نسیم سحری گلشن میں داخل ہوتی ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابرِ عفو و کرم اہلِ مکہ پر جھوم جھوم کر برسا، یہ وہی اہل مکہ تھے جو اہلِ حق کے خون کے پیاسے تھے اور جنہوں نے ان کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ نبیٔ رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو معاف کر دیا — کسی سے کوئی مواخذہ نہ فرمایا لیکن مکہ میں کچھ ایسے آدمی بھی تھے جن کے ضمیر کا کانٹا ان کو کسی پہلو قرار نہیں لینے دیتا تھا۔ اپنے ماضی کے پیشِ نظر ان کو قطعاً یہ اُمید نہیں تھی کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر قابو پا کر ان کو زندہ چھوڑیں گے۔ انہوں نے مکہ سے بھاگ جانے ہی میں مصلحت سمجھی۔

اسی زمانے کا ذکر ہے کہ حضورؐ کے ورودِ مکہ کے بعد ایک دن مکہ کی ایک خاتون بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں اور بڑے ذوق و شوق سے قبولِ اسلام کی سعادتِ عظمیٰ حاصل کی پھر انہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:

"یا رسول اللہؐ! میرا شوہر اپنی جان کے خوف سے یمن کی طرف بھاگ

گیا ہے۔ اگر اس کو امان دے دیں تو میں اس کو واپس لے آؤں۔"

حضورؐ کا دریائے رحمت جوش میں تھا۔ آپؐ نے بلا تامّل فرمایا: "جاؤ میں نے اس کو امان دی۔"

حضورؐ کا ارشاد سُن کر خاتون کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا کیونکہ ان کے شوہر ایک ایسے شخص تھے جن کی اسلام دشمنی مسلّم تھی اور جنہوں نے اہلِ حق کو ستانے میں کوئی موقعہ کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا تھا۔ اب ان کے لیے مکّہ میں ایک دن گزارنا بھی مشکل تھا۔ اسی وقت اپنے رومی غلام کے ہمراہ خاوند کی تلاش میں روانہ ہوگئیں۔

یہ خاتون جن کا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر پاسِ خاطر تھا کہ آپؐ نے ان کے شوہر کے گھناؤنے ماضی کے باوجود کسی رد و قدح کے بغیر ان کی درخواست کو شرفِ پذیرائی بخشا، عکرمہ بن ابوجہل کی اہلیہ حضرت اُمِّ حکیمؓ بنتِ حارث مخزومیہ تھیں۔

(۲)

حضرت اُمِّ حکیمؓ کا شمار سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور صحابیات میں ہوتا ہے۔ اہلِ سِیَر نے ان کا ذکر ان کی کنیت ہی سے کیا ہے اور اصل نام نہیں لکھا۔ ان کا تعلق قریش کی مشہور شاخ بنو مخزوم سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمِّ حکیمؓ بنتِ حارث بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر و بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوئی۔

والدہ کا نام فاطمہ بنتِ ولید بن مغیرہ تھا جو حضرت خالدؓ بن ولید (سیف اللہ) کی ہمشیرہ تھیں۔

حضرت اُمِّ حکیمؓ نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولیں وہ کفر و شرک کا گہوارہ تھا۔ ان کے والد ابوعبدالرحمٰن حارث بن ہشام، ابوجہل (عمرو بن ہشام) کے حقیقی بھائی تھے۔ اور دونوں بھائی اسلام کے سخت دشمن تھے یہی حال والدہ اور ماموں خالدؓ بن ولید کا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس ماحول میں ان کا اسلام کے نورِ سعادت سے بہرہ یاب ہونا محال تھا۔ شادی بھی ہوئی تو اپنے چچا ابوجہل کے فرزند عکرمہ سے جو اسلام

دشمنی میں اپنے باپ کے دستِ راست تھے۔

۲ھ میں ابوجہل غزوۂ بدر میں ذلت کے ساتھ مارا گیا تو عکرمہ نے اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا اور فتح مکہ تک ہر میدان میں اہل حق کو ستانے میں بڑھ بڑھ کر قدم مارتے رہے۔ غزوۂ اُحد میں وہ اپنی اہلیہ (اُمِّ حکیم) کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ مل کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ غزوۂ احزاب میں بنو کنانہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی۔ ۸ھ میں مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ کے قتل و غارت میں حصہ لیا اور صلح نامۂ حدیبیہ کو عملاً توڑ ڈالا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ کے موقع پر بھی انہوں نے چند مشرکین کو ساتھ لے کر اس فوجی دستے کی مزاحمت کی جو حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں شہر میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ وہی خالدؓ بن ولید تھے جو اہل حق کے خلاف کئی لڑائیوں میں عکرمہ کے شانہ بشانہ لڑ چکے تھے۔ وہ حضرت اُمِّ حکیمؓ کے حقیقی ماموں تھے اور رشتہ میں عکرمہ کے بھی چچا ہوتے تھے (عکرمہ کا والد ابوجہل اور خالدؓ بن ولید آپس میں چچازاد بھائی تھے) فتح مکہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت خالدؓ بن ولید مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے لیکن ان کا یہ اقدام بھی عکرمہ کو راہ راست پر نہ لا سکا تھا۔ اسلام کے خلاف عکرمہ کی یہی سرگرمیاں تھیں کہ انھیں فتح مکہ کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جانے کی ہمت نہ پڑی اور وہ اپنی جان بچانے کے لیے یمن کی طرف بھاگ نکلے۔ ادھر حضرت اُمِّ حکیمؓ، ان کے والد حارثؓ بن ہشام اور والدہ فاطمہؓ بنتِ ولید تینوں حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور صدق دل سے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت اُمِّ حکیمؓ کو شوہر سے بے حد محبت تھی انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ عکرمہؓ بدستور کفر و شرک کی دلدل میں پھنسے رہیں۔ چنانچہ انھوں نے بڑی دردمندی کے ساتھ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ ان کے شوہر کو امان دی جائے۔ حضورؐ نے ان کی درخواست قبول فرمالی اور وہ عکرمہ کی تلاش میں ساحلِ بحر کی طرف روانہ ہوگئیں۔

(۳)

ادھر حضرت عکرمہ مکہ سے بھاگ کر بحرۂ قلزم کے ساحل پر پہنچے تو یمن جانے والی ایک کشتی تیار کھڑی تھی اس پر بیٹھ گئے۔ کچھ دُور جاکر یہ کشتی بادِ مخالف کی لپیٹ میں آگئی۔ عکرمہ نے لات وعزیٰ کو پکارنا شروع کر دیا۔ ملاحوں نے کہا، یہ اللہ کو پکارنے کا وقت ہے۔ لات وعزیٰ کشتی کو بھنور سے نہیں نکال سکتے۔ یہ بات عکرمہؓ کے دل پر اثر کر گئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ اس موقع پر عکرمہ نے یہ دعا کی:

"اے اللہ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اس طوفان نے مجھے زندہ چھوڑ دیا تو میں خود کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پیش کر دوں گا۔ وہ بڑے رحیم وکریم ہیں (امید ہے) مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیں گے۔"

خدا کی قدرت، کشتی صحیح سلامت اسی جگہ کنارے آ لگی جہاں سے چلی تھی، اسی اثنا میں حضرت اُمِّ حکیمؓ بھی شوہر کی تلاش میں ساحل پر آ پہنچی تھیں انہوں نے حضرت عکرمہؓ کو بتایا کہ میں ایک ایسے انسان کے پاس سے آ رہی ہوں جو سب سے زیادہ نیک اور سب سے زیادہ رحیم وشفیق اور صلۂ رحم کرنے والے ہیں۔ میں نے ان سے تمہارے لیے امان حاصل کر لی ہے اب میرے ساتھ ان کی خدمت میں چلو۔ عکرمہؓ فوراً مان گئے اور حضرت اُمِّ حکیمؓ کے ساتھ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور "مرحبا بالراکب المہاجر" (خوش آمدید اے پردیسی سوار) فرما کر ان کا پُرتپاک استقبال کیا۔ حضرت عکرمہؓ نے بیوی (اُمِّ حکیمؓ) کی طرف اشارہ کر کے عرض کی:

"اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے میری جان بخشی کر دی ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں اُس نے سچ کہا ہے تم محفوظ وماموں ہو۔"

عکرمہؓ اس شانِ کرم سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُسی وقت صدقِ دل سے اسلام قبول کر لیا اور عہد کیا کہ آئندہ میری دولت اور جان جہاد فی سبیل اللہ کے لیے وقف

رہے گی۔ اس کے بعد ان کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا ہو گیا۔ جس شدت سے انھوں نے اسلام کی مخالفت کی تھی۔ اب اس سے زیادہ جوش کے ساتھ انھوں نے اسلام کی خدمت کی۔ سالمہ ہجری میں حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں فتنۂ ارتداد نے سر ابھارا تو انہوں نے اس کے استیصال کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی جب اس فتنہ کا قلع قمع ہو گیا اور مسلمانوں نے شام پر چڑھائی کی تو حضرت عکرمہؓ حضرت اُمِ حکیمؓ کو ساتھ لے کر شام کی مہم پر جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے۔ کئی معرکوں میں نہایت جانبازی سے رومیوں کے خلاف جہاد کیا اور بالآخر اجنادین کی لڑائی میں نہایت پامردی سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس طرح حضرت اُمِ حکیمؓ عالم غربت میں بیوہ ہو گئیں۔

(۴)

حضرت اُمِ حکیمؓ کے ایام عدت گزر گئے تو ان کو نکاح کے پیغام ملنے شروع ہو گئے۔ ان میں حضرت خالدؓ بن سعید بن عاص کا پیغام بھی تھا۔ اُمِ حکیمؓ نے اور سب پیغام تو رد کر دیے البتہ حضرت خالدؓ بن سعید سے نکاح پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت خالدؓ بن سعید بڑے جلیل القدر صحابی تھے وہ سابقون اولون میں سے تھے۔ دو ہجرتوں (ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ) سے مشرف ہو چکے تھے اور فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک میں بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کی سعادت حاصل کر چکے تھے اسی لیے حضرت اُمِ حکیمؓ نے انہیں دوسروں پر ترجیح دی۔ چنانچہ چار سو دینار مہر پر ان کا نکاح حضرت خالدؓ بن سعید کے ساتھ مرج الصفر کے مقام پر ہو گیا۔ یہ جگہ دمشق کے قریب واقع ہے اس وقت اسلامی لشکر دمشق کی طرف پیشقدمی کر رہا تھا۔ نکاح کے بعد حضرت خالدؓ بن سعید نے رسم عروسی ادا کیے جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت اُمِ حکیمؓ نے کہا، "دشمن سر پر کھڑا ہے اور اس سے ہر وقت لڑائی کا خطرہ ہے اس لیے چند دن توقف کر کے اطمینان سے یہ رسم ادا ہو جائے تو بہتر ہو گا۔" حضرت خالدؓ بن سعید نے کہا مجھے اس معرکے میں اپنی شہادت کا یقین ہے۔ اُمِ حکیمؓ خاموش ہو گئیں۔ ایک پل

کے پاس جواب "قنطرہ اُمِ حکیم" کہلاتا ہے۔ رسم عروسی ادا ہوئی۔ صبح کو دعوتِ ولیمہ ہوئی۔ ابھی لوگ کھانے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ رومیوں نے حملہ کر دیا۔ ایک قوی ہیکل رومی سب سے آگے آگے تھا اور مسلمانوں کو للکار رہا تھا حضرت خالدؓ بن سعید تیر کی طرح جھپٹ کر اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور نہایت بہادری سے لڑ کر اس کے ہاتھوں جامِ شہادت پیا۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت اُمِ حکیمؓ شوہر کی شہادت کا منظر دیکھ رہی تھیں۔ اسی وقت نہایت جوش سے اٹھیں، اپنے کپڑوں کو باندھا اور خیمہ کی چوب اکھاڑ کر لڑائی میں شریک ہو گئیں۔ زخمی شیرنی کی طرح بڑھ بڑھ کر حملے کرتی تھیں اور اپنی چوب سے رومیوں کو مار گراتی تھیں۔ اس معرکہ میں ان کے ہاتھ سے سات رومی جہنم داصل ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت اُمِ حکیمؓ یرموک کی ہولناک جنگ میں بھی شریک ہوئیں اور دوسری خواتین کے ساتھ مل کر رومیوں کے خلاف بڑی دلیری سے جنگ کی۔ حضرت اُمِ حکیمؓ کے مزید حالات کتبِ سیر میں نہیں ملتے۔ نہ کسی نے وفات کا زمانہ بتایا ہے اور نہ اولاد کے بارے میں کچھ لکھا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت صفیہؓ بنت ربیعہ

قریش کے نہایت معزز خاندان بنو عبد شمس سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
صفیہؓ بنت ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیّ
قریش کے نامور رئیس عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ ان کے بھائی تھے یہ دونوں غزوۂ بدر میں ہلاک ہوئے۔

حضرت صفیہؓ کا نکاح عثمان بن الشرید مخزومی سے ہوا۔ ان کے صُلب سے حضرت شماسؓ پیدا ہوئے۔ جن کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ عثمان بن الشرید نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا، شماسؓ ابھی کم سن ہی تھے کہ انہوں نے وفات پائی، یتیم شماسؓ کو ان کے ماموں عتبہ بن ربیعہ نے اپنی کفالت میں لے لیا اور اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کی۔ شماس (رخِ تاباں) جس طرح ظاہری حسن وجمال کے لحاظ سے اسم بامسمّیٰ تھے اسی طرح حسنِ سیرت کے لحاظ سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ بعثت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ توحید کا آغاز کیا تو حضرت شماسؓ نے کسی تامل کے بغیر دعوتِ حق پر لبیک کہا۔ حضرت صفیہؓ بھی بھائیوں کی اسلام دشمنی کے باوجود بیٹے کے ساتھ ہی سعادت اندوزِ اسلام ہوگئیں جب مشرکین نے مکہ میں مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا کر دی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حبش کی طرف ہجرت کرنے کا اذن دے دیا۔ چنانچہ بہت سے مظلوم مسلمان ۵ سنہ اور ۶ سنہ بعد بعثت میں حبش کی طرف ہجرت کر گئے۔ ان میں حضرت صفیہؓ اور حضرت شماسؓ بھی شامل تھے۔ کچھ عرصہ بعد دونوں ماں بیٹا وہاں سے واپس مکہ آئے اور پھر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں حضرت مبشرؓ بن عبد المنذر انصاری نے ان کو اپنا مہمان بنایا۔

حضرت شماسؓ پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور پھر غزوۂ اُحد میں

دادِ شجاعت دی، اثنائے جنگ میں شدید زخمی ہو گئے اور ایک شبانہ روز کے بعد پیکِ اجل کو لبیک کہا۔

حضرت صفیہؓ کا سالِ وفات اور مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت طیبہؓ بنت وہب

حضرت طیبہؓ بنت وہب جلیل القدر صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی والدہ تھیں۔ ان کا تعلق قبیلہ عک سے تھا۔ علامہ ابن اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ اپنے صاحبزادے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئیں اور مدینہ پہنچ کر وفات پائی۔

مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِ حکیمؓ بنتِ زبیر

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا زبیر بن عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ شرفِ اسلام وصحابیت سے بہرہ ور ہوئیں۔ حضرت ضباعہؓ ان کی بہن اور حضرت عبداللہؓ ان کے بھائی تھے۔ حضرت ضباعہؓ کا نکاح حضورؐ نے خود اپنے جاں نثار صحابی حضرت مقدادؓ بن الاسود سے کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے جنگِ اجنادین میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان بھائی بہنوں پر بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اُمِ حکیمؓ کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملے۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضؓ

(۱)

حلیمہ نام - ابو ذؤیب عبداللہ بن حارث کی بیٹی اور حارث بن عبد العزیٰ بن رفاعہ کی اہلیہ تھیں۔

حضرت حلیمہ رضؓ کا تعلق قبیلہ سعد بن بکر سے تھا جو قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھا اور فصاحت و بلاغت اور اپنے علاقے کے پانی کی شیرینی کی وجہ سے مشہور تھا۔ سرورِ کائنات صلعم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے مجھ کو تمام عرب میں فصیح بنایا ہے۔ ایک تو ہمارا قبیلہ قریش فصاحتِ زبان میں بے مثل ہے۔ دوسرے میری پرورش قبیلہ بنی سعد میں ہوئی جو فصاحت و بلاغت میں مشہور و ممتاز ہے۔

شرفائے عرب میں دستور تھا کہ بچوں کو ماں کے پاس نہ رکھتے تھے بلکہ اکثر پرورش کے لیے دوسری عورتوں کو دے دیتے اور قرب و جوار کے قبائلی دیہات میں بھیج دیتے۔ بچے دیہات کی کھلی آب و ہوا میں پرورش پاتے۔ چند سال کے بعد ان کے والدین واپس لے جاتے۔ تھوڑے تھوڑے دنوں کے بعد دیہات کی غریب عورتیں شہر میں آتیں اور جو بچے اس مدت میں پیدا ہوتے انہیں لے جاتیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے رونق افروزِ عالم ہو کر سات دن تک اپنی والدہ ماجدہ کا دودھ پیا۔ اس کے بعد حضرت ثویبہ رضؓ نے چند دن دودھ پلایا۔ اسی اثنا میں قبیلہ بنی سعد کی چند عورتیں بچے لینے مکہ آئیں۔ ان میں حضرت حلیمہ رضؓ بھی تھیں۔ دوسری سب عورتوں نے مالدار لوگوں کے بچے لے لیے۔ لیکن حضرت حلیمہ رضؓ کو کوئی بچہ نہ ملا۔ واپس جانے والی تھیں کہ معلوم ہوا کہ سردارِ قریش عبد المطلب کا

ایک یتیم پوتا ہے، خاوند سے مشورہ کیا کہ اس بچہ کا باپ تو دنیا میں ہے نہیں کہ ہمارے ساتھ اپنے بچے کی پرورش کے عوض کچھ سلوک کرے، البتہ اس کے دادا کی شرافت اور عالی نسبی سے توقع ہے کہ خدا اس بچہ کے طفیل ہماری بہتری کی صورت پیدا کر دے گا۔ خاوند نے کہا کچھ مضائقہ نہیں، اس بچہ کو ضرور لے لو۔ خالی ہاتھ جانا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت حلیمہؓ فوراً جا کر یتیم مکہ کو لے آئیں۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ بچہ دین و دنیا کا سردار ہے اور اسے دودھ پلا کر وہ فلک بوس مقام سعادت و عظمت حاصل کر لیں گی۔

ان دنوں عرب میں قحط کا عالم تھا خشک سالی کی وجہ سے جانوروں کے تھنوں میں دودھ سوکھ گیا تھا۔ فاقوں کی وجہ سے عورتوں کے پستانوں میں بھی دودھ نہیں اترتا تھا اور ان کے بچے بھوک سے بلبلاتے تھے۔ حضرت حلیمہ مکہ آئیں تو ان کے ساتھ اپنا شیر خوار بچہ بھی تھا۔ یہ بھی بھوکا پیاسا ہر وقت روتا رہتا تھا۔ حضرت حلیمہؓ کا بیان ہے کہ جس دن میں نے سرورِ کائناتؐ کو گود میں لیا ہماری حالت یکسر بدل گئی۔ میری خشک چھاتیوں میں دودھ اتر آیا اور ہماری اونٹنی کے تھن بھی دودھ سے بھر گئے۔ دونوں بچوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور ہم نے بھی خوب اونٹنی کا دودھ پیا۔ جب مکہ سے چلنے لگے تو ہمارا مریل گدھا جو سارے قافلے کے پیچھے چلتا تھا۔ ایسی تیز رفتاری سے چلا کہ سارے قافلے سے آگے نکل گیا۔ میرا خاوند اور قافلے کے دوسرے لوگ بار بار یہی کہتے تھے کہ یہ بچہ بہت برکت والا ہے اور حلیمہؓ بہت خوش قسمت ہے کہ ایسا سعادت مند بچہ اسے مل گیا۔ جب ہم اپنے گھر پہنچے تو ہماری بکریوں کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ گاؤں کے دوسرے جانوروں کا دودھ بدستور خشک تھا اور لوگ ہماری حالت پر رشک کرتے تھے۔ آخر سب گاؤں والے میرے جانوروں کے ساتھ اپنے جانور چرانے لگے۔ خدا کی قدرت ان جانوروں کے بھی دودھ اتر آیا۔

حلیمہؓ اور ان کے گھر والے اس نصیبہ ور بچے پر سو جان سے فدا تھے اور نہایت

محبت اور شفقت سے حضورؐ کی پرورش کرتے تھے۔ جب حضورؐ دو برس کے ہوئے تو حضرت حلیمہؓ حضورؐ کو ساتھ لے کر مکہ میں بی بی آمنہ کے پاس آئیں۔ وہ اپنے نونہال کو دیکھ کر باغ باغ ہوگئیں اور اپنے فرزند کو خوب پیار کیا۔ جدا کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا، لیکن حضرت حلیمہؓ نے کہا "مکہ کی آب و ہوا اس وقت بہت خراب ہے۔ بہتر ہے کہ آپ فی الحال اس بچے کو میرے پاس رہنے دیں۔" بی بی آمنہ نے ان کی بات مان لی اور حضرت حلیمہؓ حضورؐ کو ساتھ لے کر واپس اپنے قبیلہ میں آگئیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت حلیمہؓ ننھے حضورؐ کو کھلاتے وقت یہ لوری دیا کرتی تھیں:

یارب اذا اعطیتہ فابقہ　　واعلہ الی العلی وارقہ

وادحض اباطیل العدیٰ بحقہ

(اے خدا اگر تو نے ان کو میرے سپرد کیا ہے تو ان کی حسب طلب مدد فرما اور انہیں علم و بزرگی کی بلندی اور ارتقا نصیب فرما۔ نیز انھیں شیطانوں اور ان کی برائیوں سے محفوظ رکھ جیسا کہ ان کا حق ہے)

(۲)

پانچ برس تک سرکارِ دو عالمؐ نے حضرت حلیمہؓ کے پاس پرورش پائی۔ حتیٰ کہ واقعہ شق الصدر پیش آیا۔ اس کی کیفیت یوں ہے کہ ایک روز حضرت حلیمہؓ کے دو بچے دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے اور کہا کہ دو سفید پوش آدمی ہمارے قریشی بھائی کو پکڑ کر لے گئے اور اسے قتل کر ڈالا۔ حضرت حلیمہؓ اور ان کے شوہر حارث بے تابانہ اس طرف دوڑے۔ دیکھا کہ حضورؐ صحیح سلامت ہیں لیکن چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہے۔ حضرت حلیمہؓ نے حضورؐ کو گلے لگالیا اور پوچھا کیا ہوا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ دو سفید پوش آدمی میرے پاس آئے اور مجھے چت لٹا کر میرا سینہ چاک کیا اور اس میں سے میرا دل نکالا اور پھر اس میں سے کوئی چیز نکالی۔ پھر میرے دل کو سینہ میں رکھ کر درست کر دیا۔

حضرت حلیمہؓ اور ان کے خاوند یہ واقعہ سن کر بہت حیران اور متردد ہوئے کہ کہیں بچہ کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ باہم مشورہ کے بعد وہ حضورؐ کو ساتھ لے کر مکہ پہنچے اور عام الفیل کے چھٹے سال جبکہ حضورؐ کی عمر پانچ سال اور دو دن کی تھی، دنیا کی سب سے قیمتی امانت کو ان کی والدہ کے سپرد کر دیا۔ ساتھ ہی واقعہ شق الصدر کی تفصیل بیان کی اور ننھے حضورؐ کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ بی بی آمنہ نے فرمایا "تمہیں اندیشہ ہے کہ کوئی جن یا شیطان اس بچے کو گزند پہنچائے گا۔ ہرگز نہیں، میرا بیٹا دنیا میں ایک عظیم الشان ہستی بننے والا ہے۔ یہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا۔ اور خدا اس کی ہر حال میں حفاظت کرے گا۔" اس کے بعد حضرت بی بی آمنہ نے وہ تحیر خیز معجزات بیان کیے جو انہیں ایام حمل میں اور ولادتِ نبوی کے وقت پیش آئے تھے۔

حضرت حلیمہؓ بادلِ ناخواستہ اس قیمتی متاع کو مکہ چھوڑ کر اپنے قبیلہ میں واپس آ گئیں۔

(۳)

حضرت حلیمہؓ اس کے بعد عرصہ تک زندہ رہیں۔ ابن سعدؒ نے محمد بن منکدرؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اس نے بچپن میں آپؐ کو دودھ پلایا تھا، اسے دیکھ کر حضورؐ "میری ماں میری ماں" کہتے ہوئے اٹھے اور اپنی چادر بچھا کر اسے بٹھایا۔

یہ عورت یقیناً حضرت حلیمہؓ ہی تھیں۔

طبقات ابن سعدؒ ہی کی ایک اور روایت کے مطابق حضورؐ کی حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے شادی کے بعد ایک مرتبہ حضرت حلیمہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنے علاقے میں قحط سالی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے ان کو چالیس بکریاں اور سامان سے لدا ہوا ایک اونٹ عطا فرمایا۔

علامہ سہیلیؒ نے روض الانف میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت حلیمہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو حضرت خدیجہ الکبریٰؓ نے ان کو کئی اونٹنیاں مرحمت کیں جن کو لے کر وہ دعائیں دیتی رخصت ہوئیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ غزوہ حنین (شوال ۸ھ) کے بعد جب حضورؐ "جعرانہ" میں تشریف فرما تھے تو حضرت حلیمہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضورؐ نے ان کی بہت تعظیم و تکریم کی اور اپنی چادر مبارک بچھا کر انہیں بٹھایا۔

(بعض دوسری روایات کے مطابق یہ آنے والی حضرت حلیمہؓ نہ تھیں بلکہ ان کی بیٹی شیماؓ تھیں)

بہر صورت ایسی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حلیمہؓ گاہے گاہے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں اور حضورؐ ان کے ساتھ نہایت عزت و احترام اور احسان و محبت سے پیش آتے تھے۔

بہت سی کتب سیر حضرت حلیمہؓ کے قبول اسلام اور شرف صحابیت کے بارے میں خاموش ہیں لیکن قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شرف اسلام اور صحابیت سے ضرور بہرہ ور ہوئیں۔ امام سہیلیؒ نے "روض الانف" میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ "حضرت حلیمہؓ کے شوہر حارثؓ بن عبد العزیٰ حضورؐ کی بعثت کے بعد ایک دفعہ مکہ آئے اور مشرکین کے بہکانے کے باوجود انہوں نے اسلام قبول کر لیا اور اس پر خوب ثابت قدم رہے۔" ظاہر ہے کہ اپنے شوہر کے قبولِ حق کے بعد حضرت حلیمہؓ بھی یقیناً سعادت اندوز اسلام ہوئی ہوں گی۔ اس طرح ان کے شرف صحابیت میں بھی کوئی شک نہیں۔

حضرت حلیمہؓ کے سال وفات کے بارے میں کسی کتاب میں صراحت نہیں کی گئی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت شیماءؓ بنتِ حارث

نام جدامہ اور عرف شیماءؓ تھا۔

باپ کا نام حارث بن عبدالعزّٰی بن رفاعہ تھا۔ ماں حضرت حلیمہؓ سعدیہ تھیں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

"سیرۃ حلبیہ" میں ہے کہ جب حضورؐ خرد سال تھے اور حضرت حلیمہؓ کی نگرانی میں پرورش پا رہے تھے تو شیماءؓ ننھے حضورؐ کو گود میں لے کر کھلایا کرتی تھیں۔ اور آپؐ کو یہ لوری دیا کرتی تھیں:

"یا اللہ محمدؐ کو زندہ رکھ۔ یہاں تک کہ ہم ان کو جوان دیکھیں۔
پھر ہم ان کو ایک صاحبِ عزّت سردار دیکھیں۔ اس حال میں کہ ان سے حسد کرنے والے دشمن مغلوب ہوں۔
اے اللہ محمدؐ کو دائمی عزّت عطا کر۔" [1]

شیماءؓ غزدۂ حنین تک گمنامی کی حالت میں اپنے قبیلہ میں زندگی بسر کرتی رہیں۔ ادھر شیماءؓ کے ننھے محمدؐ کو اللہ تعالیٰ نے وہ رفعت و عظمت عطا کی کہ جن و ملائک اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ آپؐ کی ذاتِ گرامی پر نازاں تھا۔ رمضان

---

[1] ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں لکھا ہے کہ اس لوری کے مندرجات عام بچوں پر صادق نہیں آتے بلکہ خاص آنحضرتؐ سے مخصوص معلوم ہوتے ہیں اور ایک جاہل بدوی نوعمر لڑکی سے ایسی لوری کی توقع نہیں کی جا سکتی وہ اپنے گھر کی مروجہ لوریاں ہی سنا سکتی تھی۔

۸ھ ہجری میں حضورؐ نے مکہ فتح کیا اور شوال ۸ھ ہجری میں غزوۂ حنین پیش آیا۔ بنی ہوازن اور بنی ثقیف کے قبیلوں نے طائف کی جاگیروں کے لالچ میں چار ہزار جنگجوؤں کے ساتھ مکہ پر حملہ کا قصد کیا۔ دوسری طرف سے حضورؐ اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مکہ سے نکل کر وادیٔ حنین میں اترے۔ ایک خونریز جنگ کے بعد دشمنوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ امان کے طالب ہوئے۔ رحمۃ للعالمینؐ نے ان کو معافی دے دی اور تمام قیدیوں کو بھی آزاد کر دیا۔

انہی قیدیوں میں شیماؓ بھی تھیں۔ جب وہ حضورؐ کے سامنے لائی گئیں تو عرض کی: "یا رسول اللہؐ میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں (رسول کریمؐ اور شیماؓ دونوں نے بی بی حلیمہؓ کا دودھ پیا تھا)"۔ اس کے بعد انھوں نے ایک ایسا نشان تبلایا کہ ان کی بات میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی[1]۔ حضورؐ اپنا عہدِ طفلی یاد کر کے آب دیدہ ہو گئے۔ اور اپنی ردائے مبارک زمین پر بچھا کر شیماؓ کو نہایت عزت سے بٹھایا پھر ان سے فرمایا۔ "بہن اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو نہایت آرام سے رہو اور اگر اپنے قبیلہ میں واپس جانا چاہو تو تمہیں اختیار ہے۔"

حضرت شیماؓ کی زندگی اپنے قبیلہ میں ہی گزر گئی تھی۔ انھوں نے واپس جانا پسند کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ انھیں اپنے قبیلہ میں واپس بھیج دیا اور جاتی دفعہ کچھ روپیہ، ایک بکری، تین غلام اور ایک لونڈی ان کو عنایت فرمائے۔

حضرت شیماؓ کے مزید حالات کتب سیر میں نہیں ملتے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ بچپن میں ایک دن حضرت شیماؓ ننھے حضورؐ کو کھلا رہی تھیں۔ کسی بات پر ناراض ہو کر ننھے حضورؐ نے شیماؓ کے کندھے یا پشت پر اس زور سے کاٹا کہ عمر بھر اس کا نشان رہ گیا۔ غزوۂ حنین کے موقع پر شیماؓ نے یہی نشان حضورؐ کو دکھایا۔

حضرت ہندؓ بنتِ عتبہ

ہندؓ یا ہندہ نام تھا، اور قریش کے خاندان بنوعبد شمس سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:
ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔
عتبہ بن ربیعہ قریش کا معزز ترین سردار تھا۔ ماں کا نام صفیہ بنتِ امیہ تھا۔ پہلے فاکہہ بن مغیرہ مخزومی سے نکاح ہوا۔ ان سے نباہ نہ ہو سکا تو ابوسفیان بن حرب کے نکاح میں آئیں۔

ہند کا باپ عتبہ بن ربیعہ اور شوہر ابوسفیان اسلام کے سخت دشمن تھے اور ہند بھی اسلام دشمنی میں ان سے کم نہ تھیں۔ ہجرت کے بعد ۲ھ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا اس میں ہند کا والد عتبہ قریش کے کئی دوسرے سرداروں کے ہمراہ مارا گیا جن میں ابوجہل بھی تھا۔ اس کے بعد مشرکینِ مکہ کی قیادت ابوسفیان کے ہاتھ آئی۔ ہندہ نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اپنے شوہر کا ہاتھ بٹایا وہ بڑی شعلہ بیان مقرر تھیں اور باپ کے قتل نے ان کے دل میں جذبۂ انتقام کے شعلے بھڑکا دیئے تھے۔ ۳ھ ہجری میں مشرکینِ مکہ نے ابوسفیان کی زیرِ قیادت بڑی تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کیا اور غزوۂ اُحد پیش آیا۔ ہند خصوصیت سے اپنے باپ کے قاتل حضرت حمزہؓ سے انتقام لینا چاہتی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشیؓ کو حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا۔ وحشی بھالا پھینکنے میں زبردست مہارت رکھتے تھے۔ جب لڑائی کا تنور گرم ہو گیا تو ہند نہایت اشتعال انگیز رجز پڑھ پڑھ کر کفار کو جوش دلا رہی تھیں۔ وحشی گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت حمزہؓ جونہی ان کی زد میں آئے انہوں نے اپنا بھالا پھینکا جو حضرت حمزہؓ کے جسم کے پار ہو گیا۔ اور ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ کفار کی عورتوں نے اس

رجلِ عظیم کی شہادت پر مسرت کے گیت گائے۔ ہندہ نے جوشِ انتقام میں حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کر کے جگر نکالا اور چبا گئیں لیکن گلے سے نہ اتر سکا، اس لیے اگلنا پڑا۔ رسولِ کریمؐ کو اس دردناک واقعہ سے بیحد صدمہ پہنچا۔

۸ھ ہجری میں رسولِ اکرمؐ نے مکّہ فتح کیا اور فاتحانہ شان سے دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو رسولِ کریمؐ کو انتقام لینے سے روک سکتی۔ لیکن رحمتِ دو عالمؐ نے اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دیا۔ حتیٰ کہ اعلان فرمایا کہ جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے گا اس سے بھی کوئی تعرّض نہ کیا جائے گا۔ ابوسفیانؓ نے فتح مکّہ سے ایک دو دن پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ہندہؓ پر بھی اب اسلام کی صداقت واضح ہو چکی تھی چنانچہ وہ چند برقعہ پوش خواتین کے ہمراہ رسولِ کریمؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں۔ اس موقع پر حضورؐ اور اُن کے درمیان یہ گفتگو ہوئی۔

ہندہؓ : یا رسولؐ اللہ آپؐ ہم سے کن باتوں پر بیعت لیتے ہیں۔

سرورِ کائناتؐ : شرک نہ کرو اور خدا کی وحدانیت کا اقرار کرو۔

ہندہؓ : یہ عہد آپؐ نے مردوں سے نہیں لیا تاہم ہمیں منظور ہے۔

سرورِ کائناتؐ : چوری نہ کرو۔

ہندہؓ : میں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کچھ خرچ کر ڈالتی ہوں، معلوم نہیں یہ جائز ہے یا نہیں۔

سرورِ کائناتؐ : اولاد کو قتل نہ کرو۔

ہندہؓ : ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا (یعنی قتل نہیں کیا تھا) جب بڑے ہوئے تو آپؐ نے قتل کر ڈالا۔

رسولِ کریمؐ کا دامنِ کرم بڑا کشادہ تھا۔ ہندہ نے اگرچہ آپؐ کے محبوب چچا کا جگر چبایا تھا اور پھر اس موقع پر بھی ایسی بیباکانہ بلکہ گستاخانہ گفتگو کی تھی لیکن رحمتِ عالمؐ نے ان کی تمام خطاؤں کو بخش دیا۔ ہندہؓ کو اپنی جاں بخشی کی اُمید نہیں تھی لیکن جب رحمۃ للعالمینؐ نے انہیں بالکل معاف کر دیا تو ان کے دل کی دنیا یکسر بدل گئی اور وہ

صدقِ دل سے مسلمان ہوگئیں۔ اس وقت ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا :

"یارسول اللہؐ اس سے پہلے آپ سے بڑھ کر میرے نزدیک کوئی دشمن نہ تھا۔ لیکن آج حضورؐ سے زیادہ کوئی محبوب و محترم نہیں۔"

اس کے بعد گھر جاکر اپنے معبود بت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

قبولِ اسلام کے بعد حضرت ہندہؓ کی زندگی یکسر خدمتِ اسلام کے لیے وقف ہوگئی۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں وہ اپنے شوہر حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ شام جانے والے مجاہدین کے لشکر میں شامل ہوگئیں جس جوش و خروش کے ساتھ یہ دونوں میاں بیوی مسلمانوں کے خلاف صف آرا ہوا کرتے تھے اس سے کئی گنا زیادہ جوش و خروش کے ساتھ کفار کے خلاف جہاد میں حصہ لیا اور اپنے قبول اسلام سے قبل کی اسلام دشمنی کا کفارہ ادا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

شام کی جنگوں میں جنگِ یرموک ایک زبردست اور فیصلہ کن جنگ تھی جس میں قیصرِ روم نے اپنی پوری طاقت جنگ کی آگ میں جھونک دی تھی۔ بعض روایتوں کے مطابق رومی لشکر کی تعداد دو لاکھ کے لگ بھگ تھی اور ایک روایت کے مطابق دس لاکھ تھی مجاہدینِ اسلام کی تعداد صرف تیس اور چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ اس جنگ میں حضرت ہندؓ اور ان کے شوہر ابوسفیانؓ دونوں بڑے جوش و خروش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ لڑائی میں دشمن کے زبردست دباؤ کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم کئی بار پیچھے ہٹے لیکن عورتوں نے ان کو غیرت دلائی اور خود خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر یا پتھر ہاتھوں میں لے کر رومیوں پر حملہ آور ہوگئیں۔ حضرت ہندؓ رجز پڑھ پڑھ کر مسلمانوں میں جوش پیدا کرتی تھیں۔ اگر کوئی مسلمان لڑائی سے منہ موڑ کر پیچھے پھرتا تو اس کے گھوڑے کے منہ پر خیمے کی چوب مار کر غیرت دلاتیں کہ جنت چھوڑ کر جہنم خریدتے ہو اور اپنی عورتوں کو رومیوں کے حوالے کرتے ہو۔ یہ ہندؓ اور دوسری خواتین کی غیرت و استقامت ہی تھی کہ پیچھے ہٹتے ہوئے مسلمان پلٹ کر اس زور سے رومیوں پر حملہ کرتے کہ ان کے پرے کے پرے کاٹ کر رکھ دیتے۔

ایک موقع پر پیچھے ہٹنے والے مسلمانوں میں حضرت ابوسفیانؓ بھی تھے۔ ہندؓ نے

انہیں دیکھ لیا، اپنے خیمے کی چوب لے کر ان کی طرف لپکیں اور کہا:

"خدا کی قسم تم دینِ حق کی مخالفت کرنے اور خدا کے سچے رسولؐ کو جھٹلانے میں بہت سخت تھے۔ آج موقع ہے کہ رزمگاہ میں دینِ حق کی سربلندی اور رسولِ خدا کی خوشنودی کے لیے اپنی جان قربان کر دو اور خدا کے سامنے سرخرو جاؤ۔"

حضرت ابو سفیانؓ کو سخت غیرت آئی اور پلٹ کر شمشیر بدست دشمن کے ٹڈی دل میں گھس گئے۔

اسی جنگ میں ایک اور موقع پر رومی عورتوں کی خیمہ گاہ تک آ پہنچے۔ تمام عورتوں نے جن میں حضرت اُمِ ابانؓ، اُمِ حکیمؓ، خولہؓ بنت ازور اور ہندؓ بھی شامل تھیں اپنے خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر رومیوں کا منہ پھیر دیا۔ جب تک مسلمانوں کا ایک دستہ ان کی مدد کو نہ آ پہنچا وہ ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہیں اور متعدد رومیوں کو جہنم واصل کیا۔

حضرت ہندؓ نے حضرت عثمان غنیؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ ان کی اولاد میں امیر معاویہؓ تاریخ اسلام کی نامور شخصیت ہیں۔

ابنِ اثیرؒ نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ:

"حضرت ہندؓ ایک خوددار، غیرتمند، صائب الرائے اور دانشمند خاتون تھیں۔"

صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعاً نہایت فیاض تھیں۔

شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں، غزوۂ بدر میں اپنے بھائی ابو حذیفہؓ کو شعروں میں ملامت کی۔ اسی طرح غزوۂ اُحد میں شعر پڑھ پڑھ کر مشرکین قریش کو لڑائی پر ابھارتی تھیں۔ جب ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا تو اپنے شعروں سے مجاہدینِ اسلام کو کفار کے خلاف جوش دلاتی تھیں۔ اہلِ سیر نے ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔

ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ ہجرتِ نبوی کے بعد جب حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ نے مکہ سے مدینہ جانے کے لیے رختِ سفر باندھا تو ہندؓ ان کے پاس گئیں اور کہا کہ:

"اے بنتِ محمدؐ تم اپنے باپ کے پاس جا رہی ہو اگر کچھ زادِ راہ وغیرہ کی

ضرورت ہو تو بے تکلف کہہ دو میں مہیا کر دوں گی۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے عداوت رکھنے کے باوجود ان میں رواداری کا فقدان نہیں تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ان کے فطری جوہر خوب نمایاں ہوئے اور انہوں نے سابقہ زندگی کی تلافی اپنے حسنِ کردار سے کر دی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت دُرّہ رضی اللہ عنہا بنتِ ابی لہب

حسب و نسب کے لیے اتنا ہی لکھنا کافی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنت عم تھیں۔ باپ کی اسلام دشمنی کی یہ کیفیت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں نام لے کر اس کی مذمت کی لیکن بیٹی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف عطا کیا کہ اسلام قبول کیا اور حضورؐ کی صحابیات میں شمار ہوئیں۔

ان کا نکاح حضورؐ کے چچازاد بھائی نوفلؓ بن حارث بن عبد المطلب کے فرزند حارثؓ سے ہوا۔ ان کے صلب سے تین بیٹے عتبہ، ولید اور ابو مسلم پیدا ہوئے۔ ان کے شوہر اور خسر نے غزوہ خندق سے پہلے اسلام قبول کیا۔ خسر (نوفلؓ بن حارث) نے ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا لیکن شوہر (حارثؓ بن نوفلؓ) اس سعادت سے محروم رہے۔ البتہ حضرت دُرّہؓ کے بارے میں بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ وہ شرفِ ہجرت سے بہرہ ور ہوئیں۔ علامہ ابنِ اثیر نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ وہ مدینہ پہنچ کر حضرت رافعؓ بن معلی زرقی کے گھر اتریں، بنو زریق کی عورتیں ان سے ملنے آئیں اور کہا:

"تم اسی ابولہب کی بیٹی ہو جس کے بارے میں سورہ تبّت یدا ابی لہب نازل ہوئی۔ تم کو ہجرت کا کیا ثواب ملے گا؟"

حضرت دُرّہؓ کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ حضورؐ نے ان کو تسلی دی اور کچھ دیر ٹھہرنے کا حکم دیا۔ پھر ظہر کی نماز پڑھ کر منبر پر رونق افروز ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"لوگو! تم میں سے بعض میرے خاندان کے بارے میں میری دل آزاری کرتے ہیں حالانکہ خدا کی قسم میرے اقربا کو میری شفاعت ضرور پہنچے گی، یہاں تک کہ صدا، حکم اور سلہب (تین قبائل جن سے حضورؐ کی دور کی

قرابت تھی) بھی اس سے مستفید ہوں گے۔"

حضرت درّہ رضؓ سے کئی احادیث مروی ہیں ان میں سے دو مشہور حدیثیں یہ ہیں:

۱۔ ایک دفعہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ لوگوں میں بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا "جس میں تقویٰ زیادہ ہو، جو لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم کرتا، بُرے کاموں سے روکتا اور صلۂ رحمی کرتا ہو۔"

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "کسی مردہ کے افعال کے بدلے کسی زندہ کو اذیت نہیں دی جاسکتی۔"

حافظ ابن حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ "حضرت درّہؓ نہایت فیاض تھیں اور مسلمانوں کو کھانا کھلایا کرتی تھیں۔"

حضرت درّہ کا سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت اُمیمہؓ — اُمّ ابی ہریرہؓ

اُمیمہ نام تھا لیکن عام طور پر اپنی کنیت اُمّ ابی ہریرہؓ سے مشہور ہیں۔ باپ کا نام باختلافِ روایت صبیح یا صفیح بن الحارث تھا۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہؓ دوسی کی والدہ تھیں۔ ان کا نکاح عامر بن عبد ذی الشریٰ دوسی سے ہوا، انہوں نے جوانی میں وفات پائی، اس وقت حضرت ابوہریرہؓ کم سن تھے۔ ماں نے بڑے مشکل حالات میں ان کی پرورش کی۔ حضرت ابوہریرہؓ ہجرتِ نبویؐ سے چند سال پہلے حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی کی تبلیغ سے مسلمان ہوگئے تاہم ان کو غزوۂ خیبر کے موقع پر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ والدہ بھی ساتھ تھیں لیکن وہ مدینہ منورہ آنے کے بعد بھی کفر و شرک کی بھول بھلیوں

میں بھٹک رہی تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ والدہ کے بے حد اطاعت گزار تھے لیکن ان کے شرک کی وجہ سے دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔ ان کی تمنا تھی کہ والدہ بھی اسلام کی نعمتِ عظمیٰ سے بہرہ یاب ہو جائیں لیکن والدہ کی اسلام سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن حضورؐ کی شان میں کچھ نامناسب الفاظ کہہ بیٹھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کو سخت صدمہ پہنچا۔ روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

"یا رسول اللہ میری ماں کے لیے دعا کیجیے کہ اللہ انہیں قبولِ حق کی توفیق عطا فرمائے۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی: "الٰہی ابوہریرہؓ کی ماں کو ہدایت فرما۔" حضرت ابوہریرہؓ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کہ کواڑ بند ہیں اور ماں غسل کر رہی ہیں۔ غسل سے فارغ ہو کر کواڑ کھولے اور بولیں:

"اے فرزند گواہ رہنا کہ میں اللہ اور اس کے سچے رسول پر صدقِ دل سے ایمان لاتی ہوں۔"

حضرت ابوہریرہؓ فرطِ مسرت سے بے خود ہو گئے اور خوشی کے آنسو بہاتے ہوئے کاشانۂ نبویؐ پر حاضر ہو کر عرض کی "یا رسول اللہ بشارت ہو کہ آپ کی دعا قبول ہوئی اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی"۔ حضورؐ بھی یہ خبر سن کر بہت مسرور ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

حضرت امیمہؓ نہایت خوش قسمت تھیں کہ اللہ نے انہیں ابوہریرہؓ جیسا سعادت مند فرزند بخشا تھا۔ وہ گھر آتے تو کہتے "السلام علیکم یا اماہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ وہ جواب میں کہتیں "وعلیک یا بُنَیَّ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ کہتے "اللہ تعالیٰ آپ پر اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح آپ نے بچپن میں میری پرورش کی۔" وہ جواب دیتیں "اے بیٹے اللہ تعالیٰ تم پر بھی اسی طرح رحمت نازل فرمائے جس طرح تم نے جوان ہو کر مجھ سے برتاؤ کیا۔"

حضرت ابوہریرہؓ کو والدہ سے اس قدر تعلقِ خاطر تھا کہ جب تک وہ حیات

رہیں، وہ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے بھی نہ گئے۔
سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت اُمیمہؓ بنتِ غنم

سیدنا حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح امین الامتہ (یکے از اصحابِ عشرہ مبشرہ) کی والدہ ماجدہ تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

امیمہؓ بنت غنم بن جابر بن عبد العزیٰ بن عامرۃ بن عمیرۃ۔

حضرت اُمیمہؓ کا نکاح عبد اللہ بن جراح فہری سے ہوا۔ اسی کے صلب سے حضرت ابو عبیدہؓ پیدا ہوئے۔ عبد اللہ بن جراح کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ اسلام کی توفیق نہ دی لیکن حضرت اُمیمہؓ کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت پر اربابِ سیر کا اتفاق ہے۔ ان کے فرزند حضرت ابو عبیدہؓ کے بارے میں کچھ کہنا محض تحصیل حاصل ہے کیونکہ وہ اساطینِ اُمت میں سے ہیں۔

طبرانی کی روایت کے مطابق عبد اللہ بن جراح بحالتِ کفر جنگِ بدر میں ہلاک ہوا اور خود حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کو قتل کیا۔ لیکن علامہ واقدی نے اس سے انکار کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ وہ اسلام سے قبل فوت ہو چکا تھا جمہور اہلِ سیر نے طبرانی کی روایت کو راجح قرار دیا ہے۔

حضرت امیمہؓ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت ہندؓ بنت جابر

امین الامت حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح فاتح شام کی اہلیہ تھیں۔ نہایت

سادہ مزاج اور مخلص صحابیہ تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت ابو عبیدہؓ کے ایک یا دو لڑکے پیدا ہوئے لیکن نسل آگے نہیں چلی۔

مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت عاتکہؓ بنتِ عوف

ان کا تعلق قریش کے خاندان بنو زہرہ سے تھا اور جلیل القدر صحابی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف (یکے از اصحاب عشرہ مبشرہ) کی بہن تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عاتکہؓ بنت عوف بن عبد عوف بن عبد بن الحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ۔

ان کا نکاح مخرمہ بن نوفل سے ہوا جو ان کے ہم جد تھے۔ حضرت عاتکہؓ دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئیں اور ہجرت کی سعادت بھی حاصل کی۔ مشہور صحابی حضرت مسوَر بن مخرمہ حضرت عاتکہؓ ہی کے فرزند ہیں۔ وہ سنہ ۲ ہجری میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور فتح مکہ کے بعد چھ برس کے سِن میں مدینہ آئے۔ حضرت عاتکہؓ ان کو اکثر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا کرتی تھیں۔

سالِ وفات اور مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

زوجۂ حضرت صفوانؓ بن معطل

نام و نسب معلوم نہیں۔ مشہور صحابی حضرت صفوانؓ بن معطل کی اہلیہ تھیں۔

امام مالکؒ نے مؤطا میں لکھا ہے کہ حضرت صفوانؓ غزوۂ طائف کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے لیکن ان کی اہلیہ ان سے پہلے ہی قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کر چکی تھیں۔ تاہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کی تجدید نہیں فرمائی۔ نہایت مخلص صحابیہ تھیں اور عبادتِ الٰہی سے بے حد شغف تھا ایک دن بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کی:

"یا رسول اللہ میرے شوہر صفوانؓ بن معطل نماز پڑھنے کی بنا پر مجھ پر سختی کرتے ہیں، جب میں روزہ رکھتی ہوں تو میرا روزہ تڑوا دیتے ہیں اور خود دن چڑھے نماز پڑھتے ہیں۔"

اتفاق سے اس وقت مجلسِ نبوی میں حضرت صفوانؓ بھی حاضر تھے۔ حضورؐ نے ان سے حقیقتِ حال دریافت کی تو انھوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ یہ نماز میں دو لمبی لمبی سورتیں پڑھتی ہیں اور میں انھیں اس سے منع کرتا ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "ایک سورۃ پڑھنا بھی کافی ہے۔"

صفوانؓ نے پھر کہا: "یا رسول اللہ یہ کہتی ہیں کہ میں ان کا روزہ تڑوا دیتا ہوں۔ تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ جب یہ نفلی روزے رکھنے پر آتی ہیں تو رکھتی ہی چلی جاتی ہیں۔ میرے لیے یہ بات تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔

حضورؐ نے فرمایا:

"ہاں کسی عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر اس طرح نفلی روزے نہیں رکھنے چاہئیں۔"

پھر صفوانؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میرے دن چڑھے نماز پڑھنے کی بات درست ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ہم محنت مزدوری کرنے والے لوگ ہیں اور ہمارے خاندان کے لوگوں میں یہ روایت یا عادت مدت سے چلی آتی ہے کہ وہ سورج نکلنے سے پہلے نہیں اٹھتے۔"

حضورؐ نے فرمایا : "اچھا صفوان جب اٹھو تو نماز ضرور پڑھ لیا کرو۔"
حضرت صفوانؓ بن معطل کی اہلیہ کے مزید حالات نہیں ملتے۔

حضرت اُمِّ محجنؓ

اصل نام اور نسب معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ہمیشہ مسجدِ نبویؐ میں جھاڑو دینے کی خدمت انجام دیا کرتی تھیں، اس لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان کی بڑی قدر وقیمت تھی، ان کا انتقال ہوگیا تو صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کو اطلاع دیئے بغیر ان کو دفن کر دیا۔ بعد میں حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے فرمایا، "مجھے کیوں اطلاع نہیں دی؟" صحابہؓ نے عرض کیا، "یا رسول اللہ آپ روزے سے تھے اور قیلولہ فرما رہے تھے اس لیے ہم نے تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔
مزید حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔

حضرت خولہؓ بنتِ حکیم

خولہؓ نام تھا اور اُمِّ شریک کنیت۔ قبیلہ بنو سُلیم میں سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:
خولہؓ بنت حکیم بن اُمیہ بن حارثہ بن اوقص بن مرہ بن ہلال بن فالح بن ذکوان بن ثعلبہ بن بہثہ بن سلیم۔
ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت ابوالسائب عثمانؓ بن مظعون جمحی سے

ہوا۔ ۱۳ ھ بعد بعثت میں اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت الی المدینہ کا شرف حاصل کیا۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون کو عبادتِ الٰہی سے بے حد شغف تھا، رات رات بھر نمازیں پڑھتے اور دن کو اکثر روزے سے رہتے تھے، ان کے شوقِ عبادت نے بیوی بچوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ ایک دن حضرت خولہؓ حرمِ نبوی میں آئیں تو نہایت پریشان حال تھیں اور ہر قسم کی زنانہ زیب و آرائش سے خالی تھیں، امہات المؤمنینؓ نے انہیں اس حالت میں دیکھ کر پوچھا: "تم نے ایک بیاہتا عورت ہو کر اپنی حالت کیوں ایسی بنا رکھی ہے حالانکہ تمہارے شوہر قریش کے نہایت آسودہ حال لوگوں میں ہیں۔"

حضرت خولہؓ نے اشارے اشارے میں کہا: "ان کو اپنے بیوی بچوں سے کیا غرض وہ تو رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہیں اور دن بھر روزہ رکھتے ہیں۔"

امہات المؤمنین حقیقتِ حال کی تہہ تک پہنچ گئیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ کیا۔ حضورؐ اسی وقت بہ نفسِ نفیس حضرت عثمانؓ بن مظعون کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: "عثمانؓ کیا تمہارے نزدیک میرا طرزِ زندگی پیروی کے لائق نہیں؟"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ میرے ماں باپ آپ پر قربان بلاشبہ آپ کی ذاتِ گرامی میرے لیے نمونہ ہے، مجھ سے کیا قصور سرزد ہوا؟"

حضورؐ نے فرمایا: "عثمان ہمارے لیے رہبانیت کا حکم نہیں ہے، میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، نمازیں بھی پڑھتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں اور اہلِ خانہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہوں، تم پر بھی تمہاری آنکھ جسم اور اہل و عیال سب کا حق ہے۔ نمازیں پڑھو روزے رکھو لیکن اہل و عیال کا حق بھی ادا کرو۔"

حضرت عثمانؓ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب سمجھ گئے۔ اس کے چند دن بعد حضرت خولہؓ امہات المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ان کی حالت ایک

دلہن جیسی تھی (اچھے لباس میں تھیں اور خوشبو لگائے ہوئے تھیں) یہ ابن سعدؒ کا بیان ہے۔ مسند احمد حنبلؒ میں ہے کہ حضرت خولہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور انہوں نے ہی حضورؐ سے ان کا تذکرہ کیا تھا۔

غزوۂ بدر کے بعد ۲ھ ہجری کے اخیر میں حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی اور اپنے پیچھے حضرت خولہؓ اور دو بیٹے عبدالرحمنؓ اور سائبؓ چھوڑے۔ اُن کے بعد حضرت خولہؓ نے اپنی زندگی بیوگی کے عالم میں گزار دی اور دوسرا نکاح نہیں کیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ امہات المومنین میں شامل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا تھا لیکن حضورؐ نے بوجوہ اسے منظور نہیں فرمایا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "الاستیعاب" میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی "یا رسول اللہ اگر طائف فتح ہو تو مجھ کو بادیہ بنت غیلان یا فارعہ بنت عقیل کا زیور عطا فرمایئے گا۔" حضورؐ نے فرمایا "اگر اللہ تعالیٰ اس کی اجازت نہ دے تو میں کیا کروں۔"

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی وفات کے بعد حضرت خولہؓ اکثر پریشان رہتی تھیں لیکن اس کے باوجود نماز روزے میں بے حد انہماک تھا۔ امام احمدؒ بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ قائم اللیل اور صائم النہار تھیں۔ (یعنی رات بھر عبادت کرتی تھیں اور دن بھر روزہ رکھتی تھیں)

حافظ ابن عبدالبرؒ نے لکھا ہے کہ وہ ایک نیک اور قابل تکریم خاتون تھیں۔

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خولہؓ شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ حافظ ابونعیمؒ نے "حلیہ" میں حضرت ابواسحاق اسبیعیؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ان کے شوہر حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی تو انہوں نے اپنے غم کا اظہار ان اشعار میں کیا۔

یا عین جودی بدمع غیر ممنون

علی رزیة عثمانؓ بن مظعون

(اے آنکھ مسلسل آنسو بہا، عثمانؓ بن مظعون کی مصیبت (وفات) پر)

علی امرئٍ بات فی رضوان خالقه

طوبیٰ له من فقید الشخص مدفون

(اس شخص پر آنسو بہا جس نے اپنے خالق کی رضامندی کے لیے ساری رات گزار دی۔ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جو روپوش ہوگیا اور دفن کردیا گیا)

طاب البقیع له سکنیٰ وغرقده

واشرقت ارضه من بعد تفتین

(بقیع اور اس کے غرقد کے درخت اس کا کیا اچھا مسکن ہے۔ اور اس کے بعد اس کی زمین پُرفتن ہوگئی)

واورث القلب حزناً لا انقطاع له

حتی الممات فما ترقی له شؤنی

(اور دل میں جو غم بیٹھ گیا ہے وہ مرتے دم تک ختم نہیں ہوگا اور اس دل کی رونے والی رگیں ہمیشہ روتی رہیں گی۔)

حضرت خولہؓ بنتِ حکیم سے پندرہ حدیثیں مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت سعید بن المسیبؒ اور حضرت عروہ بن زبیرؓ جیسے اکابرِ اُمت شامل ہیں۔

حضرت حمنہؓ بنتِ جحش

قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:
حمنہؓ بنتِ جحش بن رِئاب بن یعمر بن صبرۃ بن مرۃ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ۔

والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطّلب تھا جو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت حمنہ رضؓ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ اُمّ المومنین حضرت زینبؓ بنتِ جحش ان کی حقیقی بہن اور سیدنا عبداللہ بن جحش (المجدع فی اللہ۔ شہیدِ اُحُد) ان کے حقیقی بھائی تھے۔ بعثتِ نبوی کی ابتداء میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت مصعبؓ بن عمیر سے ہوا۔ ان کے ساتھ ہی ہجرت الی المدینہ کا شرف حاصل کیا اور مہاجرین اور انصار کی چند دوسری خواتین کے ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔ سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ اُحُد پیش آیا۔ حضرت حمنہ رضؓ نے کچھ دوسری خواتین کے ساتھ مل کر اس غزوہ میں نمایاں خدمات انجام دیں، وہ مجاہدین کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کا علاج اور نگہداشت کرتی تھیں۔ اسی غزوے میں ان کے شوہر حضرت مصعبؓ بن عمیر نے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ حضرت حمنہؓ کو ان سے بہت محبت تھی، جب ان کی شہادت کی خبر سنی تو بے اختیار چیخ نکل گئی۔ اسی غزوہ میں ان کے بھائی حضرت عبداللہ رضؓ بن جحش بھی شہید ہوئے اور مشرکین نے ان کی لاش کا مُثلہ کیا۔ (چونکہ شہادت سے پہلے انہوں نے خود اپنی لاش کا مُثلہ کیے جانے کی خواہش کی تھی محض اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں تو یہ کہہ سکیں کہ الٰہی میرے ہونٹ کان ناک تیری راہ میں کاٹے گئے۔ اسی لیے وہ المجدع فی اللہ یعنی گوش بریدۂ راہِ خدا کے لقب سے مشہور ہیں)۔ حضرت مصعبؓ کے صُلب سے ان کی صرف ایک لڑکی زینب پیدا ہوئی۔ اس کے بعد حضرت حمنہ رضؓ کا نکاح سیدنا حضرت طلحہ رضؓ بن عبید اللہ۔ صاحبِ اُحد (یکے از اصحابِ عشرہ مبشرہ) سے ہوا۔ ان کے صُلب سے دو لڑکے محمدؓ (سجّاد) اور عمرانؓ پیدا ہوئے۔

واقعۂ افک میں حضرت حسانؓ بن ثابت اور حضرت مسطحؓ کے ساتھ حضرت حمنہؓ بھی منافقین کے فریب میں آگئیں اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ پر لگائی گئی تہمت کی تصدیق کی۔ بارگاہِ خداوندی سے حضرت صدیقہؓ کی بریت ہوئی

تو حضرت حمنہؓ اپنے کیے پر سخت پشیمان ہوئیں اور توبہ کی لیکن حضرت صدیقہؓ کو ان کی شرکتِ افک کا ہمیشہ قلق رہا۔

حضرت حمنہؓ نے سنہ ۲۰ ہجری کے بعد کسی سال انتقال کیا۔ ان سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں جن کے راوی ان کے فرزند عمران بن طلحہؓ ہیں۔

حضرت اروی ؓ بنتِ کُریز

ان کا تعلق خاندان بنو عبدشمس سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اروی ؓ بنتِ کُریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبد مناف بن قُصیّ

حضرت اروی ؓ کی والدہ اُمّ حکیم البیضاء بنت عبدالمطّلب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ اس لحاظ سے وہ حضورؐ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ حضرت اروی ؓ پہلے عفان بن ابی العاص (بن امیّہ بن عبدشمس) کے ساتھ بیاہی گئیں۔ ان کے صُلب سے حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور ایک لڑکی آمنہ متولّد ہوئیں جب عفان نے اس سرائے فانی سے منہ موڑا تو حضرت اروی ؓ عقبہ بن ابی مُعَیط کے نکاح میں آئیں۔ اُسی کے صُلب سے اُمّ کلثومؓ پیدا ہوئیں جو مشہور صحابیات میں سے ہیں۔

عُقبہ بن ابی مُعَیط قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو وہ آپؐ کا جانی دشمن بن گیا اور آپؐ کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن حضرت اروی ؓ کو اللہ تعالیٰ نے قبولِ حق کی توفیق دی اور وہ ہجرت سے پہلے ہی سعادت اندوزِ اسلام ہوگئیں۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ

"اروی ؓ اسلام لائیں اور اپنی لڑکی اُمّ کلثومؓ بنتِ عقبہ کے بعد ہجرت

کی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اور ہمیشہ مدینہ میں رہیں۔ اپنے فرزند عثمانؓ بن عفان کے عہدِ خلافت میں وفات پائی"۔
بعض روایتوں کے مطابق حضرت اروئیؓ نے بعدِ بعثت کے ابتدائی تین سالوں کے اندر اسلام قبول کیا۔ ان کے فرزند حضرت عثمانؓ بھی اسی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئے۔
حضرت اروئیؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت سُعدیٰؓ بنتِ کُریز

یہ حضرت اروئیؓ بنتِ کُریز کی بہن تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں کہانت سے شغف تھا اور اس میں بڑی ماہر تھیں۔ شعر و شاعری میں بھی خاصی درک رکھتی تھیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ اور بعض دوسرے اہلِ سِیَر نے اپنی کتابوں میں ان کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ ان کے قبولِ اسلام کے زمانے کے بارے میں حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ حق کی ابتدا ہی میں شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہو گئی تھیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انھوں نے ہی سب سے پہلے اپنے بھانجے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اسلام کی طرف راغب کیا تھا اور ان سے مخاطب ہو کر برملا یہ اشعار کہے تھے:—

عثمان یا عثمان یا عثمان
لک الجمال ولک الشان
ھذا نبیٌّ معه البرھان
ارسله بحقه الدیان

وجاءه التنزيل والفرقان

فاتبعه لا يغرنك الاوثان

(یعنی) "عثمان، اے عثمان، اے عثمان!

تم صاحبِ جمال اور صاحبِ شان ہو،

یہ نبی صاحبِ برہان ہیں،

وہ رسولِ برحق ہیں،

ان پر قرآن نازل ہوا ہے،

ان کا اتباع کرو اور بتوں کے فریب میں نہ آؤ۔"

یہ اشعار سنانے کے بعد انھوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا، بھانجے بے شک محمدؐ بن عبد اللہ خدا کے رسول ہیں، قرآن ان پر نازل ہوا ہے اور وہ خدا کی طرف بلاتے ہیں۔ ان کا چراغ ہی فی الحقیقت چراغ ہے اور ان کا دین ذریعۂ فلاح ہے۔

حضرت عثمانؓ خالہ کی باتوں سے بہت متاثر ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جا کر ان کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے فرمایا: "خدا کی قسم جو کچھ تمہاری خالہ نے کہا وہ سچ ہے۔" اس کے فوراً ہی بعد حضرت عثمانؓ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت سعدیٰؓ کے مزید حالات نہیں ملتے لیکن ان کے قبولِ اسلام اور شرفِ صحابیت پر بیشتر اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔

حضرت ہالہؓ بنتِ خویلد

یہ اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی حقیقی بہن تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے:

ہالہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی

جمہور اہل سیر کا بیان ہے کہ وہ شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئیں اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کی وفات کے بعد تک زندہ رہیں۔

حافظ ابن عبد البر رح نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گئیں، آستانہ رسالت پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کا اذن چاہا۔ ان کی آواز اُمّ المومنین خدیجۃ الکبریٰ رض کی آواز سے ملتی تھی۔ حضور ص کے سمع مبارک تک آواز پہنچی تو آپ ص کو خدیجۃ الکبریٰ رض یاد آ گئیں اور آپ ص نے حضرت عائشہ صدیقہ رض سے فرمایا۔ "(خدیجہ رض کی بہن) ہالہ ہوں گی"۔ پھر وہ اندر آئیں تو حضور ص نے ان کی بے حد تعظیم و تکریم کی۔

حضرت ہالہ رض کا نکاح ربیع بن عبد العزیٰ (بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی) سے ہوا تھا۔ ان کے صلب سے ابو العاص رض پیدا ہوئے جن سے حضور ص کی صاحبزادی حضرت زینب رض کی شادی ہوئی۔ اس طرح حضرت ہالہ رض کو حضور ص کی سمدھن بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض ابو العاص رض (بھانجے) سے بےحد محبت کرتی تھیں اور ان کو اپنا فرزند سمجھتی تھیں۔

حضرت ہالہ رض کا سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت جثامہ رض (حنانہ) مزنیہ

ان کا تعلق بنو مزینہ سے تھا۔ ہجرت نبوی سے پہلے سعادت اندوز اسلام ہوئیں۔ وہ اکثر حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض سے ملنے آیا کرتی تھیں۔ امام بخاری رح نے مد کنز العمال میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض کی وفات کے کئی سال بعد وہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ آئیں اور حضور ص کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بہت بوڑھی

ہو چکی تھیں اس لیے حضورؐ پہلی نظر میں ان کو پہچان نہ سکے اور پوچھا "تم کون ہو۔"
انہوں نے عرض کیا۔ "حضور، میں جثامہ مزنیہ ہوں۔" آپؐ نے فرمایا "بلکہ تو حسانہ مزنیہ ہے۔" پھر آپؐ نے دریافت فرمایا۔ "تم لوگ کس حال میں ہو، ہمارے بعد تم کیسے رہے۔"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، ہم بالکل خیر و عافیت کے ساتھ رہے۔" جب وہ چلی گئیں تو اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ نے حضورؐ سے پوچھا۔ "یا رسول اللہ، اس بڑھیا کی آپ نے بہت تعظیم و تکریم کی۔"

حضورؐ نے فرمایا: "یہ بڑھیا ہمارے پاس خدیجہؓ کے زمانہ میں آیا کرتی تھی اور پرانے ملنے والوں سے اچھی طرح ملاقات کرنا بھی ایمان کی نشانی ہے۔"

مسند بیہقی میں یہ روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی زبانی اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک بڑھیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتی تھی، آپؐ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے اور اس کی بے حد تعظیم و توقیر فرماتے تھے۔ میں نے ایک دن پوچھا: "میرے ماں باپ آپ پر قربان" آپ تو اس بڑھیا کی اس قدر خاطر تواضع کرتے ہیں کہ کسی اور کی نہیں کرتے۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ بڑھیا خدیجہؓ کے زمانہ میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور کیا تجھے علم نہیں کہ محبت کی قدر کرنا بھی ایمان کی نشانی ہے۔"

حضرت جثامہؓ کے مزید حالات کسی کتاب میں نہیں ملتے۔

حضرت اُمِّ کلثومؓ بنت عقبہ

نام معلوم نہیں اپنی کنیت "اُمِّ کلثوم" ہی سے مشہور ہیں۔

قریش کے خاندان بنو عبد شمس میں سے تھیں۔ نسب نامہ یہ ہے:

اُمِّ کلثوم بنت عُقبہ بن ابی مُعیط بن ابی عمرو بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی۔

والدہ کا نام اروی رضؓ بنت کُریز تھا، ان کا پہلا نکاح عفان بن ابی العاص سے ہوا۔ ان کے صلب سے حضرت عثمان ذوالنورین رضؓ پیدا ہوئے۔ عفان کے انتقال کے بعد اروی رضؓ کا نکاح عقبہ بن ابی مُعیط سے ہوا۔ حضرت اُمِّ کلثوم اسی کے صُلب سے تھیں۔ اس لحاظ سے وہ حضرت عثمان رضؓ کی اخیافی بہن ہیں۔ عقبہ بن ابی مُعَیط اسلام کا سخت دشمن تھا لیکن اہلیہ (اروی رضؓ) اور بیٹی (اُمِّ کلثوم رضؓ) کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ انہوں نے سخت نامساعد حالات میں اسلام قبول کر لیا اور عقبہ بن ابی مُعَیط کی مخالفت کی کچھ پروا نہ کی۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اہلِ حق نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت اُمِّ کلثوم رضؓ کا دل بھی ہجرت کے لیے تڑپ اٹھا لیکن ابھی نا کتخدا تھیں، باپ اور بھائی کڑی نگرانی رکھتے تھے اس لیے انھیں مدت تک ہجرت کا موقع نہ مل سکا۔ باپ عُقبہ بن ابی مُعَیط غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عاصم رضؓ بن ثابت بن ابی الافلح کے ہاتھ سے جہنم واصل ہوا تو بھائیوں نے ان کی نگرانی اور سخت کر دی، وہ وقتاً فوقتاً سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ حق کے خلاف زبان درازی کرتے تھے۔ حضرت اُمِّ کلثوم رضؓ ان کی باتیں سنتیں اور دل مسوس کر رہ جاتیں۔ عورت ذات تھیں ڈر تو کچھ نہ کر سکتی تھیں بس ہر وقت یہ دعا کرتی رہتی تھیں کہ خداوند کریم انہیں اس ناپاک ماحول سے نجات دے اور وہ اڑ کر اپنے آقا و مولاؐ کے قدموں میں جا پہنچیں۔ اتفاق سے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد انھیں گھر سے نکلنے کا موقع مل گیا اور وہ بنی خزاعہ کے ایک نیک نفس آدمی کے ساتھ پاپیادہ ہی مدینہ کی طرف چل دیں اور دن رات سفر کرتے ہوئے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ پہنچ گئیں۔ جب گھر والوں کو ان کے فرار کا علم ہوا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ان کے دو بھائیوں

ولید بن عقبہ اور عمارہ بن عقبہ کو سخت غصہ آیا اور وہ اپنی بہن کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ خوش قسمتی سے حضرت اُمِّ کلثومؓ انہیں راستہ میں نہ مل سکیں۔ دونوں بھائی سیدھے مدینہ پہنچے اور حضورؐ سے مطالبہ کیا کہ صلح نامۂ حدیبیہ کی اس شرط کو پورا کیجئے کہ قریش کا کوئی آدمی مدینہ آئے گا تو واپس کر دیا جائے گا۔

ادھر حضرت اُمِّ کلثومؓ نے فریاد کی کہ "یا رسول اللہؐ مجھے اپنے در سے نہ دھتکاریئے۔ میں ایک کمزور عورت ہوں اور مشرکین میں واپس جا کر میرا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔" حضورؐ کو بہت فکر ہوئی کیونکہ معاہدہ میں عورتوں کا ذکر نہ تھا۔ اس وقت بارگاہِ الٰہی سے یہ آیت اتری:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ (الممتحنة)

ترجمہ: "اے مومنو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں، تو ان کو جانچ لو، اللہ ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ ایمان پر ہیں تو ان کو کافروں کے حوالے نہ کرو۔"

اس حکمِ خداوندی کے مطابق حضورؐ نے حضرت اُمِّ کلثومؓ کو واپس کرنے سے انکار کر دیا اور ان کے بھائی بے نیلِ مرام مکہ کو واپس گئے۔

پھر ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِّ کلثومؓ کی قدر افزائی یوں کی کہ ان کو اپنے محبوب جاں نثار حضرت زیدؓ بن حارثہ سے بیاہ دیا۔ حضرت زیدؓ نے غزوۂ موتہ میں شہادت پائی تو حضرت زبیرؓ بن العوام سے نکاح ہوا لیکن ان کے مزاج میں کچھ سختی تھی، اس لیے نباہ نہ ہو سکا اور طلاق تک نوبت پہنچی۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے نکاح ہوا۔ جب انہوں نے وفات پائی تو حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ اس نکاح کے ایک ہی مہینہ بعد حضرت اُمِّ کلثومؓ نے وفات پائی۔ اس وقت حضرت عمروؓ بن العاص مصر کے حاکم تھے۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت عمروؓ بن العاص سے کوئی اولاد نہیں ہوئی حضرت زبیرؓ سے ایک لڑکی زینب اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے چار لڑکے ابراہیم، حمید، محمد اور اسمٰعیل پیدا ہوئے۔

حضرت اُمِّ کلثومؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں، ان سے راویوں میں ابراہیم بن عبدالرحمٰنؓ، حمید بن عبدالرحمٰنؓ اور حمید بن نافعؒ شامل ہیں۔

حضرت اُمِّ خالدؓ بنتِ خالدؓ بن سعید

(۱)

غزوۂ خیبر کے بعد کا ذکر ہے کہ ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں سے تحفہ میں ایک پھول دار سیاہ چادر آئی۔ حضورؐ نے فرمایا، یہ چادر کس کو دوں؟ لوگ چپ رہے۔ ان کی خاموشی کا مطلب یہ تھا کہ حضورؐ جس کو چاہیں وہ چادر دے دیں۔ حضورؐ نے فرمایا: "اُمِّ خالد کو بلاؤ۔" ایک صاحب دوڑے گئے اور حضرت اُمِّ خالدؓ کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد فرما رہے ہیں۔ وہ فوراً بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت محبت اور شفقت سے وہ چادر ان کو مرحمت فرمائی اور ساتھ ہی دو دفعہ فرمایا: "پہنو اور پرانی کرو۔"

پھر حضورؐ چادر کے بوٹوں پر ہاتھ رکھ کر حضرت اُمِّ خالدؓ کو دکھاتے اور فرماتے "اُمِّ خالدؓ دیکھو یہ سنہ ہے یہ سنہ ہے۔ حبشی زبان میں "سنہ" کے معنی ہیں "خوشنما" اُمِّ خالدؓ حبشی زبان جانتی تھیں۔ وہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سن کر باغ باغ ہوئی جاتی تھیں۔

یہ اُمِّ خالدؓ جن پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر شفقت فرماتے تھے جلیل القدر صحابی حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص کی صاحبزادی تھیں۔

(۲)

حضرت اُمِّ خالدؓ کا اصل نام اَمۃ تھا، وہ قریش کے نامور خاندان بنو اُمیہ سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمِّ خالد اَمۃ بنتِ خالدؓ بن سعید بن العاص بن اُمیہ بن عبد شمس بن

عبد مناف بن قصیّ۔

والدہ کا نام اُمَینہؓ یا ہُمَینہؓ بنتِ خلف بن اسعد بن عامر تھا۔ ان کا تعلق بنوخزاعہ سے تھا۔ حضرت اُمِّ خالدؓ کے والد اور والدہ دونوں دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے ہی میں شرفِ اسلام سے بہرہ یاب ہو گئے اور دوسرے سابقون الاوّلون کی طرح راہِ حق میں بڑی مصیبتیں جھیلیں۔ ۵ سنہ بعدِ بعثت میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو کفّار کے مظالم سے بچنے کے لیے حبش چلے جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ چند صحابہ کرامؓ اُسی سال ہجرت کر کے حبش چلے گئے۔

اگلے سال (۶ سنہ بعدِ بعثت میں) مظلوم صحابہؓ کے ایک بڑے قافلے نے حبش کی طرف ہجرت کی۔ اس قافلے میں حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص اور اُن کے بھائی حضرت عمروؓ بن سعید بن العاص بھی شامل تھے، ان کے ساتھ ان کی بیویاں اُمَینہؓ اور فاطمہؓ بنتِ صفوان بھی تھیں۔ حضرت خالدؓ بن سعید غزوۂ خیبر تک حبش میں مقیم رہے۔ ان کے قیامِ حبش ہی کے زمانے میں حضرت اُمِّ خالد اَمَۃؓ کی ولادت ہوئی۔ انہوں نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی۔ اس پر پہلے ہی نورِ اسلام جلوہ فگن تھا۔ اس لیے وہ پیدائشی مسلمان تھیں۔ علامہ ابن اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُمِّ خالدؓ کے ایک بھائی بھی حبش میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام سعیدؓ تھا۔ دونوں بہن بھائی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئے۔ حضرت سعیدؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہدِ خلافت میں شام کے ایک معرکے میں باپ کے سامنے ہی شہادت پائی۔

(۳)

مہاجرینِ حبشہ میں سے کچھ اصحاب تو مختلف اوقات میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت الی المدینہ سے پہلے مکّہ واپس آ گئے لیکن بیشتر حبش ہی میں رہے اور جنگِ خیبر کے موقع پر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آئے۔ حضرت خالدؓ بن سعید ان کے اہل و عیال اور دوسرے اہلِ خاندان بھی انہی اصحاب میں شامل تھے۔ حضرت اُمِّ خالدؓ اس وقت سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں جس

وقت یہ لوگ حبشہ سے روانہ ہونے لگے تو نجاشی شاہِ حبشہ نے نہایت عقیدت سے ان کو پیغام دیا کہ تم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام پہنچا دینا۔

حضرت اُمِّ خالدؓ فرمایا کرتی تھیں کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھی جنھیں شاہِ حبشہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پیغامِ سلام دیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضورؐ کو نجاشی کا سلام پہنچایا۔

مدینہ منورہ آنے کے بعد حضرت اُمِّ خالدؓ کا نکاح حضورؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور حواری حضرت زبیرؓ بن العوام سے ہوا۔ اُن کے صلب سے دو بیٹے خالد اور عمر اور تین بیٹیاں حبیبہ، سودہ اور ہند پیدا ہوئیں۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِّ خالدؓ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے والد ماجد کے ہمراہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت انہوں نے سُرخ کرتہ پہن رکھا تھا حضورؐ نے اسے دیکھ کر ازراہِ خوش طبعی فرمایا: "سنہ سنہ" بہت خوبصورت بہت خوبصورت۔ حبشی زبان میں یہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِّ خالدؓ کو خوش کرنے کے لیے فرمائے[1] اسی طرح ایک اور موقع پر حضورؐ نے حضرت اُمِّ خالدؓ کو بطورِ خاص بلا کر ایک خوبصورت چادر عنایت فرمائی اور اس وقت بھی ان کو خوش کرنے کے لیے یہی الفاظ کہے۔

حضرت اُمِّ خالدؓ کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔ ان سے چند احادیث

---

[1] ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت اُمِّ خالدؓ مُہرِ نبوت سے کھیلنے لگیں۔ حضرت خالدؓ بن سعید نے (اس کو سوءِ ادب پر محمول کر کے) بچی کو منع کیا لیکن حضورؐ نے شفقت سے فرمایا کہ "منع نہ کرو کھیلنے دو"۔ یہ روایت اس لحاظ سے محلِ نظر ہے کہ حضرت اُمِّ خالدؓ ۷ھ میں اپنے والدین کے ہمراہ حبش سے مدینہ آئیں اس وقت وہ بچی نہیں تھیں بلکہ ان کی عمر کم از کم بارہ تیرہ برس کی تھی اس روایت کی رو سے انہیں پانچ چھ سال کی بچی تسلیم کرنا پڑے گا جو صحیح نہیں ہے۔

مروی ہیں۔ راویوں میں کریبؒ بن سلیمان کندی، موسیٰؒ بن عقبہ اور ابراہیمؒ بن عقبہ وغیرہ شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِّ ورقہ رضؓ بنتِ نوفل انصاریہ

اصل نام معلوم نہیں ہے، باپ کا نام عبداللہ تھا اور جدِ اعلیٰ کا نوفل۔ چنانچہ لوگ انھیں اُمِّ ورقہ بنتِ عبداللہ اور اُمِّ ورقہ بنتِ نوفل دونوں طرح پکارتے تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں ان کا سلسلۂ نسب اس طرح لکھا ہے:

اُمِّ ورقہ بنتِ عبداللہ بن حارث بن عویمر بن نوفل۔

ہجرتِ نبوی کے بعد شرفِ اسلام اور حضورؐ کی بیعت سے بہرہ ور ہوئیں۔ اس کے بعد انھوں نے بڑے ذوق و شوق سے حضورؐ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ ابنِ اثیرؒ نے لکھا ہے کہ انہوں نے پورا قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ غزوۂ بدر کی تیاری ہونے لگی تو انہوں نے حضورؐ سے درخواست کی کہ مجھے بھی اس غزوہ میں اپنے ہمراہ لے چلیے، میں زخمیوں کی خدمت اور مریضوں کی دیکھ بھال کروں گی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے راہِ حق میں شہید ہونے کی سعادت بخشے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "تم گھر میں ہی رہو، اللہ تعالےٰ تمہیں یہیں شہادت نصیب کرے گا۔" انہوں نے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل کی اور غزوہ پر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ عبادت سے بڑا شغف تھا، چونکہ قرآن پڑھی ہوئی تھیں، اس لیے حضورؐ نے ان کو عورتوں کا امام مقرر فرما دیا تھا اور انہوں نے اپنے مکان کو سجدگاہ بنا لیا تھا جہاں عورتوں کی امامت کیا کرتی تھیں۔ حضورؐ نے ان کی درخواست پر ایک مؤذن بھی مقرر فرما دیا تھا، ان کی آواز سن کر عورتیں نماز باجماعت ادا کرنے حضرت اُمِّ ورقہؓ کے گھر آجاتی تھیں۔

علامہ ابنِ اثیرؒ نے اُسد الغابہ میں بیان کیا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر بے حد شفیق تھے۔ کبھی کبھی بعض صحابہ کے ہمراہ ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "آؤ شہیدہ کے گھر چلیں۔" عہدِ رسالت سے متعلق ان کے اسی قدر حالات معلوم ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُمِ ورقہؓ نے اپنے ایک غلام اور ایک لونڈی سے وعدہ کیا کہ "میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو۔" ان بدبختوں نے جلد آزاد ہونے کے لیے ایک رات کو چادر سے ان کا گلا گھونٹ دیا۔ صبح کو حضرت عمر فاروقؓ نے لوگوں سے کہا کہ آج خالہ اُمِ ورقہؓ کے قرآن پڑھنے کی آواز نہیں آتی، معلوم نہیں ان کا کیا حال ہے؟ اس کے بعد حضرت اُمِ ورقہؓ کے گھر گئے، دیکھا کہ مکان کے ایک گوشہ میں چادر میں لپٹی بے جان پڑی ہیں۔ سخت غمزدہ ہوئے اور فرمایا "اللہ کے رسولؐ سچ فرمایا کرتے تھے کہ شہیدہ کے گھر چلو۔" اس کے بعد منبر پر تشریف لے گئے، یہ خبر بیان کی۔ غلام اور لونڈی دونوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ وہ گرفتار ہو کر آئے اور امیر المومنینؓ کے حکم کے مطابق انہیں اس بھیانک جرم کی پاداش میں سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اہلِ سِیَر نے لکھا ہے کہ یہ دونوں وہ پہلے مجرم تھے جن کو مدینہ منورہ میں سولی دی گئی۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ حضرت اُمِ ورقہؓ نے حضورؐ سے کچھ حدیثیں بھی روایت کی ہیں لیکن کسی دوسری کتاب میں ان کی روایتِ حدیث کا ذکر نہیں آیا۔

حضرت اُمِ مَنیع انصاریہؓ

ان کا نام اسماءؓ بنتِ عمرو بن عدی تھا اور خزرج کے خاندان بنو سلمہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ ہجرتِ نبوی سے قبل سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں اور لیلۃ العقبہ (۱۳ سنہ بعد بعثت) میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔ اس موقع پر یہ سعادت (۷۳ مردوں کے علاوہ) صرف ایک اور خاتون حضرت اُمِ عمارہؓ کو نصیب ہوئی۔ یہ وہ بیعت تھی جس میں انصارؓ نے حضورؐ کو مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی اور اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی حفاظت اور مدد کا عہد کیا۔

حضرت ام منیعؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِّ عُمارہؓ ۔۔۔ خاتونِ اُحُد

(۱)

امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں ایک دفعہ مالِ غنیمت میں بہت سے قیمتی کپڑے مرکزِ خلافت (مدینہ منورہ) میں موصول ہوئے۔ ان میں ایک زرکار دوپٹا بے حد قیمتی تھا۔ مالِ غنیمت تقسیم ہونے لگا تو سیدنا عمر فاروقؓ نے حاضرینِ مجلس سے پوچھا کہ اس دوپٹے کا سب سے بڑھ کر حقدار کون ہے؟ کچھ لوگوں نے رائے دی کہ آپ یہ دوپٹا اپنے فرزند (حضرت) عبداللہ کی بیوی کو دے دیں[1]۔

حضرت عمرؓ کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر فرمایا:

"نہیں نہیں میں یہ دوپٹا اُمِّ عمارہؓ کو دوں گا وہ اس کی سب سے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ غزوۂ اُحد کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا کہ اُحد کے دن میں اُمِّ عمارہ کو برابر اپنے دائیں اور بائیں لڑتے دیکھتا تھا۔"

یہ کہہ کر آپ نے وہ دوپٹا حضرت اُمِّ عمارہؓ کے پاس بھیج دیا جو مدینہ منورہ کے ایک مکان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یادوں کو اپنے دل میں بسائے اپنی زندگی کا آخری زمانہ گزار رہی تھیں۔ ان کی کتابِ حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور راہِ حق میں اپنی جان، اولاد اور مال قربان کر دینے کے جذبہ کے الواب اتنے

---

[1] لوگوں نے یہ رائے اس لیے نہیں دی کہ حضرت عبداللہؓ خلیفۂ وقت کے فرزند تھے بلکہ اس لیے کہ حضرت عبداللہؓ بڑے جلیل القدر صحابی تھے اور اپنے شوقِ جہاد، زہد و اتقاء اور علم و فضل کی بدولت عامۃ الناس میں نہایت عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔

روشن تھے کہ فاروقِ اعظمؓ سمیت تمام صحابہ کرامؓ ان کا حد درجہ احترام کرتے تھے اور انہیں خاتونِ اُحد کہہ کر یاد کیا کرتے تھے۔

(۲)

حضرت اُمِّ عمارہؓ کا نام "نُسیبہ" تھا لیکن تاریخ میں انہوں نے اپنی کنیت ہی سے شہرت پائی۔ وہ انصار کے قبیلہ خزرج کے خاندانِ نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

نسیبہ بنت کعب بن عمرو بن عوف بن مبذول بن عمرو بن غنم بن مازن بن نجّار۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پردادی سلمیٰ (حضرت عبدالمطلب کی والدہ اور ہاشم بن عبد مناف کی اہلیہ) بھی خاندانِ نجار ہی سے تھیں۔ یہ خاندان یوں تو شروع ہی سے مدینہ منورہ میں معزز سمجھا جاتا تھا لیکن بعد میں حضرت عبدالمطلب کا ننھیال ہونے کی بنا پر اور یوں سرورِ عالمؐ سے بالواسطہ قرابت داری کی بدولت اس کو مدینہ کا ممتاز ترین خاندان سمجھا جانے لگا۔ رسولِ اکرمؐ بنو نجار کو بہت عزیز جانتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا:

"اگر میں انصار کے کسی گھرانے میں شامل ہوتا تو بنو نجار میں شامل ہوتا۔"

رحمتِ عالمؐ جب چھ برس کے تھے تو آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ اپنی لونڈی اُمِّ ایمنؓ اور ننھے حضورؐ کے ہمراہ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور وہاں کم و بیش ایک ماہ تک خاندانِ بنو نجار کے ہاں مقیم رہیں۔ واپسی کے سفر میں جب ابواء کے مقام پر پہنچیں تو بیمار ہو گئیں اور وہیں سفرِ آخرت اختیار کیا۔ ننھے حضورؐ اُمِّ ایمنؓ کے ہمراہ مکہ پہنچے۔ مدینہ منورہ میں اس زمانۂ قیام کی باتیں حضورؐ کو ساری عمر یاد رہیں۔ سالہا سال بعد آپؐ ایک دفعہ بنو نجّار کے محلے سے گزرے تو ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"یہی وہ مکان ہے جہاں میں اپنی والدہ کے ہمراہ ٹھہرا تھا۔" پھر آپؐ نے ایک تالاب اور ایک میدان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: "یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا اور یہی وہ میدان ہے جہاں میں ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔" پھر

کے بعد حضورؐ قباء سے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ کی میزبانی کا شرف حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو حاصل ہوا جو بنو نجار ہی کے رئیس تھے۔ حضورؐ کے نزولِ اجلال کے وقت یوں تو انصار کا بچہ بچہ جوشِ مسرت سے بیخود ہو گیا تھا لیکن بنو نجار کے جوش و خروش اور ابتہاج و مسرت کی تو کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ ان کی معصوم بچیاں دَف بجا بجا کر یہ گیت گا رہی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِي النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِّنْ جَارٍ

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں　　　　محمدؐ کیا ہی اچھے ہمسایہ ہیں

حضورؐ ان بچیوں کے پاس سے گزرے تو مسکرا کر ان سے فرمایا:

"بچیو! کیا تم مجھ سے الفت رکھتی ہو؟"

سب نے مل کر جواب دیا: "ہاں یا رسول اللہ"

حضورؐ نے فرمایا: "تم بھی مجھ کو بہت عزیز ہو۔"

بیعت عقبۂ ثانیہ کے بعد حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اہلِ مدینہ نے دینی امور کی حفاظت کے لیے اپنے بارہ نقیب منتخب کیے تھے ان میں حضرت اسعدؓ بن زرارہ بنو نجار کے نقیب تھے۔ ہجرت کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت اسعدؓ نے وفات پائی تو بنو نجار کے لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ اسعدؓ کی جگہ اب کسی اور کو بنو نجار کا نقیب مقرر فرمائیں۔"

حضورؐ نے فرمایا: "تم لوگ میرے ماموں ہو اس لیے اب بنو نجار کا نقیب میں خود ہوں۔"

حضورؐ کا ارشاد سن کر بنو نجار کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ فی الحقیقت یہ ایک عظیم سعادت تھی جو بنو نجار کو حاصل ہوئی اور وہ حقیقی معنوں میں انصار کا بہترین خاندان بن گیا۔ حضرت اُمِّ عمارہؓ اسی عظیم خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے خاندان سے تعلق رکھنا ہی بجائے خود ایک بہت بڑا شرف تھا لیکن سچ پوچھئے

توحضرت اُمِّ عمارہؓ کا حقیقی سرمایۂ افتخار کچھ اور تھا ــــــ وہ تھا دینِ حق کی خاطر ہر وقت سربکف رہنے کا جذبہ اور ہادیٔ اکرمؐ سے والہانہ محبت اور عقیدت جس نے ان کو اپنی جان مال اور اولاد ہر شے سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اسی عقیدت اور جذبۂ اخلاص نے ان کو اتنا بلند مرتبہ عطا کیا کہ بڑے بڑے صحابہ کرامؓ ان پر فخر کیا کرتے تھے۔

(۳)

حضرت اُمِّ عمارہؓ کا پہلا نکاح زید بن عاصم سے ہوا جو ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ زید سے ان کی دو اولادیں ہوئیں۔ عبداللہؓ اور حبیبؓ۔ ان دونوں بھائیوں نے شرفِ صحابیت حاصل کیا اور تاریخ میں بڑی شہرت پائی۔

زید کی وفات کے بعد حضرت اُمِّ عمارہؓ عزیہؓ بن عمرو کے عقدِ نکاح میں آئیں۔ ان سے دو بچے تمیم اور خولہ پیدا ہوئے۔

حضرت اُمِّ عمارہؓ کا شمار انصار کے سابقین اوّلین میں ہوتا ہے۔ وہ اس زمانے میں اپنے سارے خاندان سمیت مشرف بہ اسلام ہوئیں جب بیعت عقبۂ اولیٰ کے بعد حضرت مصعبؓ بن عمیر یثرب میں اسلام کی تبلیغ کر رہے تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد ۱۳ سنہ نبوت میں انہیں اُن بہتر نفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جنہوں نے عقبۂ کبیرہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور یہ عہد کیا کہ حضورؐ یثرب تشریف لائیں تو وہ اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ آپؐ کی تائید و نصرت کریں گے۔ حافظ ابنِ حجرؒ کا بیان ہے کہ ان کے شوہر عزیہؓ بن عمرو بھی بیعت عقبۂ کبیرہ میں شریک تھے لیکن سیرت کی اکثر کتابوں میں بیعت عقبۂ کبیرہ کے شرکاء میں ان کا نام نہیں ملتا البتہ حضرت اُمِّ عمارہؓ کے اس بیعت میں شریک ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

(۴)

ہجرتِ نبویؐ کے تیسرے سال مسلمانوں کو اُحد کا معرکہ پیش آیا۔ حضرت اُمِّ عمارہؓ بھی اس میں شریک ہوئیں اور ایسی شجاعت جانبازی اور عزم و ثبات کا مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں "خاتونِ اُحد" کے لقب سے مشہور ہوئیں۔ طبقات ابنِ سعد کی روایت

کے مطابق ان کے شوہر عزیہؓ بن عمرو اور دونوں بڑے فرزند عبداللہؓ اور حبیبؓ بھی غزوۂ اُحد میں ان کے ساتھ شریک تھے۔

جب تک مسلمانوں کا پلّہ بھاری رہا، اُمِ عمارہؓ دوسری خواتین کے ساتھ مشکیزوں میں پانی بھر بھر کر مجاہدین کو پلاتی تھیں اور زخمیوں کی خبر گیری کرتی تھیں۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مجاہدین انتشار کا شکار ہو گئے تو اس وقت رسولِ اکرمؐ کے پاس گنتی کے چند سرفروش باقی رہ گئے۔ حضرت اُمِ عمارہؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو انہوں نے مشکیزہ پھینک کر تلوار اور ڈھال سنبھالی اور حضورؐ کے قریب پہنچ کر کفّار کے سامنے سینہ سپر ہو گئیں۔ کفّار بار بار یورش کر کے حضورؐ کی طرف بڑھتے اور اُمِ عمارہؓ انہیں دوسرے ثابت قدم مجاہدین کے ساتھ مل کر تیر اور تلوار سے روکتیں۔ یہ بڑا نازک وقت تھا، بڑے بڑے بہادروں کے قدم لڑکھڑا گئے تھے لیکن یہ شیر دل خاتون کوہِ استقامت بن کر میدانِ جنگ میں ڈٹی ہوئی تھیں، اتنے میں ایک مشرک نے ان کے سر پر پہنچ کر اپنی تلوار کا وار کیا۔ اُمِ عمارہؓ نے اسے اپنی ڈھال پر روکا اور پھر اس کے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ گھوڑا اور سوار دونوں زمین پر آ رہے۔ سرورِ عالمؐ یہ ماجرا دیکھ رہے تھے آپؐ نے اُمِ عمارہؓ کے بیٹے عبداللہ کو پکار کر فرمایا، "عبداللہ اپنی ماں کی مدد کر۔" وہ فوراً ادھر لپکے اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس مشرک کو جہنم واصل کر دیا۔ عین اس وقت ایک دوسرا مشرک تیزی سے ادھر آیا اور حضرت عبداللہؓ کا بایاں بازو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ حضرت اُمِ عمارہؓ نے اپنے ہاتھ سے عبداللہؓ کا زخم باندھا اور پھر فرمایا، "بیٹے جاؤ اور جب تک دم میں دم ہے لڑو۔" حضورؐ نے ان کا جذبۂ جاں نثاری دیکھ کر فرمایا: "من یطیق ما تطیقین یا اُمِ عمارہ" (اے اُمِ عمارہ جتنی طاقت تجھ میں ہے اور کسی میں کہاں ہو گی؟) اسی اثنا میں وہی مشرک جس نے عبداللہؓ کو زخمی کیا تھا پلٹ کر پھر حملہ آور ہوا۔ حضورؐ نے اُمِ عمارہؓ سے فرمایا: "اُمِ عمارہ سنبھلنا، یہ وہی بدبخت ہے جس نے عبداللہ کو زخمی کیا تھا۔" حضرت اُمِ عمارہؓ جوشِ غضب میں اس کی طرف جھپٹیں اور تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ وہ دو ٹکڑے

ہو کر نیچے گر پڑا۔ سرورِ عالمؐ یہ دیکھ کر متبسّم ہو گئے اور فرمایا: "اُمِّ عمارہ تو نے اپنے بیٹے کا خوب بدلہ لیا۔"

اثنائے جنگ میں ایک بدبخت نے دُور سے حضورؐ پر پتھر پھینکا جس سے آپؐ کے دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ شمعِ رسالتؐ کے پروانے مضطرب ہو کر ادھر متوجہ ہوئے تو ابنِ قمیئہ نامی ایک کافر دراتا ہوا حضورؐ کے قریب پہنچ گیا اور تلوار کا ایک بھرپور وار کیا۔ حضورؐ خود پہنے ہوئے تھے۔ ابنِ قمیئہ کی تلوار خود پر پڑی۔ اس کی دو کڑیاں رُخسارِ مبارک میں کھُب گئیں اور خون کی دھاریں پھوٹ نکلیں۔ یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا۔ اُمِّ عمارہؓ بے تاب ہو گئیں اور آگے بڑھ کر ابنِ قمیئہ کو روکا۔ یہ شخص قریش کا نامی شہسوار تھا لیکن شیر دل اُمِّ عمارہؓ مطلق ہراساں نہ ہوئیں اور اس پر نہایت جرأت کے ساتھ حملہ کیا وہ دوہری زرہ پہنے ہوا تھا اس لیے اُمِّ عمارہؓ کی تلوار اچٹ گئی اور ابنِ قمیئہ کو جوابی وار کرنے کا موقع مل گیا۔ اس سے ان کے کندھے پر شدید زخم آیا لیکن ابنِ قمیئہ کو بھی وہاں ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ تیزی سے گھوڑا دوڑا کر بھاگ گیا۔ حضرت اُمِّ عمارہؓ کے زخم سے خون کا پرنالہ بہہ رہا تھا۔ حضورؐ نے ان کے زخم پر خود پٹی بندھوائی اور کئی بہادر صحابہؓ کا نام لے کر فرمایا:

"واللہ آج اُمِّ عمارہؓ نے ان سب سے بڑھ کر بہادری دکھائی۔"

اُمِّ عمارہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میرے لیے دُعا فرمایئے کہ جنّت میں بھی آپ کی معیت نصیب ہو۔"

حضورؐ نے نہایت خشوع و خضوع سے ان کے لیے دُعا مانگی اور باآواز بلند فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّۃِ۔"

حضرت اُمِّ عمارہؓ کو بڑی مسرت ہوئی اور ان کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ جاری ہو گئے:

"ما ابالی ما اصابنی من الدنیا"

(اب مجھے دنیا میں کسی مصیبت کی پروا نہیں)

لڑائی ختم ہوئی تو حضورؐ اس وقت تک گھر تشریف نہ لے گئے جب تک آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن کعب مازنی کو بھیج کر حضرت اُمِ عمارہؓ کی خیریت دریافت نہ کرلی۔ حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ "اُحد کے دن میں دائیں بائیں جدھر نظر ڈالتا تھا اُمِ عمارہ ہی اُمِ عمارہ لڑتی نظر آتی تھیں۔"

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ اُحد میں حضرت اُمِ عمارہؓ کے جسم پر بارہ زخم لگے تھے۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ غزوۂ اُحد کے بعد انہوں نے بیعتِ رضوان، جنگِ خیبر، عمرۃ القضا اور غزوۂ حنین میں بھی شرکت کی۔ ایک دوسری روایت کے مطابق انہیں فتحِ مکہ کے موقع پر بھی سرورِ عالمؐ کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا۔

(۵)

۱۱ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سریرآرائے خلافت ہوئے تو دفعتہً سارے عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ مرتدین کی سرکوبی کے لیے جو معرکے پیش آئے ان میں سب سے شدید معرکہ مسیلمہ کذاب کا تھا۔ یہ شخص یمامہ علاقہ نجد کے قبیلہ بنو حنیفہ کا رئیس تھا۔ اس نے سرورِ عالمؐ کی حیاتِ پاک کے آخری دنوں میں مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور حضورؐ کو یہ خط بھیجا تھا۔

"مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمد رسول اللہ کے نام۔ میں تمہاری رسالت میں شریک کیا گیا ہوں۔ نصف ملک میرا، نصف قریش کا۔ لیکن قریش ایک زیادتی پسند قوم ہے۔"

حضورؐ نے اس خط کا جو جواب بھیجا اس کا مضمون یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ کا خط مسیلمہ کذاب کے نام۔

جو شخص ہدایت کی پیروی کرے اس پر سلام ہو۔ اس کے بعد تجھ کو معلوم ہو کہ ملک اللہ کا ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنادے اور آخرت کی بہتری پرہیزگاروں کے لیے ہے۔"

اس مکتوب مبارک کے بھیجنے کے کچھ عرصہ بعد حضورؐ نے رحلت فرمائی۔ اب

مسیلمہ کذاب کھل کھیلا۔ اس نے اپنی شعبدہ بازیوں اور ستم رانیوں کے بل پر لوگوں کو زبردستی اپنا معتقد بنانا شروع کر دیا۔ تھوڑی ہی مدت میں چالیس ہزار سے زیادہ جنگجو اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ جو شخص اس کی نبوت سے انکار کرتا اس پر سخت ظلم کرتا۔

اسی زمانے میں ایک دن حضرت اُمِّ عمارہؓ کے فرزند حبیبؓ بن زید عمان سے مدینہ آ رہے تھے کہ راستے میں اس ظالم کے ہاتھ پڑ گئے۔ اس نے ان سے پوچھا:

"محمدؐ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

حضرت حبیبؓ نے بلا تامل جواب دیا: "وہ خدا کے سچے رسول ہیں۔"

مسیلمہ بولا: "نہیں یہ کہو مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے۔"

حضرت حبیبؓ نے اس کی بات نہایت حقارت سے ٹھکرا دی۔ مسیلمہ نے غضبناک ہو کر اپنی تلوار کے وار سے ان کا ایک ہاتھ شہید کر ڈالا اور ان سے کہا۔

"اب میری بات مانو گے یا نہیں؟"

حضرت حبیبؓ نے جواب دیا۔ "ہرگز نہیں۔"

مسیلمہ نے اب ان کا دوسرا ہاتھ بھی شہید کر ڈالا اور بولا: "اب بھی میری رسالت تسلیم کر لو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔" اس عاشقِ رسول نے اُمِّ عمارہؓ جیسی ماں کا دودھ پیا تھا، بولے:

"ہرگز نہیں ہرگز نہیں اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔"

اب مسیلمہ فرطِ غضب سے دیوانہ ہو گیا اور اس نے ان کا ایک ایک بند کاٹنا شروع کیا۔ ظالم راہِ حق میں ان کا رقصِ بسمل دیکھ کر قہقہے لگاتا تھا۔ حضرت حبیبؓ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن راہِ تسلیم و رضا سے قدم نہ ہٹایا ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

حضرت اُمِّ عمارہؓ نے اپنے مجاہد فرزند کی مظلومانہ شہادت کی خبر سنی تو ان کی

ثابت قدمی پر خدا کا شکر بجا لائیں لیکن عہد کر لیا کہ مسیلمہ سے اس ظلم کا بدلہ لے کر رہیں گی

(۶)

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو مسیلمہ کی سرکوبی پر مامور کیا تو حضرت اُمِ عمارہؓ بھی حضرت خالدؓ کے لشکر میں شامل ہو گئیں۔ مسیلمہ نے بھی مقابلہ کی زبردست تیاری کی۔ اس نے بنو حنیفہ اور اپنے دوسرے حامیوں کی قبائلی عصبیت کو خوب بھڑکایا اور چالیس ہزار جنگجوؤں کو حضرت خالدؓ کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں اور مرتدین کی تعداد میں ایک اور چار کی نسبت تھی۔ لیکن مجاہدینِ اسلام دینِ حق کی خاطر اس پامردی سے لڑے کہ مسیلمہ کی فوج کا منہ پھیر دیا۔ اب مسیلمہ کے بیٹے شرجبیل نے اپنے قبیلے کو خطاب کر کے کہا:

"اے بنو حنیفہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر مسلمانوں کا مقابلہ کرو۔ آج قومی غیرت و حمیت کا دن ہے۔ اگر تم نے شکست کھائی تو تمہارے اہل وعیال پر مسلمان قبضہ کر لیں گے۔ اس لیے اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کے لیے کٹ مرو۔"

شرجبیل کی اس تقریر نے بجلی کا کام کیا اور بنو حنیفہ اس شدت سے لڑے کہ مسلمانوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ مسلمانوں کو اب تک ایسی سخت لڑائی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اب حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کے تمام قبائل کو الگ الگ کر دیا اور اعلان کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے عَلَم کے نیچے لڑے تاکہ پتہ چل جائے آج کون راہِ حق میں ثابت قدمی دکھاتا ہے۔ اس تدبیر کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ ہر قبیلے نے شجاعت اور استقامت میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی اور ایسی جانبازی سے لڑے کہ مسیلمہ کی فوج اپنے متواتر و مسلسل خوفناک حملوں کے باوجود انہیں پیچھے نہ دھکیل سکی۔ مسلمانوں کے بڑے بڑے تجربہ کار افسر شہید ہو گئے، جن میں حضرت زیدؓ بن خطاب، حضرت ابو حذیفہؓ، حضرت سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہؓ اور حضرت ثابتؓ بن قیس جیسے اکابر صحابہ بھی تھے۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش نہ ہوئی۔ اب مسیلمہ کی فوج پیچھے ہٹی اور اس کے باغ (حدیقۃ الرحمٰن) میں گھس کر اندر سے پھاٹک بند کر لیا۔ حضرت براءؓ بن مالک دیوار پھاند کر باغ کے اندر

کود گئے اور لڑتے بھڑتے باغ کے دروازے پر پہنچ کر پھاٹک اندر سے کھول دیا۔ اب مرتدین اور مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت اُمِ عمارہؓ بھی شروع سے لے کر اب تک بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑ رہی تھیں۔ کئی بار مسیلمہ تک پہنچنے کی کوشش کی لیکن ہر بار بنو حنیفہ کی آہنی دیوار راستے میں حائل ہوگئی۔ ادھر حضرت خالدؓ بھی مسیلمہ کو جہنم واصل کرنے کی فکر میں تھے لیکن موقع نہیں مل رہا تھا۔ اس وقت بارہ سو کے قریب مسلمان جامِ شہادت نوش کر چکے تھے لیکن مرتدین اس سے کہیں زیادہ تعداد میں مارے جا چکے تھے اور لڑائی کا رُخ پلٹنا شروع ہوگیا تھا۔ مسیلمہ نے لڑائی کا رنگ دیکھا تو اپنے مریدوں سے کہا کہ اپنا ننگ و ناموس بچانا ہے تو بچالو۔ اسی وقت اُمِ عمارہؓ نے اسے تاک لیا اور زخم پر زخم کھاتی اور اپنی برچھی سے راستہ بناتی اس کی طرف بڑھیں، اس کوشش میں انہیں گیارہ زخم آئے اور ایک ہاتھ بھی کلائی سے کٹ گیا۔ مسیلمہ کے قریب پہنچکر اپنی برچھی سے اس پر حملہ کیا چاہتی تھیں کہ اتنے میں دو ہتھیار اس پر ایک ساتھ پڑے اور وہ کٹ کر گھوڑے سے نیچے جا پڑا۔ اُمِ عمارہؓ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اپنے پہلو میں اپنے فرزند عبداللہؓ کو کھڑے پایا اور قریب ہی وحشیؓ (قاتلِ حمزہؓ) کھڑے تھے۔ وحشیؓ نے اپنا حربہ مسیلمہ پر پھینکا تھا اور عبداللہؓ نے اسی وقت اس پر تلوار کا وار کیا تھا۔ اُمِ عمارہؓ اپنے فرزند (حبیبؓ) کے قاتل اور مسلمانوں کے اس بدترین دشمن کی موت پر سجدۂ شکر بجا لائیں ـــــ

امیرِ لشکر حضرت خالدؓ بن ولید، حضرت اُمِ عمارہؓ کی فضیلت اور مرتبے سے آگاہ تھے۔ انہوں نے بڑی تندہی سے ان کا علاج کرایا۔ کچھ عرصہ بعد ان کے زخم مندمل ہوگئے لیکن ایک ہاتھ ہمیشہ کے لیے راہِ خدا میں داغِ جدائی دے گیا۔ جب کبھی اس واقعہ کا ذکر ہوتا تو حضرت اُمِ عمارہؓ حضرت خالدؓ بن ولید کی بہت تعریف کرتیں اور فرماتیں "خالد نے بڑی غمخواری سے میرا علاج کرایا وہ بڑے ہمدرد اور نیک سرشت ہیں۔"

(۷)

حضرت اُمِ عمارہؓ کے سالِ رحلت کے بارے میں تمام تاریخیں خاموش ہیں البتہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں موجود تھیں اور

انہیں کے دورِ خلافت میں انہوں نے وفات پائی۔

حضرت اُمِّ عمارہؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ کی عقیدت اور محبت تھی اور وہ ہر وقت حضورؐ پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے آمادہ رہتی تھیں۔ رحمتِ عالمؐ بھی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور کبھی کبھار ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ مسند احمدؒ اور "اصابہ" میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ حضرت اُمِّ عمارہؓ کے ہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے حضورؐ کے سامنے کھانا پیش کیا۔ آپؐ نے فرمایا، "تم بھی کھاؤ۔" عرض کیا، "یا رسول اللہ میں روزہ سے ہوں۔" ارشاد ہوا: "روزہ دار کے سامنے کچھ کھایا جائے تو فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔" پھر آپؐ نے حضرت اُمِّ عمارہؓ کے سامنے کھانا کھایا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی کبھی کبھی حضرت اُمِّ عمارہؓ کے گھر ان کی خبر گیری کے لیے جایا کرتے تھے۔

حضرت اُمِّ عمارہؓ نے چند احادیث بھی روایت کی ہیں جو اُمِّ سعدؓ، حارث بن عبداللہؓ، عبادؒ بن تمیم بن زید، لیلیٰؒ (کنیز) اور عکرمہؒ سے مروی ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِّ عطیّہ رضؓ بنتِ حارث

(۱)

خلافتِ راشدہ کے عہدِ باسعادت کا ذکر ہے کہ مدینہ منوّرہ کی ایک انصاریہ خاتون کے صاحبزادے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اتفاق سے وہ میدانِ جنگ میں سخت علیل ہو گئے۔ جوں توں کر کے بصرہ پہنچے کہ وہاں علاج معالجہ کرا سکیں۔ ان کی والدہ کو بیٹے کی شدید علالت کی خبر ملی تو انھوں نے بیتاب ہو کر مدینہ منوّرہ سے بصرہ کا عزم کیا لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا کہ وہ بیٹے کا منہ دیکھ سکیں۔ ابھی راستے ہی میں تھیں کہ ان کے لختِ جگر نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ بصرہ پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ ان کے فرزند ایک دو دن پہلے خالقِ حقیقی کے حضور پہنچ چکے ہیں، تو شدّتِ الم سے نڈھال ہو گئیں۔ لیکن "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن" پڑھ کر خاموش ہو گئیں۔ نہ واویلا کیا اور نہ بین۔ تیسرے دن خوشبو منگا کر ملی اور فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ شوہر کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کیا جائے۔"

ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اطاعت گزار خاتون، جنھوں نے اپنے محبوب فرزند کی موت پر بھی حضورؐ کے ارشاد کو پیشِ نظر رکھا، حضرت اُمِّ عطیّہ انصاریہ رضؓ تھیں۔

(۲)

حضرت اُمِّ عطیّہ رضؓ کا شمار بڑی جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا نام "نسیبہ" تھا اور باپ کا نام حارث تھا جو علامہ ابنِ سعد کی روایت کے مطابق

انصار کے قبیلہ ابی مالک بن النجار سے تعلق رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے صرف ان کے والد کا نام دیا ہے اور حسب ونسب سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔ حضرت اُمِ عطیہؓ ان خوش نصیب ہستیوں میں تھیں جو ہجرتِ نبوی سے پہلے ہی نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوگئی تھیں۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے ۱۲ بعثت میں بیعتِ عقبۂ اولیٰ کے بعد قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی، اس طرح وہ انصار کے "السابقون الاولون" میں شامل ہوگئیں۔

جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد اپنے قدوم میمنت لزوم سے مدینہ منورہ کو مشرف فرمایا تو اہلِ مدینہ جوق در جوق سعادت اندوزِ اسلام ہو کر حضورؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنے لگے۔ متعدد انصاری خواتین جو ہجرتِ نبوی سے پہلے یا اس کے معاً بعد دامنِ اسلام سے وابستہ ہوئیں، چاہتی تھیں کہ مردوں کی طرح وہ بھی حضورؐ کی بیعت کا شرف حاصل کریں۔ چونکہ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر عورتوں کے ہاتھ سے اپنا دستِ مبارک مَس نہیں فرماتے تھے، آپؐ نے بیعت کی خواہش مند عورتوں کو ایک مکان میں جمع ہونے کی ہدایت فرمائی۔ ان خواتین میں حضرت اُمِ عطیہؓ بھی شامل تھیں۔ جب تمام خواتین اس مکان میں جمع ہو گئیں تو حضورؐ نے حضرت عمر فاروقؓ کو ان کی طرف بھیجا کہ ان شرائط پر بیعت لیں:

۱۔ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں گی۔ (یعنی شرک نہیں کریں گی۔)

۲۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی۔ (زمانۂ جاہلیت میں بہت سے عرب اپنی لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ زمین میں دفن کر دیا کرتے تھے۔ یہ شرط اسی ظالمانہ رواج کو ختم کرنے کے لیے عائد کی گئی تھی)

۳۔ چوری نہ کریں گی۔

۴۔ زنا سے بچیں گی۔

۵۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گی۔

۶۔ اچھی باتوں سے انکار نہ کریں گی۔

حضرت عمر فاروقؓ اس مکان پر تشریف لائے جہاں انصار کی خواتین جمع تھیں اور دروازے پر کھڑے ہو کر بیعت کی شرائط بیان کیں۔ تمام خواتین نے بلا حیل و حجّت ان شرائط کو تسلیم کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ اندر کی طرف بڑھایا اور تمام خواتین نے بیعت کی علامت کے طور پر اپنے ہاتھ باہر نکالے۔ اور یوں وہ حضرت عمر فاروقؓ کی وساطت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہو گئیں

بیعت کے بعد حضرت اُمّ عطیہؓ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "اچھی باتوں سے انکار نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "نوحہ اور بین نہ کرنا!"

مسند امام احمد بن حنبلؒ میں روایت ہے کہ بیعت کے وقت حضرت اُمّ عطیہؓ نے حضورؐ سے عرض کی کہ فلاں خاندان کے لوگ میرے ہاں (کسی مرگ کے موقع پر) آکر نوحہ کر چکے ہیں۔ قبائلی رواج کے مطابق مجھ کو بھی اس کے بدلہ میں ان کے ہاں جا کر نوحہ کرنا ضروری ہے۔ اس کے لیے آپؐ مجھے بطورِ خاص اجازت مرحمت فرما دیں۔ آپؐ نے اجازت دے دی۔

مولانا سعید انصاری مرحوم نے اپنی تالیف "سیر الصحابیاتؓ" میں اس روایت پر یہ تبصرہ کیا ہے:

> "بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت اُمّ عطیہؓ کو کوئی جواب نہیں دیا۔ اور جن روایات سے یہ ثابت ہے کہ حضورؐ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا، ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ استثنا حضرت اُمّ عطیہؓ کے لیے خاص تھا ورنہ اصلی مسئلہ کہ نوحہ جائز نہیں، اپنی جگہ پر ثابت ہے۔"

لیکن صحیح بخاری کی روایت میں خود حضرت اُمّ عطیہؓ نے واقعۂ بیعت دوسری صورت میں بیان کیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ہم نے جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیعت کی تو آپؐ نے حکمِ الٰہی کے مطابق ایک تو شرک نہ کرنے کا اقرار لیا۔ دوم نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ اس کو سن کر ایک عورت نے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور

کہا، ایک عورت نے میرے ساتھ نوحہ کیا تھا، میں اس کا بدلہ اتاروں اور یہ کہہ کر چلی گئی۔ پھر آکر آپ کی بیعت کی۔

فی الحقیقت صحاح ستہ کی مستند احادیث سے یہ بات قطعی طور ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نوحہ، بین اور سینہ کوبی وغیرہ کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے یہی بات تسلیم کرنی پڑے گی کہ جس خاتون نے نوحہ خوانی کا بدلہ اتارا انہوں نے یہ کام حضورؐ کی بیعت کرنے سے پہلے کیا ہوگا۔

(۳)

سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت اُمِ عطیہؓ پر بہت شفقت اور اعتماد فرماتے تھے، وہ ان چند خواتین میں سے تھیں، جنہیں حضورؐ غزوات میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اہلِ سیَر نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ وہ سات غزوات میں شریک ہوئیں اور قابلِ قدر خدمات انجام دیں ــ وہ مجاہدین کے لیے کھانا پکاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اگر لشکرِ اسلام میں کوئی بیمار ہو جاتا تو نہایت تندہی سے اس کی تیمارداری کرتی تھیں۔

صحیح مسلم میں خود حضرت اُمِ عطیہؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سات غزووں میں شریک ہوئی، میں مجاہدین کے کجاووں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہتی، مجاہدین کے لیے کھانا پکاتی، زخمیوں کا علاج کرتی اور مصیبت زدوں کی نگہداشت کرتی تھی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُمِ عطیہؓ طب میں بھی درک رکھتی تھیں یا کم از کم زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کے کام میں مہارت رکھتی تھیں۔ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازراہِ شفقت حضرت اُمِ عطیہؓ کو صدقہ کی ایک بکری بھیجی۔ انہوں نے اسے ذبح کر کے تقسیم کیا تو گوشت کا کچھ حصہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بھی بھیجا۔ حضورؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ سے کھانا مانگا۔ انہوں

نے عرض کی، "یا رسول اللہ اور تو کوئی چیز گھر میں موجود نہیں، البتہ آپ نے جو بکری نسیبہ (اُمِّ عطیہؓ) کو بھیجی تھی اس کا گوشت گھر میں رکھا ہے۔" آپؐ نے فرمایا، "لاؤ کیونکہ بکری حقدار کے پاس پہنچ چکی!"

۸ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو حضرت اُمِّ عطیہؓ نے چند دوسری خواتین کے ساتھ مل کر انھیں آخری غسل دیا۔ حضورؐ نے خود اوٹ میں کھڑے ہو کر ان کو نہلانے کی ترکیب تبلائی۔

صحیحین میں حضرت اُمِّ عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جبکہ ہم آپؐ کی بیٹی (زینبؓ) کو غسل دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا، "اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو، تین بار یا اس سے زیادہ، اگر تم اس کی ضرورت سمجھو۔ اور آخری دفعہ میں کافور بھی پانی میں ڈالو۔ اور جب تم غسل دینے سے فارغ ہو جاؤ تو مجھ کو اطلاع دو۔" پس جب ہم غسل دے کر فارغ ہو گئے اور آپؐ کو خبر کی تو آپؐ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینک دیا اور فرمایا کہ "اس تہبند کو میت کے بدن سے لگا دو" یعنی اس کے جسم پر لپیٹ دو کہ بدن سے لگا رہے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "غسل دو اس کو طاق (یعنی تین بار، پانچ بار، یا سات بار، اور شروع کر دغسل کو دائیں جانب سے اور وضو کے اعضاء سے۔" اُمِّ عطیہؓ کہتی ہیں کہ ہم نے میت کے بالوں کی تین چوٹیاں گوندھیں اور ان کو کمر کی جانب ڈال دیا۔

غسلِ میت کے بارے میں حضرت اُمِّ عطیہؓ سے مروی یہ حدیث بہت معتبر مانی جاتی ہے۔ بڑے بڑے صحابہؓ و تابعینؒ ان سے غسلِ میت کی ترکیب و مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔

حضرت اُمِّ عطیہؓ، سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام کی پوری تعمیل

کرتی تھیں اور کوئی کام حضورؐ کی اجازت کے بغیر نہ کرتی تھیں۔ اسی متابعتِ رسولؐ کی وجہ سے صحابیات میں ان کا بڑا درجہ مانا گیا ہے۔ سرورِ عالمؐ کے ساتھ ان کی محبت اور عقیدت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ آپؐ کے اعزہ و اقارب سے بھی محبت رکھتی تھیں۔ علامہ ابنِ سعدؒ نے طبقات الکبیر میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کبھی کبھی ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور (کھانے کے بعد) آرام (قیلولہ) کیا کرتے تھے۔

حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کی زیادہ تفصیلات کتبِ سِیَر میں نہیں ملتیں اور نہ ان کا سالِ وفات کسی نے بیان کیا ہے۔ البتہ اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ عہدِ خلافتِ راشدہ میں زندہ تھیں۔ ان کے فرزند کی وفات کا واقعہ خلافتِ راشدہ کے زمانے ہی میں کسی وقت پیش آیا۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے بصرہ میں مستقل اقامت اختیار کرلی اور وہیں کسی وقت وفات پائی۔ ان کے ایک فرزند کے سوا کسی دوسری اولاد کا بھی کتابوں میں ذکر نہیں ہے اور نہ کسی نے ان کے شوہر کا تذکرہ کیا ہے۔

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت اُمِّ عطیہؓ بڑے اونچے درجے پر فائز ہیں محدثین نے روایتِ حدیث کے لحاظ سے انہیں صحابہؓ (صحابیاتؓ) کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے۔ ان سے اکتالیس احادیث مروی ہیں۔ راویوں میں حضرت انسؓ بن مالک، ابنِ سیرینؒ، اُمِّ شراحیلؒ، حفصہ بنتِ سیرینؒ وغیرہ شامل ہیں۔

بعض مسائل میں ان کی مرویات بڑی معتبر اور مستند مانی جاتی ہیں۔ غسلِ میّت کی روایت کا ذکر اوپر آچکا ہے، میّت پر سوگ، عورتوں کے جنازے پر جانے اور عیدین کی نمازوں میں شامل ہونے کے بارے میں بھی ان کی روایات خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں وہ کہتی ہیں:

"ہم کو ممانعت کی گئی ہے کہ کسی میّت پر تین دن سے زیادہ سوگ کریں، ہاں خاوند کی موت پر (بیوی کو) چار ماہ دس دن سوگ کرنے کا حکم ہے۔ اس دوران

میں (بیوہ عورت) نہ سرمہ لگائے نہ خوشبو ملے نہ عصب (ایک قسم کی یمنی چادر) کے سوا رنگا ہوا کپڑا پہنے۔"

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں روایت کرتی ہیں کہ ہم کو جنازوں کے ساتھ جانے کی ممانعت کر دی گئی تھی لیکن زور دے کر منع نہیں کیا گیا تھا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ عورتیں کم صبر کرنے والی اور زیادہ جزع فزع کرنے والی ہوتی ہیں، اس لیے انھیں جنازوں کے ساتھ قبرستان میں جانے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر کوئی صابرہ اور تقویٰ شعار ہو تو وہ جا سکتی ہے۔

عیدین کے بارے میں صحیح بخاری میں حضرت اُمِّ عطیہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا تھا کہ ہم عیدین (یعنی دونوں عیدوں) پر جوان عورتوں اور پردہ والیوں کو بھی نکالا کریں اور حائضہ عورتوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ عیدگاہ سے علیحدہ رہیں یعنی اس کے کنارے پر بیٹھی رہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ہمیں عید کے دن عیدگاہ کی طرف جانے کا حکم دیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کنواری لڑکیوں کو بھی وہاں بھیجا جاتا تھا — حائضہ عورتوں کو (عیدگاہ سے الگ رہنے کے باوجود) حکم تھا کہ وہ تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں۔ اور دعا کے ساتھ دعا کریں اور اس دن کے یمن و برکت میں شریک ہوں۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ (اگر پردہ کا معقول انتظام ہو) تو عورتیں بھی جمعہ اور عیدین کی نمازوں میں شریک ہو سکتی ہیں۔ بلکہ ان کا شریک ہونا سُنّت ہے۔

حافظ ابنِ عبدالبر اندلسیؒ نے "الاستیعاب" میں حضرت اُمِّ عطیہؓ کے بارے یہ رائے ظاہر کی ہے:

"كانت من كبار نساء الصحابة رضوان الله عليهم اجمعين!"

"صحابیاتؓ" میں ان کا بڑا مرتبہ تھا!"

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اسماء انصاریہؓ

(۱)

مکہ سے ہجرت کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منوّرہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو اہلِ مدینہ (اوس اور خزرج) میں سے جو لوگ عقبہ کی بیعت سے محروم رہ گئے تھے جوق در جوق آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر زیارت اور بیعت کی سعادت حاصل کرنے لگے۔ اسی زمانے میں ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ جاں نثاروں کے درمیان رونق افروز تھے کہ خواتین کی ایک جماعت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ان میں سے ایک خاتون آگے بڑھ کر یوں عرض پیرا ہوئی:

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں میں مسلمان عورتوں کی طرف سے ایک پیغام لے کر آئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مرد و زن سب کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے۔ ہم آپؐ پر ایمان لائے ہیں لیکن عورتوں اور مَردوں کی حالت میں بڑا فرق ہے۔ عورتیں گھروں کے اندر رہتی ہیں اس لیے مَردوں کی طرح نمازِ باجماعت، نمازِ جمعہ اور نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہو سکتیں اور نہ حج اور جہاد میں عمومیت سے حصہ لے سکتی ہیں۔ البتہ جب مرد باہر ہوتے ہیں تو وہ ان کی اولاد کی پرورش کرتی ہیں، ان کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے اہل و عیال کی پوشاک کے لیے چرخہ کاتتی ہیں اور کپڑا بنتی ہیں۔ کیا عورتوں کو بھی مردوں کے کارہائے خیر کا اجر و ثواب ملے گا۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس خاتون کی فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان سے بہت متأثر ہوئے اور صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"کیا تم نے دین کے بارے میں کسی عورت سے ایسی گفتگو سُنی ہے ؟"

سب صحابہ نے بیک زبان عرض کیا "یا رسول اللہ ہمارے خیال میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ کوئی عورت ایسی گفتگو کر سکتی ہے ۔"

اس پر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"عورت کے لیے شوہر کی رضا جوئی بہت ضروری ہے ۔ اگر ایک عورت فرائضِ زوجیت ادا کرتی ہے اور شوہر کی موافقت اور فرمانبرداری کرتی ہے تو اس کو بھی مرد کے برابر اجر ملے گا ۔"

حضورؐ کا ارشادِ گرامی سُن کر وہ خاتون اور ان کی ساتھی خواتین اس قدر خوش ہوئیں کہ ان کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے ۔

یہ خاتون جن کی فصیح البیانی اور حُسنِ تقریر کا سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتراف و استحسان فرمایا، حضرت اسماءؓ بنت یزید انصاریہ تھیں ۔

(۲)

حضرت اسماءؓ بنت یزید کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے ۔ ان کا تعلق اوس کے خاندان بنو عبد الاشہل سے تھا ۔ جو اوس کا شریف ترین گھرانا تھا اور سارے قبیلے کی سیادتِ عمومی اس میں وراثتاً چلی آتی تھی ——— سیّد الاوس صدیقِ انصار حضرت سعدؓ بن معاذ بھی اسی خاندان سے تھے ۔ حضرت اسماءؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :

اسماء بنت یزید بن السکن بن رافع بن امراء القیسؒ بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس

ان کا نسب امراء القیس پر حضرت سعدؓ بن معاذ سے اور رافع پر جلیل القدر صحابی حضرت اُسیدؓ بن حضیر الکتائب اشہلی سے مل جاتا ہے ۔ حضرت سعدؓ رشتہ میں ان کے چچا ہوتے تھے اور حضرت اُسیدؓ بھتیجے ۔

عام روایتوں میں ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت یزید نے ہجرتِ نبوی کے بعد اسلام

قبول کیا۔ لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے قبل مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں کیونکہ تمام اہل سیر اس بات پر متفق ہیں کہ بیعت عقبہ کبیرہ سے پہلے حضرت مصعبؓ بن عمیر کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ اور بنو عبد الاشہل کے دوسرے سردار حضرت اسیدؓ بن حضیر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے اور ان دونوں کے اثر و رسوخ کی بدولت سوائے ایک آدھ آدمی کے سارا قبیلۂ عبد الاشہل ایک دن میں مسلمان ہو گیا تھا۔ قیاس غالب یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت یزید بھی اسی وقت سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔ اوپر جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ ہجرتِ نبویؐ کے چند دن بعد پیش آیا۔ حضرت اسماءؓ کی تقریر سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے ہی دولتِ ایمان سے بہرہ یاب ہو چکی تھیں۔ ایک روایت میں حضرت اسماءؓ کے والد یزید بن سکن کو صحابی بتایا گیا ہے لیکن عام طور پر کتب سیر ان کے بارے میں خاموش ہیں، اس لیے ان کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ یزید کے حقیقی بھائی (حضرت اسماءؓ کے چچا) حضرت زیاد بن سکن اور ان (یزید) کے بھتیجے حضرت عمارہؓ بن زیادؓ نہایت مخلص اور قدیم الاسلام صحابی تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماءؓ کی بہن ام بجید حواؓ بنت یزید بن سکن بھی ان کے ساتھ مشرف بہ ایمان ہو گئی تھیں۔ وہ ان چند صحابیات میں سے ہیں جو بیعتِ رضوان میں شریک ہوئیں۔

(۳)

مسند احمد حنبلؒ میں ہے کہ حضرت اسماءؓ کے ساتھ ان کی خالہ بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں۔ انہوں نے ہاتھوں میں سونے کے کنگن اور انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔ حضورؐ کی نظر ان پر پڑی تو پوچھا، "ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟" بولیں،

ایک دوسری روایت میں ہے کہ خود حضرت اسماءؓ نے یہ زیور پہن رکھے تھے اور حضورؐ کا ارشاد سن کر انہوں نے فوراً تمام زیور اتار دیئے تھے۔

"نہیں"۔ حضورؐ نے فرمایا: "کیا تم کو پسند ہے کہ آخرت کے دن خدا ان کے بدلے تمہیں آگ کے کنگن پہنائے۔"

حضرت اسماءؓ نے اپنی خالہ سے کہا۔ "خالہ ان کو اتار دو۔"

انہوں نے سارے زیور اتار کر پھینک دیئے۔

پھر حضرت اسماءؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ اگر ہم زیور نہ پہنیں تو شوہر کی نظروں سے گر جائیں گی۔"

حضورؐ نے فرمایا: "تو پھر چاندی کے زیورات بنواؤ اور ان پر زعفران مل دو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے۔"

اس کے بعد حضرت اسماءؓ نے دوسری خواتین کے ہمراہ سرورِ عالمؐ کی بیعت کرنی چاہی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اپنا دستِ مبارک بڑھایئے۔

حضورؐ نے فرمایا، میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا البتہ تم ان باتوں کا اقرار کرو تو بیعت ہو جائے گی۔

۱۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔

۲۔ چوری نہ کرو گی۔

۳۔ کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ گی۔

۴۔ زنا سے بچو گی۔

۵۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ گی

۶۔ اچھی باتوں سے انکار نہ کرو گی۔

حضرت اسماءؓ اور ان کی ساتھی خواتین نے صدقِ دل سے ان باتوں کا اقرار کیا اور اپنے گھر تشریف لے گئیں۔

(۴)

شوال ۱ ہجری میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی رخصتی ہوئی تو حضرت اسماءؓ نے چند دوسری خواتین کے ہمراہ انہیں سنوارا اور پھر حجلے میں بٹھا کر رسولِ اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ حضورؐ تشریف لائے۔ کسی نے دودھ پیش کیا۔ حضورؐ نے تھوڑا سا نوش فرما کر باقی حضرت عائشہؓ کو دے دیا۔ انہوں نے شرم کے مارے سر جھکا لیا۔ حضرت اسماءؓ نے پیار سے ڈانٹا کہ رسول اللہؐ جو دیتے ہیں لے لو۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے بھی کچھ دودھ پی لیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ انصار کی عورتیں (جن میں حضرت اسماءؓ بھی تھیں) دلہن کو لینے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر آئیں۔ حضرت اُمِّ رومانؓ نے حضرت عائشہؓ کا منہ دُھلا کر بال سنوار دیئے۔ پھر ان کو اس کمرے میں لے گئیں جہاں انصار کی عورتیں دلہن کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔ حضرت عائشہؓ اندر داخل ہوئیں تو انصاری خواتین نے یہ کہہ کر استقبال کیا:

علی الخیر والبرکۃ وعلیٰ خیر طائر یعنی تمہارا آنا بخیر و بابرکت اور فالِ نیک ہو۔

خود حضرت اسماءؓ بنت یزید سے روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ کی رخصتی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں بھی وہاں موجود تھی حضورؐ نے پیالہ سے تھوڑا سا دودھ پی کر حضرت عائشہؓ کی طرف بڑھایا، وہ شرمانے لگیں، میں نے کہا، "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو چیز عطا فرما رہے ہیں اسے واپس نہ کرو۔"

انہوں نے شرماتے شرماتے دودھ لے لیا اور ایک گھونٹ پی کر رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنی سہیلیوں کو دو۔ ہم نے عرض کی، یا رسول اللہؐ اس وقت ہم کو بھوک نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا، جھوٹ نہ بولو، آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔ (مسند احمد حنبلؒ)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت یزید اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی سہیلی تھیں۔

(۵)

حضرت اسماءؓ اور ان کے تمام اعزّہ واقارب اللہ اور اللہ کے رسولؐ سے والہانہ محبت کرتے تھے اور دینِ حق کی خاطر وہ اپنی جان اور مال ہر شے قربان کرنے کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے ــــــ ۲ھ ہجری میں غزدۂ بدر پیش آیا تو سارے بنو عبدالاشہل اس میں جانبازانہ شریک ہوئے ان میں حضرت اسماءؓ کے کئی قریبی عزیز بھی تھے۔ غزدۂ اُحد میں بھی یہی کیفیت تھی۔ اس لڑائی میں حضرت اسماءؓ کے چچا، حضرت زیادؓ بن سکن اور ابنِ عم حضرت عمارہؓ بن زیادؓ نے اس شان سے اپنی جانیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کیں کہ دوسرے صحابہ کرام ان پر رشک کیا کرتے تھے میدانِ اُحد میں مشرکین نے شمعِ رسالت کو بجھانے کا پختہ ارادہ کر رکھا تھا۔ یہ ناپاک مقصد پورا کرنے کے لیے وہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بار بار نرغہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ سخت نازک صورتِ حال پیدا ہو گئی تو حضورؐ نے فرمایا، کون ہے جو ان دشمنوں کو دفع کرے اور راہِ حق میں اپنی جان فروخت کرے، معاً پانچ انصاری جانباز آگے بڑھے اور مردانہ وار لڑ کر اپنی جانیں رحمتِ عالم پر قربان کردیں۔ ان جانبازوں میں ایک حضرت زیادؓ بن سکن تھے۔ زیادؓ کے فرزند عمارہؓ بھی نہایت ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے، ان کے جسم پر تیرہ زخم لگ چکے تھے۔ لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیتے تھے۔ آخر چودھویں زخم کے ساتھ طاقت جواب دے گئی اور گر پڑے۔ لوگوں نے سمجھا شہید ہو گئے ہیں۔ حضورؐ کو اطلاع دی گئی تو آپؐ نے فرمایا۔ عمارہ کی لاش کو میرے پاس لاؤ۔

لوگ فوراً اُن کی طرف دوڑے، دیکھا کہ ابھی سانس چل رہی تھی، اٹھا کر حضورؐ کے روبرو رکھ دیا۔ بولنے کی سکت نہ تھی لیکن ان کی بے نور ہوتی ہوئی آنکھیں زبانِ حال سے کہہ رہی تھیں: "یارسول اللہ یہ تو صرف ایک جان تھی اگر ہزار جانیں بھی ہوتیں تو آپ پر نثار کر دیتا ؎

گر نثار قدم یار گرامی نہ کنم گوہر جاں بچہ کارے دگرم

چنانچہ انہوں نے اپنے رخسار سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوؤں سے لگا دیئے اور اسی حالت میں پیکِ اجل کو لبیک کہا، ان کی شہادت اس شعر کا مصداق تھی۔

منم وہمیں تمنا کہ بوقتِ جاں سپردن | برخِ تو دیدہ باشم تو درونِ دیدہ باشی

(نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے | یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے)

یہی خاندان تھا جس میں حضرت اسماءؓ پلی بڑھیں اور سنِ کہولت کو پہنچیں۔

(۶)

حضرت اسماءؓ کو سرورِ عالم سے انتہا درجہ کی عقیدت اور محبت تھی۔ اکثر دربارِ رسالت میں حاضر ہوتی تھیں اور اکتسابِ فیض کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے حضورؐ نے دجال کا ذکر فرمایا، بڑی متاثر ہوئیں اور رونے لگیں۔ حضورؐ اٹھ کر باہر تشریف لے گئے، کچھ دیر بعد دوبارہ تشریف لائے تو حضرت اسماءؓ کی شدتِ گریہ سے بدستور ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: "اسماءؓ اتنا کیوں روتی ہو" عرض کیا، یارسول اللہ ہم سے تو اتنی بھوک بھی برداشت نہیں ہوتی کہ لونڈی اطمینان سے آٹا گوندھ کر روٹی پکالے، دجال کے عہد میں جو قحط پڑے گا ہم ایمان پر کیسے ثابت قدم رہیں گے۔

حضورؐ نے فرمایا، اس وقت اللہ کے ذکر کی کثرت بھوک سے بچائے گی۔

پھر انہیں دلاسا دیا کہ گریہ وزاری کی ضرورت نہیں ہے اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو مسلمانوں کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہو جاؤں گا، اگر دجال کا ظہور میرے بعد ہوا تو ہر مسلمان کی حفاظت اللہ تعالیٰ خود کرے گا۔

ایک مرتبہ حضرت اسماءؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار تھامے کھڑی تھیں کہ حضورؐ پر وحی نازل ہوئی۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اونٹنی اس وقت بوجھ تلے دبی جاتی تھی، میں ڈرنے لگی کہ کہیں اس کی ٹانگیں نہ ٹوٹ جائیں۔

ایک دفعہ کچھ دوسری خواتین کے ہمراہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر تھیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: "شاید ایسا ہوتا ہو کہ مرد یا عورت باہمی تعلقات کی باتوں کو دوسرے آدمیوں تک پہنچاتے ہوں؟" اور عورتیں تو خاموش رہیں، حضرت اسماءؓ نے عرض کیا:

"جی ہاں، یا رسول اللہ، بعض مرد اور عورتیں ایسا کرتی ہیں۔" آپؐ نے فرمایا: "ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ اس قسم کے آدمی کی مثال شیطان کی سی ہے جو کسی شیطان عورت سے سب کے سامنے اختلاط میں مشغول ہو۔"

حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں یرموک کی ہولناک لڑائی پیش آئی تو شوقِ جہاد نے حضرت اسماءؓ کو گھر نہ بیٹھنے دیا۔ وہ اپنے اہلِ خاندان کے ہمراہ اس لڑائی میں شریک ہوئیں اور بڑی ثابت قدمی سے دادِ شجاعت دی۔ ایک موقع پر عیسائی مسلمانوں کو دباتے دباتے عورتوں کے خیموں تک آ پہنچے، حضرت اسماءؓ اور دوسری دخترانِ اسلام خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر دشمنوں پر پل پڑیں اور ان کو پیچھے دھکیل دیا۔ اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ اس لڑائی میں حضرت اسماءؓ نے تنہا اپنی لکڑی سے نو رومیوں کو جہنم واصل کیا۔

حضرت اسماءؓ کو مہمانوں کی خدمت کرنے میں بڑی راحت ملتی تھی، ایک مرتبہ مشہور تابعی شہر بن حوشبؒ ان کے گھر آئے، ان کے سامنے بڑی شفقت سے کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کھانے سے عذر کیا۔ حضرت اسماءؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ سنا کر فرمایا: "اب تو تمہیں کوئی عذر نہیں۔" انہوں نے کہا: "اماں اب ایسی غلطی نہ کروں گا۔"

حضرت اسماءؓ نے جنگِ یرموک (۱۵ھ) کے کئی سال بعد وفات پائی۔ ان سے چند حدیثیں بھی مروی ہیں۔ اولاد وغیرہ کی تفصیل کتابوں میں نہیں ملتی۔ حافظ ابنِ عبد البرؒ نے الاستیعاب میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

کان من ذوات العقل والدین

وہ عقل اور دین دونوں سے بہرہ ور تھیں

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِّ حَرامؓ بنتِ ملحان

(۱)

حجۃ الوداع (۱۰ھ) کے چند دن بعد کا ذکر ہے کہ ایک روز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ سے قُباء تشریف لے گئے اور اپنی ایک قرابت دار خاتون کے ہاں قیام فرمایا جو آپؐ کی دل و جان سے عقیدت مند تھیں۔ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں کھانا پیش کیا۔ آپؐ کھانا کھا کر لیٹ گئے تو وہ خاتون آپؐ کے سرِ اقدس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں کہ کوئی جُوں ہو تو اُسے نکال دیں۔ جلد ہی حضورؐ کو نیند آگئی لیکن تھوڑی دیر بعد آپؐ بیدار ہو گئے۔ اس وقت آپؐ کے لب ہائے مبارک پر تبسم تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

"میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری اُمت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے آمادہ سفر ہیں۔"

وہ خاتون عرض پیرا ہوئیں:

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، دُعا فرمایئے کہ مجھے بھی ان لوگوں میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور پھر سو گئے، تھوڑی دیر بعد پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور وہی خواب بیان فرمایا۔ میزبان خاتون نے اب کی بار بھی سابقہ دُعا کے لیے عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم بھی اسی جماعت کے ساتھ ہو۔"

سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر خاتون کو اس قدر مسرت ہوئی کہ ان کی زبان پر

بے اختیار تکبیر و تہلیل جاری ہو گئی ۔ یہ خاتون جن کو فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور جنہیں لسانِ رسالتؐ نے مجاہدینِ فی سبیل اللہ میں شامل ہونے کی بشارت دی حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا بنتِ ملحان انصاریہ تھیں ۔

(۲)

حضرت اُمِّ حرامؓ بنت ملحان کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیاتؓ میں ہوتا ہے ان کا تعلق خزرج کے خاندان بنو نجار سے تھا ۔ نسب یہ ہے :

اُمِّ حرامؓ بنتِ ملحان بن خالد بن زید بن حرام بن جند بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار ۔

اربابِ سیر نے حضرت اُمِّ حرامؓ کے نام کی تصریح نہیں کی ۔ اس لیے وہ اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں ۔

حضرت اُمِّ حرامؓ کی والدہ کا نام ملیکہ بنتِ مالک تھا ۔ وہ بھی بنو نجار سے تھیں ۔ آبائی سلسلہ سے حضرت اُمِّ حرامؓ سلمٰی بنت زید (یا بروایت دیگر سلمٰی بنت عمرو بن زید) نجاری کی پوتی تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبد المطلب کی والدہ تھیں ۔ اس نسبت سے حضرت اُمِّ حرامؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ کہا جاتا تھا ۔ خادمِ رسولؐ حضرت انسؓ بن مالک کی والدہ حضرت اُمِّ سُلیمؓ ان کی حقیقی بہن تھیں اور شہیدِ بئرِ معونہ حضرت حرامؓ بن ملحان حقیقی بھائی ۔

بنو نجار کو دعوتِ حق قبول کرنے میں سبقت کی بنا پر انصار میں خاص امتیاز حاصل تھا حضرت اُمِّ حرامؓ بھی اپنی بہن اور بھائی کے ساتھ مدینہ منورہ میں اوائلِ اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئیں ۔ ان کی پہلی شادی عمروؓ بن قیس (بن زید بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار) سے ہوئی تھی ۔ وہ بھی اوائل اسلام میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہوئے اور ساتھ ہی ان کے نوجوان فرزند قیسؓ بن عمرو بھی اس نعمتِ عظمٰی سے بہرہ یاب ہوئے ۔ گویا اسلام کے نور نے سارے گھرانے کو منور کر دیا اور اس کی سب خواتین و مرد شمعِ رسالتؐ کے پروانے بن گئے ۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو (علامہ واقدی، ابو معشر محمد بن عمر اور عبداللہ بن محمد بن عمارہ انصاری کی روایت کے مطابق) حضرت اُمِّ حرامؓ کے شوہر حضرت عمروؓ بن قیس اور فرزند حضرت قیسؓ بن عمروؓ کو ان تین سو تیرہ سرفروشوں میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جنہوں نے حق و باطل کے معرکۂ اوّل غزوۂ بدر میں والہانہ شوق و ذوق سے خواجۂ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا حق ادا کیا۔

۳ھ میں غزوۂ اُحُد برپا ہوا تو پھر دونوں باپ بیٹے جانیں ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جہاد میں پہنچے اور مردانہ وار دادِ شجاعت دیتے ہوئے خلعتِ شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ شوہر اور محبوب فرزند کی جدائی حضرتِ اُمِّ حرام کے لیے صدمۂ جانکاہ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن انہوں نے اسے بڑے صبر و شکر سے برداشت کیا۔ اس واقعہ کے کچھ بعد ان کا نکاحِ ثانی جلیل القدر صحابی حضرت عبادہؓ بن صامت سے ہو گیا۔ علامہ ابن سعدؒ نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ پہلے حضرت عبادہؓ بن صامت کے نکاح میں تھیں اور بعد میں حضرت عمروؓ بن قیس کی زوجیت میں آئیں لیکن دوسری مستند روایات کی روشنی میں ان کا یہ قیاس غلط ہے۔

حضرت عبادہؓ بن صامت کا مکان مدینہ منورہ سے باہر (غربی پتھریلے علاقہ کے کنارے) قُبا سے متصل واقع تھا۔ حضرت اُمِّ حرامؓ نکاحِ ثانی کے بعد اسی مکان میں آ گئیں۔

۴ھ میں حضرت اُمِّ حرامؓ کو ایک اور صدمۂ عظیم سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے محبوب بھائی حرامؓ بن ملحان واقعہ بئر معونہ میں مظلومانہ شہید ہو گئے۔ حضرت اُمِّ حرامؓ فرطِ غم سے نڈھال ہو گئیں لیکن رضائے الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور خود بھی راہِ حق میں جان کی قربانی دینے کے لیے بے تاب رہنے لگیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت حرامؓ کی مظلومانہ شہادت کو بہت محسوس کیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ازواجِ مطہراتؓ کے علاوہ اور کسی خاتون کے گھر تشریف نہیں لے جاتے تھے، لیکن اُمِّ سُلیمؓ مستثنیٰ تھیں۔ لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا مجھے ان پر رحم آتا ہے، کہ ان

کے بھائی نے میرے ساتھ رہ کر شہادت پائی ہے۔

اس روایت میں صرف حضرت اُمِ سُلیم رض کا نام لیا گیا ہے لیکن سیرت کی دوسری کتابوں میں کچھ ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِ سُلیم رض کے علاوہ بعض دوسری صحابیات مثلاً حضرت اُمِ حرام رض، حضرت اُم الفضل رض، حضرت شفاء رض بنت عبداللہ، حضرت اسماء رض بنتِ عمیس اور حضرت اسماء رض بنتِ ابی بکر رض کے ہاں بھی کبھی کبھی تشریف لے جاتے تھے۔

علامہ ابنِ سعد، حافظ ابنِ حجر، علامہ ابنِ اثیر اور زرقانی نے خصوصیت سے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِ حرام کی بہت عزّت کرتے تھے۔ ان کو دیکھنے تشریف لے جاتے تھے اور ان کے گھر آرام فرماتے تھے۔ یہ بات اس لیے بھی صحیح معلوم ہوتی ہے کہ حضرت اُمِ حرام رض بھی حضرت حرام رض بن ملحان کی حقیقی بہن تھیں یعنی جو تعلق حضرت اُمِ سُلیم کا حضرت حرام رض سے تھا وہی حضرت اُمِ حرام رض کا تھا اور پھر ان کے پہلے شوہر اور نوجوان فرزند بھی راہِ حق میں شہید ہو چکے تھے۔ اس لیے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھی یقیناً رحم کا مستحق سمجھتے ہوں گے۔ مستند روایات کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بحر کا خواب اس وقت دیکھا جب آپ حضرت اُمِ حرام رض کے گھر میں استراحت فرما تھے۔

اس خواب کی تعبیر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں یوں پوری ہوئی کہ ۲۸ھ میں حاکمِ شام حضرت امیر معاویہ رض نے امیر المومنین رض کی اجازت سے جزیرۂ قبرص (CYPRUS) کی تسخیر کے لیے ایک بحری بیڑا روانہ کیا۔ اسلامی لشکر میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رض شامل تھے جن میں ایک حضرت عبادہ رض بن صامت تھے۔ حضرت اُمِ حرام رض کو راہِ خدا میں جہاد کرنے اور رتبۂ شہادت پر فائز ہونے کی بےحد تمنّا تھی۔ وہ بھی اپنے شوہر کے ہمراہ اس لشکر میں شامل ہو کر قبرص گئیں۔ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور قبرص پر پرچم اسلام بلند ہو گیا۔ جب مجاہدین اس مہم کی تکمیل کے بعد واپس ہونے لگے تو حضرت اُمِ حرام رض بھی سواری پر بیٹھنے لگیں، جانور منہ زور تھا اس

نے زمین پر گرا دیا۔ حضرت اُمِّ حرامؓ سخت زخمی ہوئیں اور اسی صدمہ سے وفات پائی۔ امام بخاریؒ اور ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ سرزمینِ قبرص ہی کو ان کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت اُمِّ حرام کی اولاد میں تین لڑکوں کے نام ملتے ہیں۔ حضرت عمروؓ بن قیس انصاری سے قیسؓ اور عبداللہؓ اور حضرت عبادہؓ بن صامت سے محمدؒ۔

قیسؓ کا شمار بدری صحابہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے غزوۂ اُحد میں شہادت پائی۔

حضرت اُمِّ حرامؓ سے چند احادیث بھی مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں حضرت انسؓ بن مالک اور عبادہؓ بن صامت جیسے اجلّ صحابہؓ اور عطاءؒ بن یسار اور یعلیٰؒ بن شدادؓ بن اوس جیسے اکابر تابعین شامل ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت خولہؓ بنتِ ثعلبہ

(۱)

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ ایک دن چند اصحاب کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بوڑھی خاتون ملیں انہوں نے امیر المومنین کو روکا اور باتیں شروع کر دیں۔ حضرت عمرؓ سر جھکا کر دیر تک ان کی باتیں سنتے رہے اور جب تک وہ خاموش نہ ہوئیں آپ کھڑے رہے۔ ساتھیوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا:

"امیر المومنین آپ نے اس بڑھیا کی باتیں سننے میں اتنا وقت گزار دیا اور اپنے ساتھیوں کو اتنی دیر روکے رکھا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "جانتے بھی ہو یہ عورت کون ہے؟ یہ عورت وہ ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر سن لی تھی۔ واللہ اگر یہ رات بھر ٹھہرتی تو بھی میں سوائے نماز کے اور کوئی کام نہ کرتا اور اس کی باتیں سنا کرتا۔"

یہ خاتون جن کی صدائے درد اللہ تعالیٰ نے عرش معلےٰ پر سنی تھی اور جن کا خلیفۂ عرب و عجم فاروقِ اعظمؓ اس قدر احترام کرتے تھے، حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ تھیں۔

(۲)

حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ (بن اصرم بن فہر بن قیس بن ثعلبہ بن غنم بن سالم بن عوف) کا تعلق انصار کے قبیلہ بنی عوف بن خزرج سے تھا۔ ان کا نکاح اپنے ابن عم حضرت اوسؓ بن صامت سے ہوا تھا جو حضرت عبادہؓ بن صامت کے بھائی تھے۔ ان دونوں بھائیوں کا شمار جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ حضرت خولہؓ بھی اپنے شوہر کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی سعادت حاصل

کی ۔ وہ ایک گھریلو خاتون تھیں اور گمنامی کی زندگی بسر کر رہی تھیں کہ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے انہیں لازوال شہرت عطا کر دی اور صحابہؓ کرام کے نزدیک ان کا مرتبہ بہت بلند ہو گیا۔

واقعہ یہ تھا کہ حضرت خولہؓ کے شوہر اوسؓ بن صامت ایک معمر آدمی تھے اور بڑھاپے کی وجہ سے ان کے مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تھا، ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے تھے اور بعض اوقات جوشِ غضب میں آپے سے باہر ہو جاتے تھے۔ ایک دن غصے میں آ کر اپنی اہلیہ (حضرت خولہؓ) سے کہہ دیا "اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ" (یعنی تو میرے اوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ) اس زمانے میں اس طرح کے الفاظ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ "تم مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہو۔" اس قسم کے فعل کا نام "ظہار" ہے۔ جب ان کا غصہ اترا تو سخت پریشان ہوئے کہ یہ کیا حرکت کر بیٹھا ہوں، اب گھر کو بچانے کی کیا صورت ہو، خولہؓ بھی دم بخود بیٹھی تھیں۔ جب حضرت اوسؓ نے ان کے سامنے ندامت کا اظہار کیا تو بولیں:

"گو تم نے طلاق نہیں دی لیکن میں نہیں کہہ سکتی کہ یہ الفاظ کہنے کے بعد میرے اور تمہارے درمیان میاں بیوی کا رشتہ باقی رہ گیا ہے یا نہیں، تم رسولؐ اللہ کی خدمت میں جاؤ اور اس بات کا فیصلہ کراؤ۔"

حضرت اوسؓ نے کہا: "مجھے یہ واقعہ رسولؐ اللہ کے سامنے بیان کرنے سے شرم آتی ہے۔ خدا کے لیے تم ہی ہادیٔ برحق سے اس کے متعلق فتویٰ لو۔"

حضرت خولہؓ فوراً رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں۔ آپؐ اس وقت اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر تشریف فرما تھے۔ خولہؓ نے سارا قصہ بیان کر کے عرض کیا:

"یا رسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان۔ کیا میری اور میرے بچوں کی زندگی کو تباہی سے بچانے کی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "میرا خیال ہے کہ تم اس پر حرام ہو گئی ہو۔"
ایک دوسری روایت کے مطابق حضورؐ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ:
"اس مسئلے میں ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں دیا گیا۔"

سرورِ عالمؐ کا جواب سن کر حضرت خولہؓ نالہ و فریاد کرنے لگیں اور بار بار حضورؐ سے عرض کرنے لگیں کہ اوسؓ میرا ابن عم ہے، اس کی تند مزاجی اور بڑھاپے کا حال حضورؐ پر روشن ہے اس نے غصّہ میں آکر ایسی بات کہہ دی ہے جو میں قسم کھا کے کہتی ہوں کہ طلاق نہیں ہے۔ خدارا کوئی ایسی صورت بتائیں کہ میری اور میرے بوڑھے شوہر اور بچوں کی زندگی تباہ ہونے سے بچ جائے۔

سرورِ عالمؐ اپنی رائے پر قائم رہے لیکن خولہؓ مایوس نہ ہوئیں اور برابر حضورؐ کو قائل کرنے کی کوشش کرتی رہیں پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

"اے مولائے کریم میں تجھ سے اپنی سخت ترین مصیبت کی فریاد کرتی ہوں، اے اللہ جو بات ہمارے لیے رحمت کا باعث ہو اسے اپنے نبیؐ کی زبان سے ظاہر فرما۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ یہ منظر اتنا دردناک تھا کہ میں اور گھر کے سارے لوگ اشکبار ہو گئے۔

حضرت خولہؓ کا اصرار جاری تھا کہ یکایک رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی کیفیت طاری ہوئی، حضرت عائشہؓ نے فرمایا خولہؓ ذرا انتظار کر شاید اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاملے کا فیصلہ کر دیا ہے۔

حضرت خولہؓ کے لیے یہ سخت امتحان کی گھڑی تھی۔ انھیں ڈر تھا کہ فیصلہ میرے خلاف ہوا تو اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکوں گی لیکن جب حضورؐ کی طرف دیکھا تو آپؐ کو متبسم پایا، اس سے ان کے دل کو قرار آ گیا اور خوشخبری سننے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا، "خولہؓ اللہ تعالیٰ نے تمہارا فیصلہ کر دیا۔" پھر آپؐ نے سورہ مجادلہ شروع سے اخیر تک پڑھی، اس کی پہلی ہی آیت حضرتؐ

خولہؓ کے بارے میں تھی :

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ۔

(اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے۔ اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے بیشک اللہ سمیع اور بصیر ہے)

اس کے بعد اس سورۃ میں نازل ہونے والے احکام کے مطابق آپؐ نے حضرت خولہؓ سے فرمایا کہ اپنے شوہر سے کہو کہ ایک لونڈی یا غلام آزاد کر دیں۔

حضرت خولہؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، میرے خاوند کے پاس نہ کوئی لونڈی ہے نہ غلام۔"

حضورؐ نے فرمایا: "تو پھر وہ مسلسل ساٹھ روزے رکھیں۔"

حضرت خولہؓ بولیں: "یارسول اللہؐ! خدا کی قسم میرا شوہر بہت کمزور ہے۔ جب تک وہ دن میں تین بار نہ کھا پی لے اس کی بینائی جواب دینے لگتی ہے مسلسل ساٹھ روزے رکھنا اس کے لیے ناممکن ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اچھا تو ان سے کہو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔"

خولہؓ نے کہا۔ "یارسول اللہؐ! میرا شوہر اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا۔ اِلّا یہ کہ آپؐ مدد فرمائیں۔"

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سحاب کرم تو حاجت مندوں پر ہر وقت برستا ہی رہتا تھا۔ آپؐ نے حضرت اوسؓ بن صامت کو اتنا سامانِ خوراک عطا فرمایا جو ساٹھ آدمیوں کی دو وقت کی غذا کے لیے کافی تھا۔ حضرت اوسؓ نے یہ سامان صدقہ کر کے اپنے ظہار کا کفارہ ادا کر دیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ کفارہ کا نصف سامانِ خوراک حضورؐ نے عطا فرمایا اور نصف حضرت خولہؓ نے شوہر کو دیا۔

علّامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ خولہؓ حضورؐ سے رخصت ہو کر گھر آئیں تو حضرت اوسؓ کو دروازے پر اپنا منتظر پایا۔ بیتابی سے پوچھا، کیوں خولہؓ حضورؐ نے کیا حکم دیا؟ خولہؓ نے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ تم بہت خوش قسمت ہو، جاؤ اور اُمّ المنذرؓ بنت قیس سے ایک بارِ شتر کھجوریں لے کر ساٹھ مسکینوں پر صدقہ کر دو تاکہ تمہاری قسم کا کفارہ ادا ہو جائے۔

حضرت اوسؓ کو اس فیصلہ پر ناقابلِ بیان مسرت ہوئی اور انہوں نے کفارہ ادا کر کے آئندہ کے لیے ایسی بات منہ سے نہ نکالنے کا عہد کیا۔

(۴)

سورۂ مُجادلہ کے نزول کے بعد حضرت خولہؓ کا مرتبہ لوگوں کے نزدیک بہت بلند ہو گیا یہاں تک کہ اکابر صحابہؓ بھی ان کی از بس توقیر و تعظیم کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے ان کی ملاقات کا جو واقعہ اوپر بیان کیا گیا ہے وہ بیہقی سے ماخوذ ہے۔ بعض دوسرے اہلِ سیَر نے اسے دوسرے انداز میں بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے راستے میں خولہؓ کو دیکھا تو اُن کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر حضرت عمرؓ کو وہیں روک لیا اور کہنے لگیں:

"اوہو، عمر ایک زمانہ تھا کہ میں نے تمہیں بازارِ عکاظ میں دیکھا تھا اُس وقت لوگ تمہیں عُمیر عُمیر کہہ کر پکارتے تھے اور تم لاٹھی ہاتھ میں لے کر بکریاں چراتے پھرتے تھے، تھوڑے ہی زمانے کے بعد لوگ تمہیں عمر کہنے لگے اور پھر وہ وقت آیا کہ تمہارا لقب امیر المؤمنین ہو گیا۔ پس مخلوقِ خدا کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین جانو کہ جو شخص عذابِ الٰہی سے ڈرتا ہے اس کے لیے بعید بھی قریب ہوتا ہے اور جو موت سے ڈرے گا اس کو ہر وقت مرنے کا دھڑکا لگا رہے گا اور وہ اسی چیز کو کھو دے گا جس کو وہ بچانا چاہتا ہے۔"

کچھ لوگ حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ تھے ایک نے کہا: "بڑی بی تم نے تو

امیر المؤمنین کو بہت کچھ کہہ ڈالا۔"

(بقول حافظ ابنِ عبد البرؒ یہ بات کہنے والے حضرت جارود عبدیؓ تھے) حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

"یہ جو کہتی ہیں انہیں کہنے دو۔ تمہیں معلوم نہیں یہ کون ہیں؟ یہ خولہؓ بنت ثعلبہ ہیں ان کی بات تو سات آسمانوں کے اُوپر سُنی گئی تھی اور انہیں کے بارے میں تو آیہ قد سمع اللہ نازل ہوئی تھی۔ مجھ اللہ کے ناچیز بندے کو تو ان کی بات بدرجۂ اولیٰ سُننی چاہیے۔"

حضرت خولہؓ بنت ثعلبہ کے سالِ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات کی تفصیل کتبِ سیَر میں نہیں ملتی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت رُبَیّع بنتِ مُعوّذؓ

(۱)

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کئی سال بعد جلیل القدر صحابی حضرت عمارؓ بن یاسرؓ کے پوتے ابو عبیدہ بن محمدؒ ایک دن مدینہ منورہ کی ایک بزرگ خاتون کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے پوچھا:

"اماں جان! ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک کیسا تھا؟"

یہ خاتون جو سالہا سال تک فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا سے اپنی آنکھیں روشن کر چکی تھیں، بے ساختہ بولیں:

یا بُنَیَّ لَوْ رَأَیْتَہٗ رَأَیْتَ الشَّمْسَ طَالِعَۃً۔

"بیٹے! اگر تم حضورؐ کو دیکھتے تو یوں سمجھتے گویا آفتاب طلوع ہو رہا ہے۔"

اتنا کہتے کہتے ان کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ حضورؐ کو یاد کر کے رونے لگیں۔ صفحۂ تاریخ پر نقوشِ جاوداں بن کر ثبت ہو جانے والے حقیقت کے آئینہ دار یہ الفاظ جس خاتون کے منہ سے نکلے، وہ حضرت رُبَیّع بنتِ مُعوّذؓ تھیں۔

(۲)

حضرت رُبَیّع بنتِ مُعوّذؓ کا شمار جلیل القدر انصاری صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق انصار کے معزز ترین خاندان بنو نجار سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

رُبَیّع بنتِ مُعوّذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن نجار

ماں کا نام اُمِّ یزید بنتِ قیس تھا، وہ بھی بنو نجار سے تھیں۔

حضرت رُبیعؓ کے والد اور چچے سب اپنی والدہ عفراء (حضرت رُبیعؓ کی دادی) کی اولاد مشہور تھے۔ ان سب کو (یعنی مُعَوّذؓ، معاذؓ اور عوفؓ کو) پسرانِ حارث کے بجائے ابنائے عفراء کہا جاتا تھا۔

اہلِ سیَر نے حضرت رُبیعؓ کے سالِ ولادت کی تصریح نہیں کی، لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ اُن کے والد مُعَوّذؓ اور چچوں معاذؓ اور عوفؓ کو نہ صرف ہجرتِ نبوی سے قبل قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا، بلکہ حضرت معاذؓ اور عوفؓ کو بیعتِ عقبہ کبیرہ میں شریک ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ گویا حضرت رُبیع نے ہوش کی آنکھیں کھولیں، تو اپنے خاندان میں اسلام کے نورِ سعادت کو جلوہ فگن دیکھا۔ چنانچہ وہ بھی ہجرتِ نبوی سے قبل ہی نعمتِ اسلام سے بہرہ یاب ہوگئیں۔

ہجرت کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دن مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا، حضرت انسؓ بن مالک کے قول کے مطابق وہ اہلِ مدینہ کا سب بڑا یوم مسرت تھا۔ حضرت رُبیع بھی اس مسرت میں شریک تھیں اور دوسری خواتین اور لڑکیوں کے ساتھ مل کر خیر مقدمی ترانے گا رہی تھیں۔

حضرت رُبیع کے والد حضرت مُعَوّذؓ سرورِ کائناتؐ کے عاشقِ صادق تھے اور اُن (مُعَوّذ) کے دونوں بھائیوں معاذؓ اور عوفؓ کی بھی یہی کیفیت تھی۔ ۲ھ میں بدر کے میدان میں حق و باطل کا پہلا معرکہ برپا ہوا اور قریش کی طرف سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نے میدان میں نکل کر مسلمانوں کو مقابلے کے لیے للکارا تو سب سے پہلے یہی تینوں بھائی (مُعَوّذ، معاذؓ اور عوفؓ) ان کے مقابلے کے لیے آگے بڑھے لیکن قریش نے ان سے لڑنا پسند نہ کیا اور پکار کر کہا کہ "محمدؐ! ہمارے مقابلے پر ہماری قوم اور کفو کے آدمی بھیجو۔" چنانچہ حضورؐ کے حکم پر یہ تینوں جانباز واپس اپنی صفوں میں آگئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ بن حارث ان کے مقابل ہوئے۔ اس مقابلے میں حضرت عبیدہؓ شیبہ کے ہاتھ سے شدید زخمی ہوئے

تاہم حضرت حمزہؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے قریش کے تینوں جنگجوؤں کو جہنم واصل کر دیا۔

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت معاذؓ اور معوذؓ نے ابوجہل کی فتنہ پردازیوں اور اسلام دشمنی کا چرچا سن رکھا تھا اور ان کی دلی آرزو تھی کہ کسی طرح یہ دشمنِ خدا ان کو نظر آجائے تو اس کو ٹھکانے لگا دیں۔ چنانچہ وہ معرکۂ کارزار میں برابر اس کی تلاش میں رہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا بیان ہے کہ میں میدانِ جنگ میں کھڑا تھا کہ یکایک دو انصاری جوان میرے دائیں بائیں آکر کھڑے ہو گئے۔ ان میں سے ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا: "چچا! ابوجہل کہاں ہے۔" میں نے کہا: "برادر زادے! اس سے تمہیں کیا کام ہے؟" بولا: "میں نے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے، خدا کی قسم وہ مجھے مل جائے تو اس کو مار کر رہوں گا یا اسی کوشش میں اپنی جان قربان کر دوں گا۔" دوسرے نوجوان نے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ مجھے ان جوانوں کے جذبۂ فدویت پر بڑی حیرت ہوئی۔ میں نے ان کو اشارہ کر کے بتایا کہ وہ سامنے ابوجہل صفوفِ جنگ میں چکر لگا رہا ہے، وہ دونوں باز کی طرح اس پر جھپٹے اور آناً فاناً اس کو خاک و خون میں لوٹا دیا۔ اس کے بعد دونوں بھائی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابوجہل کے مارے جانے کی اطلاع دی۔ آپؐ نے پوچھا: "کس نے مارا ہے؟" دونوں نے عرض کیا: "ہم نے۔" حضورؐ نے فرمایا: "اپنی تلواریں دکھاؤ۔" دونوں نے اپنی تلواریں پیش کیں تو ان میں خون کا اثر موجود تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: "بے شک تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔"

حضرت معوذؓ نے ابومسافع نامی ایک مشرک کے ہاتھ سے اسی غزوہ میں جامِ شہادت نوش کیا اور حضرت معاذؓ شدید زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے واپس آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے ان پر حملہ کیا اور ان کا ایک بازو کاٹ ڈالا۔ اس کے باوجود انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ عکرمہ کو بھگا دیا۔

ایک دوسری روایت کے مطابق انہیں بنو زریق کے ابن ماعض نامی ایک مشرک نے اس وقت زخمی کیا جب وہ ابوجہل پر حملہ کر رہے تھے۔ بہر صورت ان کا زخم مندمل ہو گیا اور وہ اس واقعہ کے بعد تقریباً تیس پینتیس سال تک زندہ رہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت معوذؓ کے بھائی عوفؓ نے بھی غزوۂ بدر میں شہادت پائی اور معاذؓ بھی اپنے زخم سے جانبر نہ ہو سکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت رُبیعؓ کے والد اور چچا نے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کی خاطر جس طرح جان کی بازی لگائی اس کی بنا پر مسلمان ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔

(۳)

غزوۂ بدر کے کچھ عرصہ بعد حضرت رُبیعؓ کا نکاح حضرت ایاسؓ بن بکیر لیثی سے ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ نکاح کے دوسرے دن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رُبیعؓ کے گھر تشریف لے گئے اور بستر پر بیٹھ گئے۔ اس وقت کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر شہدائے بدر کی تعریف میں اشعار پڑھ رہی تھیں۔ (غالباً یہ اس بنا پر تھا کہ حضرت رُبیعؓ کے والد اور چچا نے غزوۂ بدر میں شہادت پائی تھی اور شادی کے موقع پر یہ اشعار ان کے غم کو ہلکا کرنے کے لیے پڑھے جا رہے تھے) یہ اشعار پڑھتے ہوئے ان لڑکیوں نے جب یہ مصرعہ پڑھا:

وفینا نبی یعلمُ ما فی غدٍ

اور ہم میں وہ نبی ہے جو کل کی خبر رکھتا ہے

تو حضورؐ نے منع فرمایا کہ وہی پڑھو جو پہلے پڑھ رہی تھیں۔

حضرت رُبیعؓ ان خوش قسمت خواتین میں تھیں جنہیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوات میں لشکرِ اسلام کے ساتھ رکھتے تھے۔ اُنہوں نے کئی غزوات میں شرکت کی اور بڑی تندہی سے زخمیوں اور بیماروں کی تیمارداری کرنے اور مجاہدین کو پانی پلانے کے علاوہ کئی دوسری خدمات انجام دیں۔ صحیح بخاری میں خود حضرت رُبیعؓ سے روایت

ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہوتیں۔ ہم پانی پلاتیں، زخمیوں کا علاج کرتیں اور مقتولین کو واپس لاتی تھیں۔ ایک روایت میں ان سے یہ الفاظ منسوب ہیں۔ "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کرتی تھیں، قوم کو پانی پلاتی تھیں، ان کی خدمت کرتی تھیں اور مقتولین اور زخمیوں کو مدینہ کی طرف واپس لاتی تھیں۔"

حضرت رُبَیّعؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ حضورؐ کبھی کبھی ان کے گھر جا کر ان کی عزت افزائی فرمایا کرتے تھے۔ مسند ابوداؤدؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ حضرت رُبَیّعؓ کے گھر تشریف لائے اور وضو کے لیے پانی طلب فرمایا۔ حضرت رُبَیّعؓ نے نہایت ذوق و شوق اور عقیدت کے ساتھ کھڑے ہو کر حضورؐ کو وضو کرایا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے "استیعاب" میں یہ روایت درج کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت رُبَیّعؓ ازراہِ عقیدت دو طباقوں میں انگور اور چھوہارے لے کر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں گئیں۔ حضورؐ نے قبول فرما لیے اور حضرت رُبَیّعؓ کو ازراہِ قدردانی کچھ سونا عطا فرمایا۔

سنہ ۶ ہجری میں بیعتِ رضوان اور صلح حدیبیہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ اس موقع پر حضرت رُبَیّعؓ بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ دوسرے جاں نثارانِ رسولؐ کے ساتھ انہوں نے بھی بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی اور ان سعید روحوں میں شمار ہوئیں جن کے بارے میں بارگاہِ الٰہی سے ارشاد ہوا:

لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ

(اے پیغمبر) اللہ راضی تھا مومنین سے جب کہ وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے)

حضرت رُبَیّعؓ بڑی غیور اور خود دار تھیں۔ حافظ ابن عبدالبرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک قریشی عورت اسماء بنتِ مخربہ جو عطر بیچا کرتی تھی، اپنا عطر فروخت کرنے حضرت رُبَیّعؓ کے گھر آئی اور ان سے ان کے خاندانی حالات

پوچھنے لگی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ رُبَیِّعؓ کے والد نے ابوجہل کو قتل کیا تھا تو اس کی خاندانی عصبیت عود کر آئی اور تنک کر بولی: "تو تم ہمارے سردار کے قاتل کی بیٹی ہو۔" حضرت رُبَیِّعؓ کو دشمنِ اسلام ابوجہل کے لیے سردار کا لفظ سن کر بہت غصہ آیا۔ فرمایا: "میں تو غلام کے قاتل کی بیٹی ہوں۔" اسماءؓ کو ابوجہل کی یہ تحقیر ناگوار گزری، بولی: "مجھ کو تمہارے ہاتھ سودا بیچنا حرام ہے۔" حضرت رُبَیِّعؓ نے بھی برجستہ جواب دیا: "مجھ کو تم سے کچھ خریدنا حرام ہے۔ میں تمہارے عطر کو گندگی سمجھتی ہوں۔"

حضرت رُبَیِّعؓ کا سالِ وفات کسی کتاب میں درج نہیں ہے، لیکن حافظ ابنِ حجرؒ نے "اِصابہ" میں ۳۵ھ ہجری کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حیات تھیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے لکھا ہے کہ اس سال ان کا اپنے شوہر سے مناقشہ ہو گیا۔ اور انہوں نے ان سے کہا کہ میری سب چیزیں لے کر مجھ سے دست بردار ہو جاؤ۔ شوہر نے ایسا ہی کیا اور جسم کے لباس کے سوا ان سے سب کچھ لے لیا۔ حضرت رُبَیِّعؓ نے دربارِ خلافت میں دعویٰ کیا تو حضرت عثمانؓ نے فیصلہ دیا کہ "اپنی شرط پوری کرو۔"

حضرت رُبَیِّعؓ سے ۲۱ احادیث مروی ہیں۔ ان کے راویوں میں سلیمانؒ بن یسار، نافعؒ، خالد بن ذکوانؒ، عائشہ بنت انسؓ اور ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسرؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیتیں شامل ہیں۔

مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور امام زین العابدینؒ جو آسمانِ علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب تھے، حضرت رُبَیِّعؓ سے مسائل پوچھتے تھے۔ اس سے ان کی علمی حیثیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِّ سُلَیم رض

(۱)

اللہ اللہ قدرت کی کرشمہ سازیوں کی شان بھی عجیب ہے۔ ایک طرف قریشِ مکہ کی حرماں نصیبی دیکھیے کہ رحمتِ حق ان کے گھر میں نازل ہوئی، لیکن انہوں نے اُسے خود اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا، دوسری طرف تین سو میل دُور شہر یثرب کے باشندوں کی خوش بختی دیکھیے کہ مہیب خطرات کے علی الرغم وہ اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر آگے بڑھے، والہانہ ذوق و شوق کے ساتھ رحمتِ مجسّم کا دامنِ اقدس تھام لیا اور آپؐ کے سامنے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیئے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

بعثت کے تیرھویں سال سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارضِ مکہ کو الوداع کہہ کر یثرب میں نزولِ اجلال فرمایا، تو دو ہزار سالہ اس قدیم شہر پر بہارِ تازہ آگئی۔ وہ یثرب سے "مدینۃ النبی" بن گیا۔ اور اس کی گلی گلی اور کوچہ کوچہ انوارِ رسالت سے جگمگانے لگا۔

اسی زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن ایک باوقار خاتون دس سال کے ایک کمسن بچے کے ہمراہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بڑے ادب سے حضورؐ کو سلام کیا اور پھر یوں عرض پیرا ہوئیں:

"یا رسول اللہ، میرے ماں باپ آپؐ پر قربان، یہ میرا فرزند انس ہے۔ میری دلی تمنا ہے کہ یہ آپ کی خدمت کیا کرے۔ اس کو اپنے خادموں میں شامل فرمالیں اور اس کے لیے دعا کریں۔"

حضورؐ نے خاتون کے جذبۂ اخلاص کی تحسین فرمائی، بچے کے سر پر دستِ شفقت رکھا اور

پھر ان کے لیے دُعائے خیر و برکت مانگی۔

یہ خاتون جنہوں نے اپنے محبوب لختِ جگر کو فخرِ موجوداتؐ کی خدمتِ اقدس میں دینے کا عظیم شرف حاصل کیا اور جن کے جذبۂ اخلاص نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرور کیا حضرت اُمِّ سُلیمؓ انصاریہ تھیں۔

(۲)

حضرت اُمِّ سُلیمؓ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام رملہ یا سہلہ اور بعض کے نزدیک رمیثہ تھا، غمیصا اور رمیصاء لقب اور اُمِّ سُلیم کنیت تھی۔ بعض اہلِ سیر نے اُن کی ایک اور کنیت "اُمِّ انس" بھی لکھی ہے، لیکن اس کو زیادہ شہرت حاصل نہیں ہوئی۔

حضرت اُمِّ سُلیمؓ قبیلہ خزرج کی نہایت معزز شاخ عدی بن نجار سے تعلق رکھتی تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمِّ سُلیمؓ بنت ملحان بن خالد بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔ ماں کا نام ملیکہ (بنت مالک بن عدی) تھا۔ وہ بھی بنو نجار سے تھیں۔

اکثر سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت اُمِّ سُلیمؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خالہ مشہور تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت اُمِّ سُلیمؓ کو اس لیے حضورؐ کی خالہ کہا جاتا تھا کہ آپؐ کی پردادی، سلمٰی (حضرت عبدالمطلب کی والدہ) کا تعلق بھی بنو نجار سے تھا اور حضرت اُمِّ سُلیمؓ سلمٰی کے بھائی کی پوتی تھیں۔ اسی نسبت سے وہ اور ان کی بہن اُمِّ حرامؓ حضورؐ کی خالہ مشہور ہو گئی تھیں۔ اگرچہ یہ رشتہ دُور کا تھا لیکن سرورِ عالمؐ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت تھی اور آپؐ وقتاً فوقتاً حضرت اُمِّ سُلیمؓ کے گھر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت اُمِّ سُلیمؓ کو اللہ تعالیٰ نے نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ بیعتِ عقبۂ اولیٰ میں جب چند سعید الفطرت یثربی حضورؐ کی بیعت سے سعادت اندوز ہو کر مدینہ واپس گئے اور وہاں جا کر اسلام کا چرچا کیا، تو حضرت اُمِّ سُلیمؓ نے دینِ حق قبول کرنے

ہیں ایک لمحے کا توقف بھی نہ کیا، چنانچہ ان کا شمار انصار کے سابقون الاوّلون میں ہوتا ہے۔

(۳)

حضرت اُمِ سُلیمؓ کی پہلی شادی اپنے ابنِ عم مالک بن نضر (بن ضمضم بن زید) سے ہوئی۔ حضرت انسؓ بن مالک جن کا شمار اساطینِ اُمّت میں ہوتا ہے، انہی سے پیدا ہوئے۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ نے جب اسلام قبول کیا، حضرت انسؓ کا دورِ طفلی تھا۔ ماں نے بیٹے کو بھی اپنے رنگ میں رنگنا چاہا، وہ انہیں کلمہ پڑھاتی تھیں اور شعائرِ اسلامی سکھاتی تھیں۔ ان کے خاوند مالک بن نضر بدقسمتی سے نہ صرف اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے بلکہ حضرت اُمِ سُلیمؓ کے قبولِ اسلام پر بھی بہت خفا ہوئے اور انہیں اپنے فرزند انسؓ کو کلمہ پڑھانے سے منع کیا، لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو کسی ترغیب و تخویف سے اتر جاتا۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ نہایت سختی سے اسلام پر قائم رہیں اور ننھے انسؓ کو بھی اسی رنگ میں رنگتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میاں بیوی میں سخت کشیدگی پیدا ہو گئی۔ مالک بن نضر ناراض ہو کر شام چلے گئے اور وہیں فوت ہو گئے (ایک روایت کے مطابق کسی دشمن نے انہیں قتل کر ڈالا) یہ بیعتِ عقبۂ کبیرہ (سنہ ۱۳ نبوت) سے پہلے کا واقعہ ہے۔

حضرت اُمِ سُلیمؓ اب بیوہ تھیں اور ان کا لاڈلا بچہ یتیم۔ کچھ مدت بعد ہر طرف سے نکاح کے پیغام آنے لگے، لیکن انھوں نے ہر ایک کے جواب میں یہی کہا کہ جب تک میرا بچہ مجلس میں اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے قابل نہ ہو جائے، میں کسی سے نکاح نہیں کر سکتی۔

جب حضرت انسؓ نے ذرا ہوش سنبھالا، تو اُن کے قبیلے کے ایک شخص ابوطلحہ زیدؓ بن سہل نے حضرت اُمِ سُلیمؓ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔

ابوطلحہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے اور لکڑی کے ایک بُت کی پرستش کیا کرتے تھے۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ نے پہلے شوہر سے اس کے شرک کی وجہ سے علیحدگی گوارا کی تھی، اب انہیں یہ کیسے گوارا ہو سکتا تھا کہ ایک دوسرے مشرک سے نکاح کر لیں، صاف انکار کر دیا اور کہا:

"میں تو خدائے واحد اور اس کے سچے رسول پر ایمان لائی ہوں۔ افسوس ہے

تم ہر کہ جس خدا کو پوجتے ہو وہ ایک درخت ہے (یعنی لکڑی کا بت ہے) جو زمین سے اُگا ہے اور اس کو فلاں حبشی نے گھڑ کر تیار کیا ہے۔ میں خدائے واحد کی پرستار اور تم خود ساختہ بتوں کے پجاری، جو کسی کو نفع یا ضرر نہیں پہنچا سکتے بھلا میرا تمہارا میل کیسے ہو سکتا ہے؟"

یہ باتیں کچھ ایسے دل نشین انداز میں کہی گئیں کہ ابوطلحہ کے دل میں اتر گئیں، کچھ دن غور کرتے رہے اور پھر حضرت اُمِ سُلیمؓ کے پاس آکر کہا:

"مجھ پر حق واضح ہو گیا ہے اور اب میں تمہارا دین قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

حضرت ابوطلحہؓ کی مالی حیثیت اس وقت بہت معمولی تھی، لیکن اُمِ سُلیمؓ کو ان کے اسلام قبول کر لینے سے اتنی خوشی ہوئی کہ بے ساختہ کہا:

"فانی اتزوجک ولا اٰخذ منک صداقا غیرہ"

"پھر میں تم سے نکاح کرتی ہوں اور سوائے اسلام کے کوئی مہر نہیں لیتی"

اس کے بعد اپنے بیٹے انسؓ سے فرمایا: "اب تم ان کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔"

حضرت انسؓ نے اپنی والدہ کا نکاح حضرت ابوطلحہؓ سے پڑھا دیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میری والدہ کا نکاح حضرت ابوطلحہؓ سے عجیب و غریب مہر پر ہوا۔ یہ روایت ابنِ سعد کاتب الواقدی کی ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے بھی اصابہ میں اسے اسی طرح نقل کیا ہے، لیکن بہت سی دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ کے قبولِ اسلام کے وقت حضرت انسؓ کی عمر نو برس کے لگ بھگ تھی، ایک نابالغ بچے کا نکاح پڑھانا کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے نکاح کسی دوسرے صاحب نے پڑھایا ہو اور حضرت انسؓ مجلسِ نکاح میں موجود ہوں (واللہ اعلم)۔ حضرت ثابتؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی عورت کا مہر اُمِ سُلیمؓ سے افضل نہیں سُنا۔

(۴)

قبولِ اسلام کے بعد ابوطلحہؓ اپنے جوشِ ایمان، حُبِ رسولؐ اور جذبۂ ایثار کی بدولت بڑے جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوئے۔ نعمتِ اسلام سے بہرہ ور ہونے کے چند ماہ

بعد حضرت ابو طلحہؓ کو انصار کے ان پچھتر مردانِ حق میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی جو ۱۳؁ نبوت میں مکہ جاکر رحمتِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ کی بیعت سے مشرف ہوئے اور آپؐ کو اس عہد کے ساتھ مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی کہ وہ اپنی جانوں، مالوں اور اولادوں کے ساتھ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت کریں گے۔ یہ بیعت تاریخ میں بیعتِ لیلۃ العقبہ، بیعت عقبہ ثانیہ اور بیعت عقبہ کبیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو حضرت اُمِ سُلیمؓ، ان کے شوہر اور فرزند کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ حضورؐ کا ورودِ مدینہ ان کے لیے یومِ عید تھا۔ ہجرت کے ابتدائی ایام ہی میں حضرت اُمِ سلیمؓ نے اپنے لختِ جگر حضرت انسؓ کو سید المرسلینؐ کی خدمت میں دینے کا شرف حاصل کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت اُمِ سُلیمؓ کے ایماء پر حضرت ابو طلحہؓ، حضرت انسؓ کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ انسؓ کو اپنی غلامی میں لیجیے، حضورؐ نے اُن کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا۔

ہجرت کے چند ماہ بعد رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان بھائی چارہ (عقدِ مواخاۃ) قائم کرایا، تو حضرت اُمِ سُلیمؓ کے مکان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہاں سید البشرؐ اور تمام مہاجرین و انصار اس مقصدِ عظیم کے لیے جمع ہوئے۔

۳؁ ہجری میں حضرت اُمِ سُلیمؓ اپنے شوہر حضرت ابو طلحہؓ کے ہمراہ بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ جنگِ اُحد میں شریک ہوئیں۔ جب ایک اتفاقی غلطی سے مسلمانوں میں انتشار پھیل گیا، تو حضرت ابو طلحہؓ ان چند صحابہ کرام میں سے تھے جو آخیر تک رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سینہ سپر رہے۔ اس موقع پر حضرت اُمِ سُلیمؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہمراہ میدانِ جنگ میں مشک بھر بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔

اواخر ۶؁ھ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لیے تشریف لے گئے، تو حضرت اُمِ سُلیمؓ چند دوسری صحابیات کے ساتھ لشکرِ اسلام کے پیچھے روانہ ہوئیں۔ حضورؐ کو معلوم ہوا، تو آپؐ نے ناراضی کے لہجے میں پوچھا کہ تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے

آئی ہو۔ انھوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان، ہم اُون کاتتے ہیں اور اس سے خدا کی راہ میں اعانت کرتے ہیں، ہمارے ساتھ زخمیوں کے علاج کا سامان ہے۔ ہم لوگوں کو تیر اُٹھا اُٹھا کر دیتے ہیں اور ستّو گھول گھول کر پلاتے ہیں۔" حضورؐ نے ان کا جواب سن کر انہیں میدانِ جنگ میں موجود رہنے کی اجازت دے دی۔

جب خیبر فتح ہوگیا اور حضرت صفیہؓ بنت حیؓ نے رسول کریمؐ کے نکاح میں آنے پر رضامندی کا اظہار کیا، تو حضورؐ نے انہیں حضرت اُمِّ سُلیمؓ کے سپرد کیا کہ نہلا دھلا کر انہیں دلہن بنائیں، کیونکہ جنگ کی صعوبتوں نے حضرت صفیہؓ کو بہت خستہ حال کر دیا تھا۔ حضرت اُمِّ سُلیمؓ نے بڑے ذوق و شوق سے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل کی۔

(۵)

۸ھ ہجری میں فتح مکہ کے چند دن بعد حُنین کی خونیں لڑائی پیش آئی۔ حضرت اُمِّ سُلیمؓ اپنے شوہر حضرت ابوطلحہؓ کے ساتھ اس معرکے میں والہانہ ذوق و شوق کے ساتھ شریک ہوئیں۔ لڑائی کی ابتدا میں بنو ہوازن کے ماہر تیر اندازوں نے مسلمانوں پر اپنی کمین گاہوں سے ایسی شدت سے تیر برسائے کہ ان کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ اُس وقت رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم گنتی کے چند جاں نثاروں کے ہمراہ میدانِ جنگ میں کوہِ استقلال بن کر کھڑے تھے اور آپؐ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(میں نبی ہوں اس میں مطلق جھوٹ نہیں، میں عبدالمطّلب کا فرزند ہوں)

جس جس مسلمان کے کان میں یہ آواز پڑی وہ پلٹ پڑا اور پھر جب حضورؐ کا اشارہ پا کر حضرت عباسؓ نے باآوازِ بلند مسلمانوں کو یہ کہہ کر پکارا:

"اے جماعتِ انصار! اے اصحابِ شجرہ!" تو سب نے جوش اور ولولے کے ساتھ حضورؐ کے گرد جمع ہوگئے اور کفار پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ خاک نامرادی چاٹنے پر مجبور ہوگئے۔ جس وقت گھمسان کا رَن پڑ رہا تھا، حضرت ابوطلحہؓ نہایت پامردی کے ساتھ حضورؐ کے دائیں بائیں لڑ رہے تھے اور حضرت اُمِّ سُلیمؓ ہاتھ میں خنجر

لیے شمعِ نبوت پر قربان ہونے کے لیے کھڑی تھیں۔ لڑائی کا زور کم ہوا، تو حضرت ابو طلحہؓ نے حضورؐ کو بتایا کہ اُمِّ سُلیمؓ خنجر ہاتھ میں لیے کھڑی ہیں۔

حضورؐ نے اُمِّ سُلیمؓ سے پوچھا: "خنجر کیا کرو گی؟"

انہوں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! کوئی مشرک قریب آیا، تو اس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔"

حضورؐ یہ سُن کر مُتبسّم ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت اُمِّ سُلیمؓ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! مکّہ کے جو لوگ آج میدانِ جنگ سے بھاگ گئے ہیں انہیں قتل کر دیں۔"

رحمتِ عالمؐ نے فرمایا: "خدا نے خود ان کا انتظام کر دیا ہے۔"

صحیح مسلم میں ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمِّ سُلیمؓ اور انصار کی چند عورتوں کو غزوات میں ساتھ رکھتے تھے جو لوگوں کو پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔"

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُحد، خیبر اور حُنین کے علاوہ حضرت اُمِّ سُلیمؓ نے کئی دوسرے غزوات میں بھی حصہ لیا ہوگا۔

(۶)

حضرت اُمِّ سُلیمؓ کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجے کی محبت اور عقیدت تھی۔ حضورؐ بھی اُن کی بے حد قدر و منزلت فرماتے تھے۔ بعض روایتوں کے مطابق ازواجِ مطہراتؓ کے علاوہ عورتوں میں صرف حضرت اُمِّ سُلیمؓ اور ان کی بہن اُمِّ حرامؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً اُن کے گھر تشریف لے جاتے تھے اور دوپہر کو وہاں آرام فرماتے تھے۔ حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اُمِّ سُلیمؓ پر رحم آتا ہے کہ اس کے بھائی حرامؓ بن ملحان نے میری حمایت میں شہادت پائی ہے (حضرت حرامؓ بن ملحان سریۂ بئرِ معونہ میں شہید ہوئے تھے) حضورؐ سے حضرت اُمِّ سُلیمؓ کی

عقیدت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ جب اُن کے گھر میں استراحت فرماتے، وہ آپؐ کا پسینہ مبارک اور گرے ہوئے موئے مبارک ایک شیشی میں تبرک کے طور پر جمع کر لیتی تھیں اگر کبھی حضورؐ کو اُمِ سُلیمؓ کے گھر نماز کا وقت آجاتا، تو آپ وہیں چٹائی پر نماز ادا کر لیتے۔ ایک بار سرورِ عالمؐ نے حضرت اُمِ سُلیمؓ کے مشکیزے سے اپنا دہنِ مبارک لگا کر پانی پیا۔ وہ اٹھیں اور مشکیزے کا منہ کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا کہ رحمتِ دوعالمؐ کے مبارک ہونٹ اس سے مَس ہوئے تھے۔

طبقات ابنِ سعد میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حج سے فارغ ہونے کے بعد منیٰ میں اپنے مُوئے مبارک ترشوائے، تو حضرت اُمِ سُلیمؓ نے اپنے شوہر ابوطلحہؓ سے کہا کہ حجام سے ان بالوں کو مانگ لو، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ نے موئے مبارک ایک شیشی میں خیر و برکت کے لیے اپنے پاس محفوظ کر لیے۔

ابنِ سعد نے اسی ضمن میں ایک اور واقعہ بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کائناتؐ حضرت اُمِ سُلیمؓ پر کس قدر شفقت فرماتے تھے، وہ لکھتے ہیں کہ حضورؐ حج کے لیے مدینہ منورہ سے چلنے لگے، تو اُمِ سُلیمؓ سے فرمایا: "تم حج کے لیے نہ جاؤ گی؟" انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میرے شوہر کے پاس صرف دو سواریاں تھیں اور ان دونوں پر وہ اپنے بیٹے کے ساتھ حج کو چلے گئے، میرے پاس اب کوئی سواری نہیں۔"

حضورؐ نے انہیں ازواجِ مطہراتؓ کے ساتھ سوار کرا دیا اور اپنے ساتھ حج کو لے چلے۔ اثنائے راہ میں آپ کے غلام انجشہ نے اونٹوں کو تیز چلانے کے لیے حدی خوانی شروع کر دی جس سے اونٹ دوڑنے لگے۔ حضورؐ نے دیکھا، تو فرمایا: "انجشہ! آہستہ آہستہ، اونٹوں پر شیشے ہیں شیشے۔"

حضرت ابوطلحہؓ کے صُلب سے حضرت اُمِ سُلیمؓ کا ایک فرزند تھا جس کا نام ابوعمیر تھا۔ وہ بڑا پیارا بچہ تھا۔ حضورؐ اُمِ سُلیمؓ کے گھر تشریف لاتے، تو اس سے پیار محبت کی باتیں کیا کرتے تھے۔ ایک دن آپؐ تشریف لائے، تو ننھے ابوعمیر کا چہرہ اترا ہوا پایا۔ آپؐ نے اُمِ سُلیمؓ سے پوچھا: "کیا بات ہے آج ابوعمیر کچھ سست ہے؟" انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ابوعمیر کی چڑیا (نُغیر) جس کے ساتھ وہ کھیلا کرتا تھا، آج مرگئی ہے اسی لیے وہ غمگین ہے۔"

حضورؐ نے ابوعمیر کو اپنے پاس بلایا اور دستِ شفقت اس کے سر پر رکھ کر مسکراتے ہوئے پُوچھا:

یَا اَبَا عُمَیْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ

"اے ابوعمیر! تیری نغیر نے کیا کیا؟"

ابوعمیرؓ جواب میں ہنس دیا اور پھر کھیل کود میں مشغول ہوگیا۔ اس وقت سے حضورؐ کا یہ جملہ ضرب المثل کی حیثیت اختیار کرگیا۔

کچھ عرصہ بعد ابوعمیر نے کمسنی ہی میں وفات پائی۔ ابوطلحہؓ اس وقت گھر سے باہر تھے۔ حضرت اُمِّ سُلیمؓ نے اپنے لاڈلے بچے کی رحلت پر کمال صبر و استقلال سے کام لیا۔ خاموشی سے اس کی میت کو غسل دے کر کفنایا اور ایک طرف رکھ دیا۔ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو منع کردیا کہ ابوطلحہؓ کے آتے ہی ابوعمیرؓ کی موت کی المناک خبر نہ دیں۔ رات کو حضرت ابوطلحہؓ گھر آئے، اُمِّ سُلیمؓ نے انہیں کھانا کھلایا۔ جب وہ اطمینان سے بستر پر لیٹے، تو اُن سے مخاطب ہو کر کہا:

"اگر تم کو کوئی چیز مستعار دی جائے اور پھر واپس لے لی جائے تو کیا اُس کا واپس لیا جانا تمہیں ناگوار گزرے گا؟"

حضرت ابوطلحہؓ نے جواب دیا: "ہرگز نہیں۔"

بولیں: "تمہارا لڑکا بھی اللہ کی امانت تھی جو اُس نے واپس لے لی تمہیں اب اس کی طرف سے صبر کرنا چاہیے۔"

ابوطلحہؓ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور ان سے کہا: "تم نے پہلے کیوں نہ بتایا؟"

بولیں: "تاکہ تم اطمینان سے کھانا وغیرہ کھالو۔"

صبح اٹھ کر ابوطلحہؓ رسولِ کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کیا۔

حضورؐ نے اُمِ سُلیمؓ کے شیوۂ صبر و رضا پر ان کی تحسین فرمائی اور دُعا کی: "اللہ تعالیٰ تمہیں اور اُمِ سُلیمؓ کو ابوعمیر کا نعم البدل عطا فرمائے۔" اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابوطلحہؓ اور اُمِ سُلیمؓ کو ایک اور فرزند عطا کیا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ ان کی تربیت حضورؐ ہی کے زیرِ سایہ ہوئی اور انہیں سے حضرت ابوطلحہؓ کی نسل چلی۔

(۷)

ایک مرتبہ رحمتِ عالمؐ حضرت اُمِ سُلیمؓ کے گھر تشریف لائے۔ انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں کھجوریں اور مکھن پیش کیا، آپؐ نے فرمایا: "میں روزے سے ہوں۔" کچھ دیر بعد حضورؐ نے نمازِ نفل پڑھی اور اُمِ سُلیمؓ کے گھرانے کے لیے دعا مانگی۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! مجھے اپنے فرزند انس سے جو حضور کا خدمت گار ہے، بہت محبت ہے، اس کے لیے خاص طور پر دعا کیجیے۔"

رحمتِ نبویؐ جوش پر تھی۔ آپؐ نے دستِ دعا اٹھائے اور حضرت انسؓ کے حق میں یوں دعا مانگی "اے اللہ اس کو مال دے اور اس کی عمر میں برکت عطا فرما۔"

اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ حضرت انسؓ تمام انصار میں سب سے زیادہ متمول ہو گئے، طویل عمر پائی اور کثیر الاولاد ہوئے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہؓ گھر تشریف لائے اور حضرت اُمِ سُلیمؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے ہیں، کچھ کھانا بھیج دو۔ انہوں نے چند روٹیاں اپنے فرزند انسؓ کو دیں اور کہا اسی وقت جا کر حضورؐ کو کھانا کھلاؤ۔ جب حضرت انسؓ مسجد میں پہنچے، تو وہاں حضورؐ کے گرد بہت سے صحابہ کا مجمع تھا۔ حضورؐ نے حضرت انسؓ سے پوچھا "ابوطلحہ نے تمہیں بھیجا ہے؟" عرض کی "بے شک یا رسول اللہ" پھر پوچھا "کھانے کے لیے؟" انہوں نے کہا "جی ہاں۔"

حضورؐ سب صحابہ کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت اُمِ سُلیمؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوطلحہؓ کو فکر ہوئی کہ اتنے آدمیوں کے لیے کھانا کافی نہ ہوگا۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ سے کہا: "اب کیا تدبیر کی جائے کہ یہ سارے اصحاب کھانا کھا سکیں۔" انہوں

نے نہایت اطمینان سے جواب دیا: "یہ بات اللہ اور اللہ کا رسولؐ بہتر سمجھتے ہیں۔" پھر جو تھوڑا بہت کھانا موجود تھا انہوں نے رسولِ اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے سامنے رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں اتنی برکت دی کہ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ۵ھ ہجری میں رسولِ کریمؐ نے حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح کیا، تو حضرت اُمِ سُلیمؓ نے ایک بڑے برتن میں مالیدہ بنا کر حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ حضورؐ کی خدمت میں عرض کرنا کہ اس حقیر ہدیے کو قبول فرمائیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص بحالِ پریشان سرورِ عالمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے طعام کا سوال کیا۔ حضورؐ نے ازواجِ مطہراتؓ سے پوچھ بھیجا کہ گھر میں کھانے کو کچھ ہے۔ سب طرف سے جواب آیا کہ آج فاقہ ہے۔ اب حضورؐ نے صحابہؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا: "کوئی ہے جو اس اللہ کے بندے کو اپنا مہمان بنائے۔" حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابوطلحہؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کی: "یا رسول اللہ! اس کو میں اپنا مہمان بناؤں گا۔" یہ کہہ کر فوراً گھر آئے اور حضرت اُمِ سُلیمؓ سے پوچھا: "کھانے کے لیے کچھ ہے؟" انہوں نے کہا: "بچوں کے لیے تھوڑا سا کھانا پکا ہے۔ اس کے سوا خدا کی قسم، گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔" حضرت ابوطلحہؓ نے کہا: "کوئی مضائقہ نہیں، بچوں کو بہلا کر سُلا دو —— وہ سو جائیں، تو ہم ان کا کھانا مہمان کے آگے رکھ دیں گے۔ تم چراغ درست کرنے کے بہانے سے اٹھ کر اُسے بُجھا دینا! اندھیرے میں مہمان کھانا کھالے گا اور ہم بھی یونہی منہ چلاتے رہیں گے۔" غرض اس طرح مہمان کو کھانا کھلا کر دونوں میاں بیوی اور بچوں نے رات فاقے سے گزار دی۔ صبح کو حضرت ابوطلحہؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو زبانِ رسالت پر یہ آیت جاری تھی:

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

(وہ لوگ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر تنگی ہی ہو)

پھر آپؐ نے ابوطلحہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا، "رات کو مہمان کے ساتھ تم لوگوں کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔"

ایک دفعہ رسولِ اکرمؐ نے حضرت انسؓ کو کسی خاص کام کے لیے کہیں بھیجا اور خود ایک دیوار کے سایے میں انتظار فرماتے رہے۔ حضرت انسؓ واپس آئے، تو حضورؐ اپنے کاشانۂ اقدس کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت انسؓ کو گھر بھیج دیا۔ چونکہ کام میں مصروفیت کی وجہ سے انہیں بہت دیر ہو گئی تھی، اُمِ سلیمؓ نے پوچھا، آج اتنی دیر کیوں لگائی۔ انہوں نے کہا: "حضورؐ کے ایک کام کے لیے گیا تھا۔" انہوں نے پوچھا: "کیا کام تھا؟" انہوں نے جواب دیا کہ ایک پوشیدہ بات تھی۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ نے ان کو تاکید کی کہ اس کو کسی سے نہ کہنا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میری ماں (اُمِ سُلیمؓ) کے پاس ایک بکری تھی۔ انہوں نے اس کے گھی کو ایک کپی میں جمع کیا۔ جب وہ کپی بھر گئی تو اس کو انہوں نے اپنی پرورش کردہ لڑکی کے ہاتھ یہ کہہ کر حضورؐ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اس سے سالن بنا لیا کریں۔ وہ لڑکی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپؐ نے اہلِ خانہ سے فرمایا، اس کپی کو خالی کر کے اس کو دے دو۔ چنانچہ وہ کپی خالی کی گئی اور اس لڑکی کو دے دی گئی۔ وہ واپس آئی تو حضرت اُمِ سُلیمؓ گھر میں نہیں تھیں۔ لڑکی نے وہ کپی کھونٹی پر لٹکا دی۔ جب اُمِ سُلیمؓ گھر آئیں تو کپی کو بھرا ہوا دیکھا، اس میں سے گھی ٹپک رہا تھا۔ انہوں نے لڑکی سے کہا۔ "بیٹی! کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ اسے حضورؐ کے پاس لے جا۔" اس نے کہا، میں لے گئی تھی اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو خود جا کر حضورؐ سے پوچھ لیں۔ حضرت اُمِ سُلیمؓ لڑکی کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: "یا رسول اللہ میں نے اس کے ہاتھ آپ کے پاس ایک کپی بھیجی تھی جس میں گھی تھا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "یہ آئی تھی اور دے گئی تھی۔"

حضرت اُمِ سُلیمؓ نے عرض کیا۔ "قسم اس ذات کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ پیدا کیا وہ کپی بھری ہوئی ہے اور اس میں سے گھی ٹپک رہا ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اے اُمِ سُلیم تجھے اس بات پر تعجب کیوں ہے کہ اللہ

نے تجھ کو رزق دیا جیسا کہ تو نے اس کے نبی کو کھانے کو دیا ہے کھا اور کھلا۔"

حضرت اُمِ سُلیمؓ کہتی ہیں کہ میں گھر آئی اور اس گھی کو اپنے اعزّہ و اقارب میں تقسیم کیا پھر بھی اتنا بچ رہا کہ ہم ایک دو ماہ تک اس سے سالن کا کام لیتے رہے۔

(۸)

حضرت اُمِ سُلیمؓ کے سالِ وفات کے بارے میں اربابِ سِیَر نے تصریح نہیں کی۔ قیاس یہ ہے کہ انہوں نے صدیقِ اکبرؓ کے عہدِ خلافت میں وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے دو فرزند چھوڑے، حضرت انسؓ جو پہلے خاوند مالک سے تھے اور حضرت عبد اللہؓ جو حضرت ابو طلحہؓ سے تھے۔

حضرت اُمِ سُلیمؓ سے حضرت انسؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، زیدؓ بن ثابت اور عمروؓ بن عاصم نے چند احادیث بھی روایت کی ہیں۔ لوگ اکثر ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔ علّامہ ابنِ اثیرؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے: کانت من عقلاء النّساء (وہ عاقل خواتین میں سے تھیں)

حضرت انسؓ فرمایا کرتے تھے، اللہ میری ماں کو جزائے خیر دے، انہوں نے بڑی خوبی سے میری پرورش اور تربیت کی۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ (تمثیلی پیرایہ میں) فرمایا: "میں جنّت میں گیا، تو مجھے کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ میں نے پوچھا، کون ہے، تو لوگوں نے کہا، انس کی والدہ غمیصاء بنت ملحان ہیں۔"

گویا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُمِ سُلیمؓ کو خود جنّت کی بشارت دی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت جمیلہؓ بنت سعدؓ انصاریہ

قبیلہ خزرج کے خاندانِ حارث میں سے تھیں۔ اپنی کنیت اُمِّ سعد سے مشہور ہیں، بعض روایتوں میں ہے کہ اُمِّ سعد کے علاوہ ان کی کنیت اُمُّ العلا بھی تھی۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

جمیلہؓ بنت سعدؓ بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امراء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

ان کے والد حضرت سعدؓ بن ربیع انصاری کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے، وہ ہجرتِ نبوی سے پہلے بڑے ذوق و شوق سے بیعت عقبۂ اولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانیہ میں شریک ہوئے، ۲ سنہ ہجری میں غزوۂ بدر میں داد شجاعت دی اور پھر غزوۂ احد میں مردانہ وار لڑکر خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے۔ دمِ واپسیں انہوں نے ہی انصار کو یہ پیغام دیا تھا کہ "اگر آج رسول اللہؐ شہید ہو گئے اور تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ بچا تو اللہ کو ہرگز منہ نہ دکھا سکو گے اور اس کے سامنے تمہارا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا، ہم نے لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ پر فدا ہونے کا حلف اٹھایا تھا۔"

اپنے جلیل القدر والد کی شہادت کے وقت حضرت جمیلہؓ بہت کمسن تھیں، ان کی پرورش اور تربیت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے ذمے لے لی۔ (حضرت ابوبکرؓ کی اہلیہ حبیبہؓ بنت خارجہؓ، حضرت سعدؓ بن ربیع کی چچا زاد بہن تھیں۔ اس لحاظ سے وہ حضرت جمیلہؓ کے پھوپھا ہوتے تھے) صدیق اکبرؓ حضرت جمیلہؓ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ایک دن لیٹے ہوئے تھے اور حضرت جمیلہؓ کو اپنے سینے پر بٹھا کر نہایت محبت سے بار بار ان کو چوم رہے تھے۔ اتنے میں ایک صحابی ملنے کے

لیے تشریف لائے انہوں نے یہ منظر دیکھا تو حیران ہو کر پوچھا، اے ابو بکر یہ بچی کون ہے؟

صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ "یہ اس شخص کی بیٹی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت بلند مرتبہ عطا کیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان قربان کر دی اور قیامت کے دن وہ حضورؐ کے نقیبوں میں شمار کیا جائے گا۔"

حضرت اُمِ سعد جمیلہؓ نے متعدد جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے علاوہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی اکتساب فیض کیا اور علم و فضل کے اعتبار سے بڑے بلند درجے پر پہنچ گئیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ اُن کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے عہدِ خلافت میں حضرت اُمِ سعدؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے اپنی چادر ان کے لیے بچھا دی۔ اس موقعہ پر حضرت عمر فاروقؓ بھی موجود تھے۔ انہوں نے پوچھا، اے خلیفۃ الرسول یہ خاتون کون ہیں؟

فرمایا: "یہ اس شخص کی بیٹی ہے جو ہم دونوں سے بہتر تھا۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے حیران ہو کر پوچھا: "وہ کیسے؟"

صدیقِ اکبرؓ نے فرمایا: "اس لیے کہ اس کے باپ سعدؓ بن ربیع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت الفردوس کی راہ لی اور ہم تم ابھی تک اس دنیا میں بیٹھے ہیں۔"

اہلِ سیر نے حضرت اُمِ سعدؓ کے علم و فضل کی بڑی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ نہ صرف راویۂ احادیث تھیں بلکہ تفسیر القرآن کے رموز سے بھی کامل آشنا تھیں۔

حضرت اُمِ سعدؓ کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت زیدؓ بن ثابت انصاری سے ہوا، حضرت خارجہؒ بن زیدؓ بن ثابت جن کا شمار فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے، حضرت اُمِ سعدؓ ہی کے بطن سے تھے۔

ترمذی شریف میں ہے کہ حضورؐ کے ایک صحابی حضرت داؤدؓ بن حصین حضرت اُمِ سعدؓ سے قرآنِ پاک کا درس لیا کرتے تھے۔ ابن اثیر کا بیان ہے کہ

حضرت اُمِ سعدؓ قرآنِ حکیم کے بعض حصوں کی حافظ تھیں اور باقاعدہ قرآن کا درس دیا کرتی تھیں۔

حضرت اُمِ سعدؓ کا سالِ وفات معلوم نہیں ہے۔

حضرت خنساءؓ بنتِ خزام انصاریہ

انصار کے کسی خاندان سے تھیں اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔ صحیح بخاری میں ان سے روایت ہے کہ میرے والد نے میرا نکاح کسی شخص سے کر دیا۔ اس سے قبل میری ایک مرتبہ شادی ہو چکی تھی، کنواری نہ تھی اور اس نکاح سے میں خوش نہ تھی۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا حال بیان کیا۔ حضورؐ نے اس نکاح کو ناجائز قرار دیا اور لوٹا دیا (فسخ کر دیا۔)

مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمُّ العلاءؓ انصاریہ

اہلِ سیر نے ان کے نام و نسب کی تصریح نہیں کی البتہ صحیح بخاری کی ایک مشہور روایت سے ثابت ہے کہ وہ انصار کے سابقین اولین میں سے تھیں۔ یہ روایت امام بخاریؒ نے مشہور فقیہ حضرت خارجہؒ بن زیدؓ بن ثابت سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اُمِ علاءؓ ایک انصاری خاتون تھیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ وہ کہتی ہیں کہ ہجرت کے بعد انصار نے مہاجرین کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کی تو ہمارے حصہ میں حضرت عثمانؓ بن مظعون آئے۔ چنانچہ ہم نے

انہیں اپنے گھر میں بطور مہمان ٹھہرالیا۔ اتفاقاً (غزوۂ بدر کے بعد) وہ سخت بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں وفات پائی، جب ان کو کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ میں (اُمّ العلاءؓ) نے کہا، ابوالسائب (حضرت عثمانؓ بن مظعون کی کنیت) تم پر اللہ کی رحمت ہو، میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معزز کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بھلا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے اس کو معزز کیا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان اگر اللہ تعالیٰ ان کو معزز نہ کرے گا تو اور کس کو کرے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عثمانؓ کو درجۂ یقین حاصل تھا اور مجھے بھی ان کے حق میں مغفرت کی بڑی اُمید ہے لیکن خدا کی قسم میں رسول اللہ ہو کر بھی (از خود) اپنے متعلق یہ نہیں بتا سکتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا[1]۔ یہ سن کر اُمّ علاءؓ نے کہا، خدا کی قسم آج کے بعد میں کسی کے بارے میں اس طرح حتمی طور پر شہادت نہ دوں گی۔

اہلیہ حضرت ابوالہیثم مالکؓ

انصار کے کسی قبیلے سے تھیں، ان کے شوہر حضرت ابوالہیثم مالکؓ بن التیہان انصاری کا شمار نہایت جلیل القدر صحابۂ میں ہوتا ہے۔

جامع ترمذی میں ہے کہ ایک دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت

---

[1] شارحینِ حدیث نے لکھا ہے کہ حضورِ پُر نورؐ کے اس ارشادِ گرامی کا مطلب یہ تھا کہ مستقبل کے بارے میں از خود میں کوئی بات نہیں کہتا بلکہ وہی کہتا ہوں جس کا علم مجھے اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ اس طرح حضورؐ نے لوگوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کسی کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس کو اپنی طرف سے یقینی طور پر جنتی یا جہنمی کہیں۔

عمر فاروق رضؓ کے ہمراہ حضرت ابو الہیثم رضؓ کے گھر تشریف لے گئے، اس زمانے میں ان کے پاس کھجور کے باغات اور بکریوں کے ریوڑ تھے لیکن کوئی غلام یا خادم نہ تھا اور گھر کا سارا کام وہ خود انجام دیا کرتے تھے، حضورؐ نے مکان پر پہنچ کر آواز دی تو ان کی اہلیہ نے بتایا کہ ابو الہیثم پانی بھرنے گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ مشک لیے آ پہنچے۔ حضورؐ کو دیکھا تو فرط مسرت سے بیخود ہو گئے۔ حضورؐ سے لپٹ کر بار بار کہتے تھے، میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ نے اس مسکین کے گھر قدم رنجہ فرمایا، پھر حضورؐ اور آپؐ کے رفقاء کو اپنے باغ میں لے گئے۔ بیٹھنے کے لیے کوئی چیز بچھا دی اور خود کھجوروں کی ایک شاخ کاٹ لائے۔ حضورؐ نے فرمایا، پکی کھجوریں لائے ہوتے، انہوں نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان، ان میں پکی گدر ہر قسم کی ہیں، جو پسند ہوں نوش فرمائیں۔ کھجوریں کھلانے کے بعد نہایت صاف اور شیریں پانی پلایا۔ حضورؐ نے فرمایا، دیکھو اللہ تعالےٰ نے کتنی نعمتیں عطا کی ہیں، سایہ، عمدہ کھجوریں، ٹھنڈا پانی، خدا کی قسم قیامت کے دن ان کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اس کے بعد حضرت ابو الہیثم رضؓ نے عرض کیا، یا رسولؐ آپ کچھ دیر یہیں تشریف رکھیں میں گھر جا کر کھانے کا انتظام کرتا ہوں حضورؐ نے فرمایا، دودھ دینے والی بکری ذبح نہ کرنا، انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کرایا اور اس کو بھون کر حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ آپؐ نے کھانے کے بعد ان سے پوچھا، تمہارے پاس کوئی غلام ہے؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، جب میرے پاس قیدی آئیں تو آنا۔ اسی اثنا میں دو قیدی آپؐ کے سامنے پیش کیے گئے۔ حضورؐ نے ابو الہیثم رضؓ سے فرمایا ان میں سے ایک پسند کر لو۔ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ جو آپ دینا چاہیں مجھ کو منظور ہے۔ حضورؐ نے ایک قیدی حضرت ابو الہیثم رضؓ کو عطا فرمایا اور ان کو ہدایت کی کہ اس سے اچھا برتاؤ کرنا، وہ غلام کو لے کر گھر آئے اور بیوی کو سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا اگر حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل منظور ہے تو اس کو آزاد کر دو۔ انہوں نے اسی وقت اس کو آزاد کر دیا

حضورؐ کو اطلاع ملی تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور دونوں میاں بیوی کی تحسین فرمائی ـــــ مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِّ مالک رضؓ بنتِ اُبَیّ

خزرج کے خاندان حبلی میں سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

اُمِّ مالک بنتِ اُبَیّ بن حارث (ابی سلول) بن عبید بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن خزرج۔

راس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ کی ہمشیر تھیں۔ ان کا نکاح حضرت رافعؓ بن مالک زرقی سے ہوا جو قبیلہ خزرج کے سب سے پہلے مسلمان تھے، ان کے صلب سے حضرت رفاعہؓ پیدا ہوئے وہ بھی انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ حضرت اُمِّ مالک کے شوہر اور بیٹے دونوں کو بیعتِ عقبہ میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت اُمِّ مالکؓ بھی ہجرتِ نبوی سے قبل سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں۔ وہ بڑی راسخ العقیدہ اور سعید الفطرت مسلمان تھیں۔ اخیافی بھائی عبداللہ بن اُبَیّ منافقوں کا سرخیل تھا لیکن وہ حق و صداقت کی علم بردار تھیں۔

مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

بنتِ بشیر رضؓ بن سعد

نام اور کنیت معلوم نہیں۔ مشہور صحابی حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری کی بیٹی اور حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ کی بہن تھیں۔ والدہ کا نام عمرۃؓ بنتِ رواحہ

تھا جو جلیل القدر صحابی شہیدِ موتہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ۔ شاعرِ رسول اللہؐ کی بہن تھیں۔ غزوۂ خندق کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک دن حضرت عمرہؓ نے بیٹی کو کچھ کھجوریں دے کر کہا کہ اپنے باپ اور ماموں عبداللہؓ بن رواحہ کے صبح کے کھانے کے لیے جا۔ وہ یہ کھجوریں ایک کپڑے میں ڈال کر جا رہی تھیں کہ راستے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی، حضورؐ نے ان سے فرمایا:

"بیٹی یہ تمہارے پاس کیا ہے۔"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ یہ کھجوریں ہیں جو میری ماں نے میرے والد اور ماموں کو صبح کے کھانے کے لیے بھیجی ہیں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "لا یہ کھجوریں مجھے دے۔" انہوں نے وہ کھجوریں حضورؐ کی ہتھیلی پر رکھ دیں، آپؐ کی دونوں ہتھیلیاں ان کھجوروں سے نہیں بھریں تاہم آپؐ نے حکم دیا کہ ایک کپڑا بچھا کر اس پر ان کھجوروں کو پھیلا دیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے عام منادی کرا دی کہ تمام اہلِ خندق صبح کے کھانے کے لیے آئیں جب تمام اہلِ خندق آ گئے تو حضورؐ نے فرمایا۔ "یہ کھجوریں کھاؤ۔" اللہ کی قدرت، ان میں اتنی برکت ہوئی کہ تمام اہلِ خندق سیر ہو گئے لیکن کھجوریں پھر بھی بچ رہیں۔

اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت خیرہؓ بنتِ ابی حدرد اسلمیؓ

اپنی کنیت اُمّ الدرداء سے مشہور ہیں۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوحدرد اسلمیؓ کی صاحبزادی اور حضرت ابوالدرداءؓ انصاری کی اہلیہ تھیں۔ ۲ ہجری میں (غزوۂ بدر کے بعد) اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا اور حضورؐ کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔ اہلِ سیر نے ان کی عقل و فراست، شغفِ عبادت، محاسنِ اخلاق، علم و

فضل، تفقہ فی الدین اور اصابت رائے کی بڑی تعریف کی ہے۔ ادب المفرد میں ہے کہ ایک شخص کی بیوی بیمار تھیں وہ حضرت اُمّ الدرداءؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے گھر کا حال پوچھا تو کہا کہ اہلیہ بیمار ہے۔ حضرت اُمّ الدرداءؓ نے ان کو بٹھا کر کھانا کھلایا اور جب تک ان کی بیوی بیمار رہیں، حال پوچھتی اور کھانا کھلاتی رہیں۔

ایک بار حضرت اُمّ الدرداءؓ نے ایک صاحب رسول کی علالت کی خبر سنی تو اسی وقت اونٹ پر سوار ہو کر ان کے ہاں تشریف لے گئیں اور ان کی عیادت کی۔

ایک بار عبدالملک بن مروان اموی نے رات کو اپنے خادم کو آواز دی۔ اس نے آنے میں دیر لگائی تو عبدالملک نے اس پر لعنت بھیجی۔ حضرت اُمّ الدرداءؓ اس کے محل میں تھیں۔ صبح ہوئی تو عبدالملک سے کہا، تم نے رات اپنے خادم پر لعنت بھیجی۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن شفعاء یا شہداء نہ ہوں گے۔

حضرت اُمّ الدرداءؓ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شوہر حضرت ابو درداءؓ سے چند حدیثیں روایت کی ہیں۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہدِ خلافت میں حضرت ابو درداءؓ کے سامنے وفات پائی۔ یہ سنہ ۳۰ ہجری کا واقعہ ہے۔ حضرت ابو درداءؓ کی دوسری اہلیہ کی کنیت بھی اُمّ الدرداء تھی لیکن وہ صحابیہ نہیں تھیں۔

حضرت حبیبہؓ بنتِ خارجہؓ انصاریہ

خزرج کے خاندان اغر سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

حبیبہؓ بنت خارجہؓ بن زید بن ابی زہیر بن مالک بن امرء القیس بن مالک اغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر

ان کے والد حضرت خارجہؓ بن زید کا شمار کبار صحابہ میں ہوتا ہے۔ بیعت

عقبیہ کبیرہ اور بدر میں شریک ہوئے اور غزوۂ اُحد میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ ہجرتِ نبوی کے بعد حضرت جبیبہؓ کا نکاح حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوا، ان کے صلب سے ایک صاحبزادی اُمِ کلثوم پیدا ہوئیں۔ حضرت جبیبہؓ کا قیام مدینہ منورہ سے کچھ فاصلے پر "سنخ" میں تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ان سے ملنے وہیں جایا کرتے تھے۔ جس دن سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا حضرت ابوبکر صدیقؓ حضورؐ سے اجازت لے کر حضرت جبیبہؓ کے ہاں سنخ گئے ہوئے تھے، وہیں حضورؐ کی رحلت کی ہوش ربا خبر سنی اور گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً مدینہ منورہ پہنچے۔

حضرت جبیبہؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِّ بُردہ خولہ انصاریہؓ

بعض روایتوں میں ان کے والد کا نام منذرؓ بن زید انصاری اور بعض میں زید انصاریؓ آیا ہے۔ ان کا نکاح حضرت براءؓ بن اوس انصاری سے ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کو دودھ پلایا۔ اس کے عوض حضورؐ نے انہیں ایک نخلستان کا قطعہ مرحمت فرمایا لیکن صحیح بخاری میں حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کو دودھ پلانے کی سعادت حضرت اُمِّ سیفؓ کو نصیب ہوئی۔ قاضی عیاضؒ نے لکھا ہے کہ اُمِّ سیفؓ اور اُمِّ بردہ ایک ہی ہیں لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرۃ النبیؐ میں لکھا ہے کہ قاضی عیاضؒ کی تاویل مستبعد نہیں کیونکہ اُمِّ بُردہ کے شوہر حضرت براءؓ بن اوس کی کنیت ابوسیف نہیں تھی۔

مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت خولہؓ بنتِ قیس

مدینہ منوّرہ کی رہنے والی تھیں اور خزرج کے خاندان بنو نجّار سے تھیں۔ ان کا نکاح زمانۂ جاہلیت میں عمِّ رسولؐ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب سے ہوا! اس لحاظ سے حضورؐ کی چچی تھیں۔ حضرت حمزہؓ نے ۶ھ بعد بعثت میں اسلام قبول کیا، خیال یہ ہے کہ وہ بھی ان کے ساتھ ہی شرف ایمان سے بہرہ ور ہوئیں اور پھر چند سال بعد ان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے مدینہ آ گئیں۔

غزوۂ اُحد (۳ھ) میں حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد انہوں نے حضرت نعمانؓ بن عجلان انصاری سے نکاح کر لیا اور عرصہ تک زندہ رہیں۔ ان کو حضورؐ سے بڑی محبت اور عقیدت تھی اور آپؐ کو بھی ان پر بڑا ناز اور اعتماد تھا۔ ابن ماجہؒ نے حضرت ابو سعیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ کسی اعرابی سے قرض لیا، ایک دن وہ حضورؐ کے پاس آیا اور بڑی سختی سے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کو ڈانٹا کہ تو جانتا نہیں، کس سے بات کر رہا ہے؟ اعرابی نے کہا کہ میں تو اپنا حق طلب کر رہا ہوں اس پر حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا، یہ شخص اپنے مطالبے میں سچّا ہے اس لیے تمہیں اس کی حمایت کرنی چاہیے تھی۔ پھر آپؐ نے حضرت خولہؓ بنت قیس کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تمہارے پاس کھجوریں ہوں تو اس شخص کا قرضہ ادا کرنے کے لیے مجھے اُدھار دے دو، جب ہمارے پاس کھجوریں آئیں گی میں تمہارا قرضہ لوٹا دوں گا۔

حضرت خولہؓ کو حضورؐ کا پیغام ملا تو انہوں نے کسی تامّل کے بغیر کہا "میرے ماں باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان، حضورؐ کو جس قدر کھجوریں درکار ہیں بخوشی لے لیں۔" چنانچہ حضورؐ نے ان سے بقدر ضرورت کھجوریں لے کر اس اعرابی کا قرضہ ادا کر دیا اور اس کو کھانا کھلایا۔ جب وہ رخصت ہوا تو آپؐ کو دعائیں دے رہا تھا۔

مسند بزار میں خود حضرت خولہؓ بنتِ قیس سے روایت ہے کہ "حضورؐ پر بنی ساعدہ کے کسی آدمی کی ساٹھ صاع (پانچ من دس سیر) کھجوریں قرض تھیں۔ اس نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، آپؐ نے ایک انصاری کو حکم دیا کہ وہ آپؐ کی طرف سے قرض ادا کردیں۔ انہوں نے فوراً اپنی کھجوریں پیش کیں لیکن اس ساعدی نے انہیں لینے سے انکار کردیا کیونکہ وہ ان کھجوروں سے گھٹیا تھیں جو اس نے حضورؐ کو قرض دی تھیں۔ انصاری نے اس سے کہا، کیا تو حضورؐ کے پاس واپس جارہا ہے۔ اس نے کہا، ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون آدمی حق پسند ہے؟ حضورؐ نے سُنا تو آپؐ آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا، ساعدی نے سچ کہا، مجھ سے زیادہ انصاف کرنے کا کون حقدار ہے، اللہ اس اُمّت کو باقی نہیں رکھتا جس میں اس کا کمزور اس کے قوی سے اپنا حق کسی وقت کے بغیر نہ لے سکے۔ پھر آپؐ نے مجھ (حضرت خولہؓ) سے فرمایا، اے خولہ تم اس کو کھانا کھلاؤ اور اس کا قرضہ ادا کردو، میں نے حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل کی۔"

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خولہؓ بنتِ قیس خاصی آسودہ حال تھیں اور حضورؐ کسی تکلّف کے بغیر ان سے قرض لے لیا کرتے تھے۔

حضرت خولہؓ کے بطن سے حضرت حمزہؓ کے ایک صاحبزادے عمارہ پیدا ہوئے۔ انہی کے نام کی نسبت سے حضرت حمزہؓ کی کنیت ابو عمارہ تھی۔ عمارہ لاولد فوت ہوئے اس طرح ان سے حضرت حمزہؓ کی نسل نہیں چلی۔

حضرت خولہؓ بنتِ قیس کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت انیسہ رضؓ بنتِ عدی

انصار کے کسی قبیلے سے تھیں۔ ان کا نکاح سلمہ بن مالک سے ہوا جو قبیلۂ بلی سے تھے اور قبیلہ اوس میں عمرو بن وہب کے حلیف تھے۔ ان کے صُلب سے عبداللہؓ بن سلمہ پیدا ہوئے جن کا شمار مشہور صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ عبداللہؓ ہجرتِ نبویؐ کے بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قیاس یہ ہے کہ حضرت انیسہؓ نے بھی بیٹے کے ساتھ قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔

حضرت عبداللہؓ بن سلمہ پہلے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور پھر غزوۂ اُحد میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ اسی غزوہ میں وہ مردانہ وار لڑتے ہوئے رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ لڑائی کے بعد حضورؐ نے حکم دیا کہ دو دو تین تین شہداء کو یکجا میدانِ اُحد ہی میں دفن کیا جائے۔ حضرت انیسہؓ کو بیٹے کی شہادت کی خبر ملی تو وہ حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

"یارسول اللہ، میری خواہش ہے کہ اپنے شہید فرزند کو اپنے مکان کے قریب دفن کر دوں تاکہ مجھے کچھ اطمینان رہے"۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیسہؓ کی درخواست قبول فرمائی اور حضرت عبداللہؓ بن سلمہ کو (بطورِ خاص) مدینہ منورہ میں دفن کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت انیسہؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت فریعہؓ بنتِ اسعدؓ بن زرارہ

ان کا تعلق خزرج کے خاندانِ نجّار سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

فریعہؓ بنت اسعدؓ بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج۔

ان کے والد حضرت ابوامامہ اسعدؓ بن زرارہ کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے۔ اکثر روایتوں میں انصار کے سابقینِ اوّلین میں ان کا نام سرِفہرست نظر آتا ہے۔ انہوں نے شوال ۱ھ ہجری میں وفات پائی اور اپنے پیچھے حضرت فریعہؓ اور ایک یا دو کمسن لڑکیاں اور چھوڑیں۔ حضرت اسعدؓ بن زرارہ نے اپنی وفات سے پہلے اپنی لڑکیوں کے متعلق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت کی۔ چنانچہ حضورؐ نے ہمیشہ ان لڑکیوں کا خیال رکھا۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ حضورؐ نے ان بچیوں کو سونے کی بالیاں جن میں موتی پڑے ہوئے تھے، پہنائیں۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ حضرت فریعہؓ سنِ بلوغ کو پہنچیں تو حضورؐ نے ان کا نکاح حضرت نبیطؓ بن جابر سے کر دیا۔

حضرت فریعہؓ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت اُمِّ دحداحؓ

مشہور صحابی حضرت ابوالدحداح ثابتؓ بن دحداح انصاری (شہیدِ اُحد) کی اہلیہ تھیں۔ دونوں میاں بیوی جوشِ ایمان اور اخلاصِ عمل کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ جب سورۃ الحدید کی یہ آیت نازل ہوئی مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِیْمٌ (کون

ہے جو اللہ کو قرض دے، اچھا قرض تاکہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا کر واپس دے اور اس کے لیے بہترین اجر ہے) تو حضرت ابوالدحداح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ، کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟" حضور نے فرمایا، "ہاں اے ابوالدحداح!" حضرت ابوالدحداح نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ذرا اپنا ہاتھ مبارک مجھے دکھایئے۔"

حضور نے اپنا دستِ مبارک ان کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے حضور کا دستِ مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر کہا:

"یا رسول اللہ میں اپنا باغ اللہ تعالیٰ کو قرض دیتا ہوں۔"

یہ باغ جو حضرت ابوالدحداح نے راہِ حق میں صدقہ کر دیا اس میں کھجور کے چھ سو درخت تھے، اسی میں ان کا گھر تھا اور وہیں ان کے بال بچے رہتے تھے۔ حضور سے یہ یہ بات کر کے وہ سیدھے گھر پہنچے اور اہلیہ (اُمِّ دحداح) کو پکار کر کہا "دحداح کی ماں باہر آجاؤ۔ میں نے یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے۔"

حضرت اُمِّ دحداح بولیں: ابوالدحداح تم نے نفع کا سودا کیا ہے۔" یہ کہہ کر اپنا سامان اور بچے لے کر باغ سے باہر آگئیں۔

ایک اور روایت میں جو حضرت انس بن مالک سے مروی ہے اس واقعہ کو کسی قدر مختلف صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا "یا رسول اللہ میں اپنے مکان کی دیوار اٹھانا چاہتا ہوں، بیچ میں فلاں شخص کا کھجور کا درخت ہے۔ اگر آپ اس سے کہہ دیں کہ وہ یہ درخت مجھے دے دے تو میں اپنی دیوار کی ٹیک اس سے لگا کر دیوار کو بآسانی مکمل کر سکوں گا۔"

آپ نے اس آدمی سے فرمایا کہ تم اپنا وہ درخت اس کو دے دو، اس کے عوض اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں کھجور کا درخت عطا فرمائے گا۔ اس آدمی نے اپنا درخت دینے میں عذر کیا۔ حضرت ابوالدحداح کو معلوم ہوا تو وہ اس شخص کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ تم اپنا کھجور کا درخت مجھے دے دو اور اس کے عوض میرا کھجور کا باغ لے لو

اس نے یہ بات منظور کرلی۔ اس کے بعد ابوالدحداح حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، یارسول اللہ میں نے اس آدمی سے وہ کھجور کا درخت اپنے باغ کے بدلے میں خرید لیا ہے، یہ میں آپؐ کی نذر کرتا ہوں آپ اس ضرورت مند کو دے دیجئے۔ یہ سُن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور کئی بار فرمایا: "ابوالدحداحؓ کے لیے جنت میں کھجور کے کتنے بڑے اور بھاری خوشے ہیں۔" اس کے بعد حضرت ابوالدحداحؓ اپنی اہلیہ کے پاس پہنچے اور ان سے کہا "اے اُمّ دحداح اس باغ سے نکل چل، میں نے اس باغ کو جنت کے کھجور کے عوض بیچ ڈالا ہے" بیوی نے کہا، "یہ تو بڑا نفع مند سودا ہوا۔"

حضرت اُمِّ دحداحؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوالدحداحؓ نے صلح حدیبیہ کے بعد وفات پائی، تو اپنے پیچھے کوئی اولاد نہ چھوڑی۔ غالباً اُمِّ دحداح بھی ان کی زندگی میں وفات پاچکی تھیں کیونکہ حضورؐ نے حضرت ابوالدحداحؓ کا ترکہ ان کے بھانجے حضرت ابولبابہ انصاریؓ کو دیا۔ (اُسدالغابہ۔ ابنِ اثیر)

حضرت رُبَیّعؓ بنتِ نضر

ان کا تعلق انصار کے معزز ترین خاندان بنونجار سے تھا سلسلہ نسب یہ ہے:

ربیّع بنتِ نضر بن ضمضم بن زید بن حرام بن جندب بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار۔

جلیل القدر صحابی حضرت انسؓ بن نضر شہیدِ اُحد ان کے حقیقی بھائی اور خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انسؓ بن مالک ان کے حقیقی بھتیجے تھے۔

ان کا نکاح اپنے ہی خاندان کے ایک شخص سراقہ بن حارث سے ہوا۔ ان کے صلب سے ایک صاحبزادے حارثہؓ پیدا ہوئے۔ سراقہ ہجرتِ نبویؐ سے پہلے ہی وفات پاگئے اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور نہ ہوسکے۔ البتہ حضرت ربیّعؓ اور ان کے فرزند

حارثہؓ نے ہجرتِ نبویؐ سے کچھ عرصہ قبل یا ہجرت کے فوراً بعد قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کی۔ حضرت رُبیعؓ نے نہایت دلسوزی کے ساتھ اپنے یتیم فرزند کی پرورش کی اور ان کو باپ کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ حارثہؓ اپنی ماں کے نہایت فرماں بردار اور خدمت گزار تھے اور ماں بھی ان سے والہانہ محبت کرتی تھیں۔ ۲ھ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے تو حارثہؓ بھی گھوڑے پر سوار حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ میدانِ کارزار میں لبِ حوض پانی پینے کے لیے کھڑے تھے کہ ایک مشرک حبان بن العرقہ نے تاک کر ایک تیر ان کی طرف چلایا جو ان کے گلے میں پیوست ہوگیا اور اسی کے صدمہ سے جامِ شہادت نوش کر کے خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔

حضرت حارثہؓ کی شہادت کی خبر سن کر حضرت رُبیعؓ کو سخت صدمہ پہنچا لیکن انہوں نے بڑے صبر واستقلال سے کام لیا۔ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے مدینہ منورہ کو مراجعت فرمائی تو انہوں نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا،

"یا رسول اللہ حارثہ میرا نہایت اطاعت گزار اور محبوب فرزند تھا۔ اس کی جدائی کا جس قدر صدمہ میرے دل پر ہے اس کو آپ خوب جانتے ہیں۔ میں نے چاہا تھا کہ اس کے غم میں گریہ وزاری کروں لیکن پھر سوچا کہ جب تک آپ سے یہ بات نہ پوچھ لوں کہ حارثہؓ اب کس حال میں ہے، خاموش رہوں گی۔ اگر وہ جنت میں ہے تو صبر کروں گی اور اگر وہ جہنم میں ہے تو اللہ دیکھے گا کہ میں اس کے غم میں اپنا کیا حال کرتی ہوں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو، حارثہ تو جنت الفردوس میں ہے۔"

یہ سن کر حضرت ربیعؓ خوش ہوگئیں اور بے اختیار ان کی زبان سے نکلا "بخ بخ یا حارثہ" (واہ واہ اے حارثہ)

اس کے بعد انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ اب میں حارثہ کے لیے کبھی نہ روؤں گی۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت رُبیعؓ کے ہاتھ سے ایک انصاری لڑکی کا دانت ٹوٹ گیا۔ اس کے اہلِ خاندان نے قصاص کا مطالبہ کیا۔ حضورؐ نے ان

کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا کہ دانت کے بدلے دانت اور جان کے بدلے جان ہی خدائی قانون ہے۔ حضرت رُبَیّعؓ کے بھائی حضرت انسؓ بن النضر بھی اس موقع پر حاضر تھے انہوں نے بہن کی محبت کے جوش میں فرمایا: "خدا کی قسم رُبَیّعؓ کا دانت نہ توڑا جائے گا۔" حضورؐ نے فرمایا، "یہی خدا کا حکم ہے۔ ہاں اگر مدّعی دِیَت قبول کرے تو قصاص ٹل سکتا ہے۔" خدا کی قدرت مضروب لڑکی کے متعلقین دِیَت لینے پر راضی ہو گئے اور حضرت رُبَیّعؓ قصاص سے بچ گئیں۔ اس موقعہ پر حضورؐ نے فرمایا:

"اللہ کے بعض نیک بندے ایسے ہیں کہ جب کسی بات پر قسم کھا بیٹھتے ہیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔"

حضرت رُبَیّعؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت بَرِیرہؓ

حضرت بَرِیرہؓ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آزاد کردہ کنیز تھیں۔ ان کے شرفِ اسلام اور صحابیت پر سب اہلِ سیَر کا اتفاق ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اُمّ المؤمنینؓ کی خدمت میں آنے سے پہلے وہ جس شخص کی لونڈی تھیں اس سے انہوں نے طے کیا کہ وہ نو (یا پانچ) اوقیہ سونا سالانہ قسطوں میں ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائیں گی لیکن پھر انہیں اتنا طویل عرصہ غلامی میں گزارنا گوارا نہ ہوا۔ ایک دن اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری مدد کیجیے اور اپنی کنیز بنا لیجیے۔ اُمّ المؤمنینؓ نے زرِ مکاتبت کی پوری رقم یکمشت دینے کا وعدہ فرما لیا۔ ان کے آقا سے دریافت کیا گیا تو وہ ان کو فروخت کرنے پر تو رضامند ہو گیا لیکن اپنا حقِ وراثت برقرار رکھنے پر مُصر ہوا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپؐ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ وراثت کا حق اُسی شخص کو پہنچتا ہے جو کسی غلام (یا لونڈی) کو خرید کر آزاد کر

دے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضورؐ نے لوگوں کو جمع کیا اور ایک خطبہ دیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ ایسی شرطیں کرنا چاہتے ہیں، جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے۔ یاد رکھو جو شرط اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ نہایت سچا ہے اور اس کی شرط نہایت پختہ ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ولاء (غلام کی وراثہ) غلام آزاد کرنے والے ہی کی ہوتی ہے۔" چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حضرت بریرہؓ کو خرید کر آزاد کر دیا لیکن انہوں نے اُمّ المومنینؓ کی خدمت ہی میں رہنا پسند کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فیض صحبت کے ساتھ وہ فیضانِ نبوی سے بھی خوب بہرہ یاب ہوئیں اور معدنِ فضل و کمال بن گئیں۔ اربابِ سیر کا بیان ہے کہ تمام مسلمان جن میں اکابر صحابہؓ بھی شامل تھے، حضرت بریرہؓ کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

مسندِ ابو داؤد میں ہے کہ حضرت بریرہؓ کی شادی حضرت مغیثؓ سے ہوئی تھی جو ایک حبشی غلام تھے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے۔ حضرت بریرہؓ کو کسی وجہ سے ان سے نفرت ہو گئی۔ آزاد ہوئیں تو ان سے قطع تعلق کرنا چاہا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان کو اس سے روکنا چاہا۔ حضرت بریرہؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ یہ آپ کا حکم ہے؟" فرمایا، نہیں میں سفارش کرتا ہوں۔ حضرت بریرہؓ نے مغیثؓ کے ساتھ رہنے سے معذرت کر دی۔ اس پر حضورؐ نے دونوں کی علیحدگی پر صاد کر دیا اور حکم دیا کہ بریرہؓ ایک مطلقہ عورت کی طرح عدت پوری کریں۔ حضرت مغیثؓ کو بریرہؓ سے بہت محبت تھی اس علیحدگی سے وہ اتنے دل گرفتہ ہوئے کہ مدینہ منورہ کی گلیوں میں ان کے پیچھے روتے پھرتے تھے، ایک مرتبہ حضورؐ نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت عباسؓ سے فرمایا: "چچا جان، مغیث کی محبت اور بریرہؓ کی نفرت آپ کو عجیب نہیں معلوم ہوتی۔"

حضرت بریرہؓ اس قدر مفلس تھیں کہ ان پر صدقہ کا مال حلال تھا چنانچہ بعض لوگ ان کو صدقہ بھیجا کرتے تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ان کے پاس جو کچھ صدقہ میں آتا

تھا وہ ازواج مطہرات کو ہدیتہً دے دیا کرتی تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ چولھے پر ہانڈی رکھی ہے اور اس میں گوشت پک رہا ہے۔ لیکن کھانے کے وقت آپؐ کے سامنے گوشت کے بجائے کوئی اور چیز رکھی گئی تو آپؐ نے اس کا سبب دریافت فرمایا، ازواج مطہرات (یا حضرت عائشہ رض صدیقہ رض) نے آپؐ کو بتایا کہ گوشت بریرہ رض کو صدقے میں ملا ہے اور انہوں نے ہمیں ہدیتہً دیا ہے۔ ہم نے مناسب نہیں سمجھا کہ صدقے کا گوشت آپ کی خدمت میں پیش کریں۔

حضورؐ نے فرمایا کہ یہ بریرہ رض کے لیے صدقہ ہے لیکن ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

واقعۂ افک (اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رض پر تہمت طرازی) کے موقع پر حضرت بریرہ رض نے جن الفاظ میں اُمّ المؤمنین کی پاک دامنی کی تصدیق کی وہ ان کی کتابِ سیرت کا درخشندہ باب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے ان سے اس بہتان کے بارے میں کنایتہً پوچھا گیا تو وہ سمجھیں کہ یہ استفسار عام خانہ داری کے سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کے طرزِ عمل کے بارے میں ہے، بولیں، اور تو کوئی برائی نہیں البتہ بچپن ہے سو جاتی ہیں اور بکری آٹا کھا جاتی ہے۔

اس پر صاف لفظوں میں ان سے اس بہتان کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے بے ساختہ کہا۔ "سبحان اللہ خدا کی قسم جس طرح سنار کھرے سونے کو جانتا ہے اسی طرح میں اُمّ المؤمنین عائشہ رض کو جانتی ہوں وہ بالکل بے عیب ہیں۔"

بعض روایتوں میں ہے کہ اس سلسلے میں ان پر سختی بھی کی گئی لیکن وہ اپنے بیان پر قائم رہیں اور اس سے سرِمُو انحراف نہ کیا یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ صدیقہ رض کی پاک دامنی کی تصدیق کر دی۔

حضرت بریرہ رض کا سالِ وفات کسی سیرت نگار نے نہیں لکھا البتہ مختلف روایات

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال (سنہ ۱۱ھ) کے بعد بہت عرصہ تک زندہ رہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی ؒ نے "سیرۃ عائشہ رضؓ" میں صحیح بخاری کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی تھیں کہ بریرہ ؓ کے ذریعہ سے اسلام کے تین احکام معلوم ہوئے۔

۱۔ الولاء لمن اعتق یعنی ولایت (وراثت) کا حق آزاد کنندہ کو ملے گا۔

۲۔ غلامی کی حالت میں اگر ایک غلام اور ایک لونڈی کا بیاہ ہوا ہو اور بیوی آزاد ہو جائے اور شوہر غلامی کی حالت میں رہے تو بیوی کو حق حاصل ہے کہ اپنے اس سابق شوہر کو شوہری میں قبول کرے یا نہ کرے۔

۳۔ اگر کسی مستحق کو صدقہ کا کوئی مال ملے اور وہ اپنی طرف سے غیر مستحق کو ہدیۃً پیش کرے تو اس غیر مستحق کو اس کا لینا جائز ہوگا یعنی اس کی حیثیت بدل جائے گی۔

حضرت بُریرہ ؓ سے کئی احادیث بھی مروی ہیں۔ ان کے تلامذہ اور شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع ہے، ان سے سماعِ حدیث کرنے والوں میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان بھی شامل ہے، کہا جاتا ہے کہ خلیفہ بننے سے پہلے وہ ایک مرتبہ حضرت بریرہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اس سے مخاطب ہو کر بڑے زوردار انداز میں یہ الفاظ کہے:

> "عبدالملک غور سے سنو، میں تم میں کچھ ایسے آثار دیکھ رہی ہوں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی دن تمہیں حکومت عطا کرے گا۔ اگر تم حکمران بن گئے تو قتل و غارت اور خونریزی سے ہمیشہ بچنا۔ میں یہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کو ناحق قتل کیا ہوگا تو اس کو دھکے دے کر جنت کے دروازے سے پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔"

حضرت بریرہ ؓ کے گلشنِ اخلاق میں حُبِّ رسول، تحمل، بردباری، استغنا، زہد و اتقا

حق گوئی، سلامتیٔ طبع اور مخلوقِ خدا کی خیر اندیشی سب سے خوش رنگ پھول تھے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور دوسرے متعلقین کا بے حد احترام کرتی تھیں عبادتِ الٰہی سے بڑا شغف تھا، حضورؐ کی احادیث بیان کرنے لگتیں تو فرطِ عقیدت و احترام سے ان پر رقت طاری ہو جاتی اور آنکھیں نم ہو جاتیں۔

بعض روایات میں حضرت بریرہؓ کے متعدد اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ ان سے اُن کی مومنانہ بصیرت اور فراست کا ثبوت ملتا ہے۔ ان میں سے چند اقوال یہ ہیں:

۱۔ کسی کو نیکی کی بات بتانے میں بخل کرنا امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔

۲۔ ہمیشہ رزقِ حلال سے اپنا پیٹ بھرو کہ اس میں بے شمار برکتیں ہیں۔

۳۔ لغو باتیں کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، پرہیزگار وہی ہے جو اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ ضرورت سے زیادہ باتیں کرنے والا دروغ گوئی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۴۔ کسی کے ساتھ نیکی کرو تو اس کا بدلہ نہ چاہو۔

۵۔ بہادر وہ ہے جو کمزور اور ناتواں پر وار نہیں کرتا اور نہ کمزور سے انتقام لیتا ہے۔

۶۔ غنی وہ ہے جو حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

۷۔ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے احتراز کرو کہ ایسا کرنا بعض اوقات ذلت کا باعث بن جاتا ہے۔

۸۔ دنیا کے فائدے چند روزہ ہیں ان کے حصول کے لیے زیادہ دوڑ دھوپ نہ کرو۔

۹۔ جھوٹ بولنا بہت بڑا فتنہ ہے ہمیشہ راست بازی سے کام لو۔

۱۰۔ اپنا کام خود کرو اور دوسروں کے محتاج نہ بنو۔

۱۱۔ بات ہمیشہ سیدھی اور صاف کرو اور کسی کو غلط فہمی میں مبتلا کر کے اپنا مطلب نہ نکالو۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت اُمِّ سنبلہؓ

طبرانیؒ اور ہیثمیؒ نے ایک صحابیہ حضرت اُمِّ سنبلہؓ کا ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ کوئی ہدیہ لے کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضورؐ کی ازواجِ مطہراتؓ نے کسی وجہ سے ان کا ہدیہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حضورؐ نے ازواجِ مطہرات سے فرمایا کہ اس کا ہدیہ قبول کرلو، انہوں نے تعمیل ارشاد کی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہدیہ کے عوض حضرت اُمِّ سنبلہ کو ایک جنگل بطورِ جاگیر عطا فرمایا۔

حضرت قیلہؓ

علامہ ابن سعدؒ نے ایک صحابیہ حضرت قیلہؓ کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت قیلہؓ بیوہ ہو گئیں تو بچوں کو ان کے چچا نے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اس طرح حضرت قیلہؓ بچوں کی طرف سے بے فکر ہو گئیں۔ اس کے بعد وہ ایک صحابی کے ہمراہ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئیں اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و تعلیمات سے عمر بھر فائدہ اٹھاتی رہیں (یعنی بارگاہِ نبوت میں باقاعدہ حاضری کو انہوں نے اپنا معمول بنالیا۔)

حضرت اُمِّ اسحاقؓ

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "اصابہ" میں اور ابو نعیمؒ نے "دلائل" میں ایک صحابیہ حضرت اُمِّ اسحاقؓ کا ذکر کیا ہے جنہیں ہجرت سے قبل قبول اسلام کا شرف حاصل ہوا تاہم انہوں نے ہجرتِ نبویؐ کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ خود ان سے

روایت ہے کہ میں نے اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ اثنائے راہ میں میرے بھائی نے ایک جگہ مجھ سے کہا:

"اُمّ اسحاق تم یہاں ٹھہرو میں اپنا نفقہ مکہ میں بھول آیا ہوں، اسے جاکر واپس لے آؤں۔"

میں نے کہا کہ مجھے اپنے مشرک شوہر کا خوف ہے کہ وہ تمہیں گزند نہ پہنچائے میرے بھائی نے کہا، "اللہ نے چاہا تو میں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔"

اُمِّ اسحاقؓ کہتی ہیں کہ میں کئی دن تک وہاں ٹھہری رہی لیکن میرا بھائی واپس نہ آیا۔ ایک دن ایک شخص وہاں سے گزرا جس کو میں نے پہچان لیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا، اُمّ اسحاق تم یہاں کس لیے بیٹھی ہو، میں نے کہا، میں اپنے بھائی کے انتظار میں ہوں جو کئی دن ہوئے مجھے یہاں بٹھا کر مکہ سے اپنا نفقہ لینے گیا تھا۔

اس شخص نے کہا کہ افسوس تیرے بھائی کو تیرے شوہر نے قتل کر دیا اور اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔

اس کے بعد میں طویل پُر صعوبت سفر کے بعد مدینہ منوّرہ پہنچ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت آپ وضو فرما رہے تھے، میں آپؐ کے سامنے کھڑی ہوگئی اور روتے ہوئے عرض کی، یا رسول اللہ میرے بھائی کو قتل کر دیا گیا ہے، حضورؐ نے میری بات سن کر ایک مٹھی پانی لیا اور میرے چہرے پر چھڑک دیا۔

حضرت اُمِّ حکیمؓ کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت اُمّ اسحاقؓ کو ایسی تسکین حاصل ہوئی کہ ان پر کوئی بڑی سے بڑی مصیبت بھی پڑتی تو وہ روتی نہیں تھیں اگرچہ ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔

حضرت اُمّ المنذرؓ بنتِ قیس

انصار کے کسی خاندان سے تھیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت

اور محبت تھی۔ حضورؐ کو بھی ان پر بہت اعتماد تھا۔ علامہ ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ غزوۂ بنو قریظہ میں حضرت ریحانہؓ بھی اسیر ہو کر آئیں۔ حضورؐ نے ان کو بڑی احتیاط کے ساتھ حضرت اُمّ المنذرؓ بنتِ قیس کے گھر میں ٹھہرایا۔ جب حضرت ریحانہؓ نے اسلام قبول کر لیا تو حضورؐ نے انہیں آزاد کر کے اپنے حبالۂ نکاح میں لے لیا یا بروایت دیگر آپؐ نے انہیں اپنی ملک میں رکھا۔ بہر صورت اس کے بعد وہ حضرت اُمّ المنذرؓ کے گھر سے دارِ قیس بن فہد میں منتقل ہو گئیں۔

حضرت اُمّ المنذرؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت حوّاؓ بنتِ یزید

مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں اور اوس کے خاندان "بنو عبدالاشہل" سے تعلق تھا۔ نسب نامہ یہ ہے۔

حوّاؓ بنت یزید بن سنان بن کرز بن زعورا بن عبدالاشہل۔

ان کا نکاح قیس بن حطیم سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوّاؓ کو نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے بیعت عقبۂ اولیٰ اور بیعت عقبۂ ثانیہ کے درمیانی عرصے میں ان کے کان دعوتِ توحید سے آشنا ہوئے تو بلا تامل شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئیں حالانکہ ان کے شوہر ابھی کفر و شرک کے اندھیروں میں بھٹک رہے تھے۔ وہ حضرت حوّاؓ کے قبولِ اسلام پر سخت جز بز ہوئے اور ان کو طرح طرح سے ستانے لگے۔ نماز پڑھنا چاہتیں تو اس سے روکتے۔ سجدہ کرنے لگتیں تو گرا دیتے۔ یہاں تک کہ زدوکوب سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ حضورؐ کو مدینہ کے بعض اہلِ حق کے ذریعہ حضرت حوّاؓ کی مظلومی کا حال معلوم ہوا تو آپؐ بہت آزردہ خاطر ہوئے۔ اتفاق سے اسی زمانے میں قیس کسی ضرورت سے مکہ آئے۔ حضورؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی

انہوں نے یہ کہہ کر مہلت چاہی کہ ابھی میں آپ کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہوں حضورؐ نے فرمایا، بے شک تم خوب غور کرو لیکن اپنی بیوی پر اسلام لانے کی وجہ سے ظلم نہ کرو اور اس سے اچھا سلوک کرو۔

قیس نے وعدہ کیا کہ اب میں حوّا کو نہیں ستاؤں گا۔ مدینہ پہنچ کر انھوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور حوّاؓ سے اچھا سلوک کرنے لگے۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے قیس کی وعدہ ایفائی پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ قیاس یہ ہے کہ قیس بھی بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

حضرت حوّاؓ کا شمار انصار کی سابقین اوّلین جماعت میں ہوتا ہے۔
مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت خلیدہؓ بنتِ قیس

انصار کی ان خواتین میں سے ہیں جو ہجرتِ نبوی سے پہلے شرفِ اسلام سے بہرہ یاب ہوئیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔

خلیدہؓ بنتِ قیس بن ثابت بن خالد بن اشجع

ان کا نکاح مشہور صحابی حضرت براءؓ بن معرور انصاری سے ہوا وہ خزرج کے خاندان بنو سلمہ کے رئیس تھے۔ ان کے صلب سے ایک صاحبزادے بشرؓ اور ایک بیٹی سلافہؓ تھیں۔ ان دونوں کو شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ بشرؓ بیعت عقبہ کبیرہ (سـ۱۳ـہ بعد بعثت) میں اپنے والد کے ساتھ شریک تھے۔ باپ بیٹے نے اس بیعت سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضرت براءؓ بن معرور نے ہجرتِ نبویؐ سے صرف ایک مہینہ پہلے وفات پائی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ نے حضرت بشرؓ کو باپ کی جگہ بنو سلمہ کا سردار (نقیب) مقرر

فرمایا۔ وہ غزوہ خیبر میں حضورؐ کے ہم رکاب تھے، اس غزوہ کے موقع پر حضورؐ کو بکری کے گوشت میں زہر دیا گیا تو اس کے کھانے والوں میں حضرت بشرؓ بھی تھے۔ اسی زہر کے اثر سے انہوں نے وفات پائی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضورؐ کے مرض وفات میں حضرت خلیدہؓ آپ کی عیادت کے لیے آئیں اور حضورؐ کے تن مبارک پر ہاتھ رکھ کر عرض کیا " یا رسول اللہ ایسا تیز بخار میں نے کسی کا نہیں دیکھا۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ " جس طرح ہم کو دوسروں سے زیادہ اجر دیا جاتا ہے اسی طرح تکلیفوں کی شدت بھی دوسروں سے دگنی ہوتی ہے۔" پھر پوچھا " لوگوں کا میری بیماری کے بارے میں کیا خیال ہے۔" انہوں نے عرض کیا۔ " ان کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات الجنب ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ " الٰہی اس بلا سے مجھ کو محفوظ رکھنا، یہ تو اس زہر کا اثر ہے جو میں نے اور تیرے بیٹے نے خیبر میں کھایا تھا، یہ اندر ہی اندر کام کرتا رہا۔"

علامہ ابن سعدؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خلیدہؓ نے حضورؐ سے دریافت کیا۔ " یا رسول اللہ کیا مردے بھی پہچانے جاتے ہیں۔" حضورؐ نے فرمایا، پاک روح تو جنت میں ایک سبز پرندے کی طرح ہے اگر پرندے درخت کے پتوں میں پہچانے جاتے ہیں تو وہ بھی پہچانے جا سکتے ہیں۔

حضرت خلیدہؓ سے کچھ اور احادیث بھی مروی ہیں۔ ان کی صاحبزادی سلافہؓ مشہور صحابی حضرت ابو قتادہؓ کی اہلیہ تھیں ــــ حضرت خلیدہؓ کے اس سے زیادہ حالات نہیں ملتے۔

حضرت کبشہؓ بنتِ معن انصاریہ

انصار کے کسی قبیلے سے تھیں۔ ان کا نکاح حضرت ابو قبیسؓ بن اسلت انصاری

سے ہوا، وہ فوت ہوئے تو ان کی بیوہ (حضرت کبشہؓ) کے سوتیلے بیٹے قیس نے جاہلیت کی رسم کے مطابق ان کے نکاح کا وارث ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت کبشہؓ نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: "یا رسول اللہ میرے مرحوم شوہر کے اقربا سے میرا پیچھا چھڑایئے تاکہ میں دوسری جگہ نکاح کر سکوں۔"

اس وقت سورہ نسآء کی یہ آیت نازل ہوئی:

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا یَحِلُّ لَکُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَیْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ یَأْتِینَ بِفَاحِشَةٍ مُبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (نساء آیت: ۱۹)

ترجمہ (اے مومنو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے جبراً وارث اور مالک بن جایا کرو اور انہیں اس غرض سے مقید نہ کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے ان کو دیا ہے اس کا کوئی حصہ وصول کر لو مگر اس صورت میں کہ ان سے کوئی صریح ناشائستہ حرکت سرزد ہو اور ان کے ساتھ خیر و خوبی سے گزران کرو۔)

اس آیت کے نزول کے بعد رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ ہو جانے والی خواتین کو پورا اختیار دیا کہ وہ عدّت گزارنے کے بعد جہاں چاہیں نکاح کریں۔

حضرت کبشہؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِّ ہشام انصاریہؓ

جلیل القدر صحابی حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کی صاحبزادی تھیں۔ ان کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی۔ جمعہ کی نماز باقاعدگی سے مسجد میں جا کر حضورؐ کی اقتدا میں پڑھا کرتی تھیں۔ صحیح مسلم میں ان سے روایت ہے کہ میں نے سورہ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِیدِ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے

سیکھا ہے جس کو آپ ہر جمعہ کے دن منبر پر خطبہ میں پڑھتے تھے۔
مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

زوجۂ حضرت ابو حمید ساعدیؓ

انصار کے کسی قبیلے سے تھیں اور مشہور صحابی حضرت ابو حُمید ساعدی انصاریؓ کی اہلیہ تھیں۔ ان کو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی اور عبادت سے بھی بڑا شغف تھا۔ ایک مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان میرا جی بہت چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھا کروں۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہو لیکن تمہارا اپنی مخصوص کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم گھر کے دوسرے کمروں میں نماز پڑھو اور تمہارا گھر کے کسی کمرے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم گھر کی چار دیواری (صحن) میں کسی جگہ نماز پڑھو اور تمہارا گھر کی چار دیواری میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم اپنے قبیلے (محلے) کی مسجد میں نماز پڑھو اور تمہارا قبیلے (محلے) کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تم میری مسجد میں نماز پڑھو۔"

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر انہوں نے اپنے گھر کے ایک کونے میں اپنے لیے نماز کی جگہ بنوائی اور جب تک زندہ رہیں اسی جگہ نماز ادا کرتی رہیں۔

سالِ وفات اور دوسرے حالات معلوم نہیں۔

حضرت ازدہؓ بنت حارث

عرب کے شہرۂ آفاق طبیب حارث بن کلدہ ثقفی کی بیٹی اور جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت عتبہؓ بن غزوان کی اہلیہ تھیں۔ انہوں نے عراق عرب کے کئی معرکوں میں اپنے شوہر کے ساتھ مجاہدانہ شرکت کی۔ طبری نے لکھا ہے کہ دریائے دجلہ کے قریب اہل میسان اور مسلمانوں کے درمیان خونریز لڑائی ہوئی۔ اسلامی لشکر کے سپہ سالار حضرت مغیرہؓ عورتوں کو میدانِ جنگ سے بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے، جس وقت دونوں فوجوں میں گھمسان کی جنگ جاری تھی ازدہؓ نے عورتوں سے کہا کہ اس وقت اگر ہم مسلمانوں کی مدد کرتے تو نہایت مناسب تھا۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے دوپٹے کا ایک بڑا علم بنایا۔ دوسری خواتین نے بھی اپنے اپنے دوپٹوں کے چھوٹے چھوٹے جھنڈے بنا لیے پھر یہ سب پرچم اڑاتی ہوئی موقع جنگ کے قریب پہنچ گئیں۔ اہلِ میسان نے سمجھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لیے تازہ دم فوج پہنچ گئی۔ ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت عتبہؓ بن غزوان مدینۃ الفرات کے لوگوں سے نبرد آزما ہوئے تو حضرت ازدہؓ بھی ان کے ساتھ تھیں وہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ابھارتی تھیں۔ اور جوش دلاتی تھیں۔

بعض روایتوں میں ان کا نام اردہ درج ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت اُمِّ ابان رضؓ

واقدی کا بیان ہے کہ اُمِّ ابانؓ عتبہ بن ربیعہ (مقتولِ بدر) کی بیٹی تھیں۔ (اگر یہ درست ہے تو وہ حضرت ابوسفیانؓ کی اہلیہ اور امیر معاویہؓ کی والدہ ہندؓ بنت عتبہ کی بہن ہیں) انہوں نے شام کے کئی معرکوں میں بے مثل شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ ان کا نکاح مشہور صحابی حضرت ابانؓ بن سعید بن العاص سے ہوا تھا۔

دمشق کی لڑائی میں ابانؓ بن سعید توما حاکم دمشق کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تو حضرت اُمِّ ابانؓ نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنے شوہر کا انتقام لیں گی۔ چنانچہ وہ اپنے شہید شوہر کے ہتھیار لگا کر میدانِ جنگ میں پہنچ گئیں اور دیر تک رومیوں کا مقابلہ کرتی رہیں۔ رومیوں نے شہر میں گھس کر دروازے پھر بند کر دیے اور فصیل کے برجوں سے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔ ایک برج میں ان کا ایک بڑا پادری طلائی صلیب ہاتھ میں لیے فتح کی دعا مانگ رہا تھا۔ حضرت اُمِّ ابانؓ بڑی ماہر قدر انداز تھیں۔ انہوں نے تاک کر ایسا تیر مارا کہ صلیب اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قلعہ کے نیچے گر پڑی۔ مسلمانوں نے دوڑ کر اسے اٹھا لیا۔ اس پر رومیوں نے مشتعل ہو کر شہر کا بڑا دروازہ کھول دیا اور باہر نکل کر مسلمانوں پر پُرزور حملہ کر دیا، اُمِّ ابانؓ نے رومیوں پر تیروں کی ایسی بارش کی کہ وہ بلبلا اٹھے لیکن حاکم دمشق توما کسی طرح پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتا تھا، حضرت اُمِّ ابانؓ نے تاک کر اس کی آنکھ میں ایسا تیر مارا کہ وہ چیختا ہوا پیچھے کی طرف بھاگ گیا۔ اس وقت اُمِّ ابانؓ یہ رجز پڑھ رہی تھیں:

ام ابان فاطلبی بثارک ۔ صولی علیہم صولۃ المتدارک ۔ قد جمع القوم من بنا لک ۔

(اُمِ ابان تو اپنا انتقام لے۔ ان پر پے در پے حملے کیے جا۔ رومی تیرے تیر دل سے چیخ اٹھیں)

حضرت اُمِ ابان رضہ نے جنگِ شحورا اور جنگِ انطاکیہ وغیرہ میں بھی اسی طرح کے محیّر العقول کارنامے انجام دیے۔

حضرت اُمِّ مسطح رضہ

اصل نام معلوم نہیں۔ مشہور صحابی حضرت مسطح رضہ بن اُثاثہ کی والدہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضہ کی قریبی رشتہ دار تھیں۔ اہلِ سیر نے یہ تصریح نہیں کی کہ ان کا سیدنا صدیقِ اکبر رضہ سے کیا رشتہ تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ وہ ان کی خالہ تھیں اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ صدیقِ اکبر رضہ کی خالہ زاد بہن تھیں۔

حضرت اُمِ مسطح رضہ بہت ابتدا میں سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں۔ نہایت راسخ العقیدہ اور ثابت قدم مؤمنہ تھیں۔ واقعۂ افک میں منافقین نے جب اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ پر بہتان باندھا تو بعض سادہ مسلمان بھی ان کے دامِ فریب میں آ گئے۔ ان میں حضرت مسطح رضہ بھی شامل تھے۔ غزوۂ بنو مصطلق سے واپس آکر جب انہوں نے یہ واقعہ اپنی ماں سے بیان کیا تو وہ سخت غضب ناک ہوئیں اور بیٹے کو بہت کچھ بُرا بھلا کہا۔

انہی دنوں ایک شب حضرت اُمِ مسطح رضہ، اُمّ المومنین کے ساتھ قضائے حاجت کے لیے آبادی سے باہر جا رہی تھیں کہ راستے میں کسی چیز سے ٹھوکر لگی، ان کا دل بیٹے کی طرف سے دُکھا ہوا تھا۔ بے اختیار منہ سے مسطح رضہ کے لیے بددعا نکلی۔ اُمّ المومنین نے فرمایا: "اماں آپ کا فرزند بدری صحابی ہے آپ اس کو بددعا دیتی ہیں؟"

اُمِ مسطح رضہ نے کہا: "خدا اسے غارت کرے وہ لوگوں کی افترا پردازی میں شریک

ہوگیا ہے۔" اس کے بعد تمام واقعہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو سنایا۔ وہ سکتے میں آ گئیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی بریت کی اور پاکدامنی کی تصدیق کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت مسطحؓ سے بہت کبیدہ خاطر ہوئے کیوں کہ وہ نہ صرف قریبی عزیز تھے بلکہ صدیق اکبرؓ ان کو مالی امداد بھی دیا کرتے تھے اس کے باوجود وہ منافقین کے بہکاوے میں آ گئے تھے، اسی ناراضی کے سبب حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کی امداد روک دی۔ اس پر بارگاہِ الٰہی سے یہ حکم نازل ہوا:

"تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ مقدرت ہیں۔ وہ قرابت داروں، مسکینوں اور مہاجرین فی سبیل اللہ کو مدد نہ دینے کی قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔" (سورۂ نور)

اس حکم کے نازل ہونے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی امداد بحال کر دی تاہم اللہ کے حکم کے مطابق حضرت مسطحؓ پر حد جاری ہوئی۔ اگر امّ مسطحؓ اپنے فرزند کا لحاظ کرتیں تو وہ بچ سکتے تھے، لیکن انہوں نے ہر قسم کے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر حق گوئی سے کام لیا۔

حضرت ہندؓ بنتِ عمرو بن حرام انصاریہ

ان کا تعلق خزرج کی شاخ بنو سلمہ سے تھا، نسب نامہ یہ ہے:

ہندؓ بنتِ عمرو بن حرام بن ثعلبہ بن حرام بن کعب بن غنم بن سلمہ بن علی بن اسد بن ساردہ بن یزید بن جشم بن خزرج۔

حضرت ہندؓ کی شادی سید الانصار حضرت عمروؓ بن جموح سے ہوئی، ان کا شمار انصار کے جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے لیکن حضرت ہندؓ کو تقدم فی الاسلام میں ان پر فضیلت حاصل ہے۔ حضرت عمروؓ بن جموح ہجرتِ نبوی کے بعد (غزوہ بدر سے کچھ عرصہ پہلے) سعادت اندوزِ اسلام ہوئے جب کہ ان کے فرزند حضرت معاذؓ اور اہلیہ حضرت

ہندؓ نے ہجرتِ نبویؐ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ حضرت معاذؓ بن عمرو بن جموح کو بیعت عقبہ کبیرہ (۱۳ سنہ بعدِ بعثت) میں بھی شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت ہندؓ بڑی راسخ العقیدہ مسلمان تھیں اور ان کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ ۳ سنہ ہجری میں غزوۂ اُحُد کے موقع پر انہوں نے صبر و استقامت، جوشِ ایمان اور حُبِ رسولؐ کا ایسا تحیّر خیز مظاہرہ کیا کہ تاریخ میں شاذ و نادر ہی اس کی کوئی مثال ملتی ہے۔ غزوۂ اُحُد میں حضرت ہندؓ کے شوہر حضرت عمروؓ بن جموح، فرزند حضرت خلّادؓ بن عمرو اور بھائی حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام تینوں نے مردانہ وار لڑ کر شہادت پائی۔ حضرت ہندؓ نے شوہر، فرزند اور بھائی کی شہادت کی خبر سُنی تو کسی غم و اندوہ کا اظہار کرنے کی بجائے لوگوں سے پوچھا: "مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے، خدانخواستہ ان کو تو کوئی چشم زخم نہیں پہنچا۔"

جب لوگوں نے بتایا کہ خدا کے فضل سے حضورؐ بخیریت ہیں تو ان کا چہرہ کھل اٹھا، کشاں کشاں میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوئیں، جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بے اختیار عرض کی:

كل مصيبة بعدك جلل

(آپؐ سلامت ہیں تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ہندؓ ایک اونٹ اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ اس پر اپنے شوہر، فرزند اور بھائی کی لاشیں لاد کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ ملیں جو چند دوسری خواتین کے ہمراہ حضورؐ کی خبرگیری کے لیے میدانِ اُحُد کی طرف آ رہی تھیں۔ (اس وقت تک آیت حجاب نازل نہیں ہوئی تھی)۔ اُمّ المومنینؓ نے حضرت ہندؓ سے حضورؐ کی خیریت دریافت کی، انہوں نے کہا:

"الحمد للہ حضورؐ بخیریت ہیں۔ اور یہ لاشیں میرے شوہر، بھائی اور فرزند کی ہیں جنھوں

نے لڑائی میں شہادت پائی۔"

اتنے میں ان کا اونٹ زمین پر بیٹھ گیا۔ ہر چند اس کو ہانکا گیا لیکن اس نے مدینہ کی طرف قدم نہ اٹھایا۔ اُمّ المومنین نے فرمایا: "شاید بوجھ زیادہ ہے" حضرت ہندؓ نے عرض کیا، نہیں، اُمّ المومنین، اس پر تو اس سے زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے۔

بالآخر انھوں نے اونٹ کا رخ اُحد کی طرف کیا تو وہ فوراً چل پڑا۔ حضرت ہندؓ تینوں شہیدوں کی لاشیں حضورؐ کی خدمت میں لے گئیں۔ اس وقت آپؐ دوسرے شہیدوں کی لاشیں دفن کرا رہے تھے۔ آپؐ نے ہندؓ سے پوچھا، کیا ان میں سے کسی نے گھر سے چلتے وقت کچھ کہا تھا۔

حضرت ہندؓ نے عرض کیا:

"ہاں یا رسول اللہ میرے شوہر (عمروؓ بن جموح) نے گھر سے چلتے وقت یہ دعا مانگی تھی کہ الٰہی مجھ کو شہادت نصیب فرمائیو۔ اور مجھ کو ناامید اپنے اہل و عیال میں واپس نہ لائیو۔

اس کے بعد حضورؐ نے تینوں شہیدوں کو اُحد کے گنج شہیداں میں اپنے سامنے دفن کرایا۔ حضرت ہندؓ کے مزید حالات کتب سِیَر میں نہیں ملتے۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ عمرو بن حرام انصاریہ

یہ حضرت ہندؓ بنت عمرو بن حرام کی بہن تھیں۔ ان کو اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے بڑی محبت تھی۔ انھوں نے غزوہ اُحد میں شہادت پائی تو کفار نے بڑی بے دردی سے ان کی لاش کا مثلہ کیا۔ (ناک، کان، ہونٹ کاٹ ڈالے) حضرت فاطمہؓ اپنے بھتیجے حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچیں۔ بھائی کی لاش دیکھ کر بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی۔ حضورؐ نے پوچھا یہ کس کی آواز ہے۔

لوگوں نے عرض کیا، عبداللہؓ کی بہن کی۔ حضرت عبداللہؓ کو دفن کرنے کو لے چلے تو حضرت فاطمہؓ زار زار رونے لگیں۔ حضورؐ نے فرمایا، تم روؤ یا نہ روؤ، جب تک عبداللہ کا جنازہ رکھا رہا، فرشتوں نے اس پر اپنے پروں کا سایہ کر رکھا تھا۔ یہ سن کر خاموش ہو گئیں۔ مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت جبلہؓ بنتِ مالک انصاریہ

ان کا تعلق قبیلہ اوس کے خاندان عمرو بن عوف سے تھا۔ ان کی شادی بجیر بن معاویہ بجلی سے ہوئی۔ جن کا قبیلہ بجیلہ عمرو بن عوف کا حلیف تھا۔ بجیر کا زمانۂ جاہلیت میں انتقال ہو گیا۔ حضرت جبلہؓ نے اسلام کا زمانہ پایا اور قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل کیا، بجیر کے صلب سے ان کے ایک بیٹے سعد تھے، وہ بھی ماں کے ساتھ مشرف بہ ایمان ہوئے اور ماں ہی کے نام کی نسبت سے سعدؓ بن جبلہؓ مشہور ہوئے۔ ان کا شمار انصار کے بلند مرتبہ صحابہ میں ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد رشید قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ حضرت سعدؓ بن جبلہؓ ہی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت جبلہؓ کے مزید حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔

حضرت ربابؓ بنتِ کعب انصاریہ

اوس کے خاندان عبدالاشہل میں سے تھیں سلسلۂ نسب یہ ہے:

ربابؓ بنت کعب بن عدی بن عبدالاشہل۔

ان کا نکاح شہیدِ اُحد حضرت حسیل الیمانؓ بن جابر العبسی سے ہوا۔ ہجرتِ نبوی سے

قبل اپنے خاوند کے ساتھ سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں۔ جلیل القدر صحابی صاحب السّر حضرت حذیفہ بن حسیل الیمان رضؓ انہی کے فرزند ہیں۔

حضرت ربابؓ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت اور محبت تھی اپنے فرزند حضرت حذیفہؓ کو باقاعدگی سے حضورؐ کی خدمت گزاری کے لیے بھیجا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت حذیفہؓ کئی دن تک خدمتِ نبویؐ میں حاضر نہ ہوئے حضرت ربابؓ کو معلوم ہوا تو ان سے پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کب سے نہیں گئے۔ انھوں نے مدّت بیان کی تو بہت ناراض ہوئیں اور بیٹے کو بُرا بھلا کہا، انھوں نے کہا، اچھا اب جاتا ہوں، مغرب کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھوں گا اور حضورؐ سے اپنے اور آپ کے لیے مغفرت کی دعا کراؤں گا۔ یہ کہہ کر بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور نماز پڑھ کر حضورؐ کے پیچھے پیچھے چل پڑے حضورؐ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو فرمایا، "کون حذیفہؓ؟" انھوں نے عرض کی: "جی ہاں یا رسول اللہؐ۔"

حضورؐ نے فرمایا: "غفر اللہ لک ولامک" (خدا تجھے اور تیری ماں دونوں کو بخشے)

حضرت ربابؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

حضرت قرۃ العینؓ بنتِ عبادہ انصاریہ

جلیل القدر صحابی حضرت عبادہؓ بن صامت کی والدہ تھیں اور عبادہ بن فَضَلہ بن مالک بن عجلان کی بیٹی تھیں۔ حضرت عبادہؓ بن صامت انصار کے سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ بعض روایتوں کے مطابق وہ عقبہ کی تینوں بیعتوں میں شامل تھے اور بعض کے مطابق وہ بیعت عقبہ ثانیہ (سنہ ۱۲ نبوت جس میں

بارہ آدمیوں نے اسلام قبول کیا تھا) اور بیعت عقبہ کبیرہ (۱۳ سنہ نبوت) میں شامل ہوئے۔ مکہ سے مسلمان ہو کر گھر پہنچے تو سب سے پہلے اپنی والدہ حضرت قرۃ العینؓ کو مشرف بہ اسلام کیا۔ گویا وہ بھی ہجرت نبویؐ سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئیں اس لحاظ سے ان کو بھی انصار کے سابقین اولین میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت عقبہؓ بنت محمد انصاریہ

جلیل القدر صحابی حضرت فضالہؓ بن عبید انصاری کی والدہ تھیں اور محمد بن عقبہ بن الجلاج کی بیٹی تھیں۔ مدینہ منورہ پر جونہی خورشید اسلام کی کرنیں پڑیں وہ بھی اپنے فرزند فضالہؓ کے ساتھ مسلمان ہو گئیں اور شرف صحابیت حاصل کیا۔ ان کے خاوند عبید بن نافذ اوس کے خاندان عمرو بن عوف میں سے تھے، اپنے قبیلہ کے سردار تھے اور نہ صرف بڑے شہ زور اور بہادر تھے بلکہ شعر و شاعری میں بھی کافی درک رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت ہی میں انتقال کر گئے۔ بیوی اور بیٹے دونوں نے اسلام کا زمانہ پایا اور حضورؐ کے جاں نثاروں میں شامل ہوئے۔

اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

حضرت فریعہؓ بنت خالد انصاریہ

قبیلہ خزرج کے خاندان ساعدہ میں سے تھیں سلسلہ نسب یہ ہے۔

فریعہؓ بنت خالد بن خنیس بن لوذان بن عبدود بن زید بن ثعلبہ بن خزرج

بن کعب بن ساعدہ۔

ان کا نکاح ثابت بن منذر سے ہوا جو اپنے قبیلے بنو نجار کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے، انہی کے صلب سے حضرت حسانؓ پیدا ہوئے۔ وہ شاعر (مداح) رسول اللہؐ کے لقب سے مشہور ہیں اور عرب کے نامور شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت فریعہؓ کی ضعیفی کا عالم تھا کہ آفتاب اسلام طلوع ہوا۔ حضرت فریعہؓ اس وقت بیوہ تھیں، انھوں نے اپنے بیٹے حضرت حسانؓ بن ثابت کے ساتھ فوراً دعوت توحید پر لبیک کہا اور حضورؐ کی بیعت سے مشرف ہوئیں۔ (خود حضرت حسانؓ اس وقت ساٹھ برس کے پیٹے میں تھے) حضرت حسانؓ نے اپنے ایک شعر میں حضرت فریعہؓ کا فرزند ہونے پر اس طرح فخر کا اظہار کیا ہے ؎

امسی الجلابیب قد غروا فقد کثروا
وابن الفریعۃ امسی بیضۃ البلد

حضرت اُمُّ الطفیلؓ انصاریہ

جلیل القدر صحابی سید المسلمین حضرت اُبیؓ بن کعب کی اہلیہ تھیں۔ اپنے خاوند کی بہت خدمت گزار تھیں اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہت عقیدت اور محبت تھی۔ ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔ ان کے بیٹے طفیلؓ صغار صحابہ میں سے ہیں۔ مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت سُہیلہؓ بنت مسعود انصاریہ

جلیل القدر صحابی حضرت جابرؓ بن عبد اللہؓ کی اہلیہ تھیں۔ ان کا تعلق انصار

کے قبیلہ ظفر سے تھا۔ ان کے پہلے خاوند غزوۂ اُحُد سے پہلے فوت ہو گئے تھے۔ حضرت جابرؓ کے والد حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن حرام نے وفات پائی تو انھوں نے اپنے پیچھے حضرت جابرؓ کے علاوہ چھ (بروایتِ دیگر نو یا دس) خُرد سال بیٹیاں چھوڑیں، ان کی نگہداشت اور مناسب غور و پرداخت کے لیے حضرت جابرؓ نے سہیلہؓ بنت مسعود سے نکاح کر لیا۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے حضرت جابرؓ سے فرمایا، "جابر تم نے ایک بیوہ سے نکاح کیا ہے اگر کسی کنواری سے کرتے تو وہ تم سے چُہل کرتی تم اس سے چُہل کرتے!" انھوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہؐ بہنیں کمسن تھیں اس لیے ہوشیار عورت کی ضرورت تھی جو ان کے بال سنوارتی، جوئیں نکالتی، کپڑے سی کر پہناتی (غالباً حضرت جابرؓ کی والدہ فوت ہو چکی تھیں) حضورؐ نے فرمایا۔ "تم نے ٹھیک کیا۔"

حضرت سہیلہؓ کو حضورؐ سے بے پناہ عقیدت اور محبت تھی، حضرت جابرؓ کبھی حضورؐ کی دعوت کرتے تو وہ بڑے ذوق و شوق سے کھانا تیار کرتیں۔ نکاح کے کچھ عرصہ بعد حضرت جابرؓ نے اپنے والدِ شہید کا قرض ادا کرنے کی خوشی میں حضورؐ کی دعوت کی۔ حضورؐ حضرت جابرؓ کے گھر تشریف لے گئے انھوں نے گوشت، خرما اور پانی پیش کیا، آپؐ نے فرمایا، شاید تم کو معلوم ہے کہ میں گوشت رغبت سے کھاتا ہوں۔ کھانے سے فارغ ہو کر حضورؐ چلنے لگے تو حضرت سہیلہؓ نے اندر سے آواز دی۔

"یا رسول اللہ مجھ پر اور میرے خاوند پر درود پڑھیئے۔" آپؐ نے بلا تامل فرمایا۔ "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیۡھِمۡ۔"

غزوۂ خندق میں ایک دن حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ حضورؐ کو تین دن کا فاقہ ہے اور آپؐ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا ہے۔ تڑپ اٹھے اور اسی وقت گھر جا کر حضرت سہیلہؓ سے کہا کہ رسول اللہؐ فاقہ سے ہیں، کچھ ہو تو پکاؤ۔ ایک صاع جو گھر میں موجود تھے حضرت سہیلہؓ نے فوراً پیس کر آٹا گوندھا اور حضرت جابرؓ نے بکری کا ایک بچہ ذبح کر کے گوشت دیگچی میں ڈال کر چولھے پر رکھ دیا۔ پھر وہ حضورؐ کو لینے چلے۔ سہیلہؓ

بڑی غیور اور خود دار تھیں، بولیں "دو تین آدمیوں کا کھانا ہے حضورؐ کے ساتھ زیادہ لوگوں کو نہ لانا ایسا نہ ہو کہ ہمیں خفت اٹھانی پڑے۔" حضرت جابرؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چپکے سے عرض کی۔

"یا رسول اللہؐ ہم نے آپؐ کے لیے کھانے کا انتظام کیا ہے آپؐ چند آدمیوں کے ساتھ تشریف لے چلیے۔"

حضورؐ نے ان کی دعوت قبول فرمالی لیکن ساتھ ہی عام منادی کرادی کہ جابرؓ نے سب اہل خندق کی دعوت کی ہے۔

حضرت جابرؓ بڑے پریشان ہوئے لیکن حضورؐ کے ادب سے خاموش رہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ چولھے سے دیگچی نہ اتارنا اور جب تک میں نہ آؤں، آٹا نہ پکانا۔ پھر آپؐ تمام اہل خندق کے ہمراہ حضرت جابرؓ کے گھر تشریف لے گئے اور کھانے میں برکت کی دعا کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضورؐ اور تمام صحابہ کرامؓ نے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن پھر بھی بچ رہا۔ حضورؐ نے حضرت سہیلہؓ سے فرمایا:

"یہ تم کھاؤ اور لوگوں کے یہاں بھیجو کیوں کہ لوگ بھوک میں مبتلا ہیں۔"

مسند احمد حنبلؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جابرؓ نے حضورؐ کی خدمت میں اعلیٰ قسم کے چھوہارے جن میں گٹھلی نہ تھی، پیش کیے، آپؐ نے دیکھ کر فرمایا، میں سمجھا تھا گوشت ہے۔ حضرت جابرؓ نے اسی وقت گھر جا کر بیوی سے کہا۔ انھوں نے فوراً بکری ذبح کر کے گوشت پکا دیا اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت سہیلہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے اس سے زیادہ حالات تاریخ میں کہیں نہیں ملتے۔

حضرت مُلیکہؓ بنتِ مالکؓ انصاریہ

خزرج کے معزز ترین خاندان بنو نجار میں سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

مُلیکہؓ بنت مالک بن عدی بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن نجار۔
ان کا نکاح ملحان بن خالد نجاری سے ہوا، ان کے صلب سے حضرت اُمِ سُلیمؓ
اور حضرت اُمِ حرامؓ پیدا ہوئیں ان دونوں کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں
ہوتا ہے۔ خادمِ رسول اللہؐ حضرت انسؓ بن مالک، حضرت اُمِ سُلیمؓ کے فرزند
تھے۔ اس لحاظ سے حضرت ملیکہؓ ان کی نانی تھیں۔ خیال یہ ہے کہ انھوں نے ہجرتِ
نبویؐ سے کچھ عرصہ پہلے اپنی بیٹیوں کے ساتھ قبول اسلام کا شرف حاصل کیا۔ صحیح بخاری
میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مُلیکہؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور خود
کھانا تیار کیا۔ حضورؐ نے کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا۔ "آؤ میں تم کو نماز پڑھاؤں"
گھر میں صرف ایک بوسیدہ چٹائی تھی جس کا رنگ سیاہ پڑ چکا تھا۔ حضرت انسؓ نے
پہلے اس کو پانی سے دھویا اور پھر نماز کے لیے بچھایا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم
نے امامت فرمائی۔ حضرت ملیکہؓ حضرت انسؓ اور یتیم (غلام لڑکا) صف باندھ
کر کھڑے ہوئے۔ حضورؐ نے دو رکعت نماز ادا کی اور واپس تشریف لے گئے۔

سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمِّ سَیف انصاریہؓ

نام معلوم نہیں، اپنی کنیت ہی سے مشہور ہیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کی انّا تھیں، وہ ۸ ہجری میں حضرت ماریہ
قبطیہؓ سے پیدا ہوئے تو انصار کی تمام خواتین نے خواہش کی کہ ابراہیمؓ کو دودھ پلانے
کی خدمت انہیں تفویض کی جائے۔ لیکن حضورؐ نے اس خدمت کے لیے حضرت اُمِ
سیفؓ کو منتخب فرمایا۔

ان کی سکونت عوالی میں تھی جو مدینہ سے تین چار میل کی مسافت پر ہے۔ حضورؐ

وقتاً فوقتاً حضرت ابراہیمؓ کو دیکھنے کے لیے مدینہ منورہ سے پیادہ حضرت اُمِ سیفؓ کے گھر تشریف لے جاتے، بچے کو اَنا کے ہاتھ سے گود میں لیتے، منہ چومتے، پھر مدینہ کو واپس ہوتے۔ حضرت اُمِ سیفؓ کے شوہر لوہار تھے اس لیے ان کا گھر دھوئیں سے بھرا رہتا تھا لیکن حضورؐ باوجود نظافتِ طبع کے یہ دھواں گوارا فرماتے۔ حضرت ابراہیمؓ نے حضرت اُمِ سیفؓ کے گھر ہی وفات پائی۔ حضورؐ کو خبر ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ساتھ تشریف لائے اس وقت حضرت ابراہیمؓ نزع کی حالت میں تھے۔ حضورؐ نے ان کو گود میں لے لیا اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ آپؐ کی یہ کیا حالت ہے؟"

فرمایا: "یہ رحمت و شفقت ہے۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے دوبارہ اپنی بات کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا:

"آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، دل غمگین ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو۔ اے ابراہیمؓ ہم تیرے فراق میں بہت غمگین ہیں۔"

حضرت ابراہیمؓ کی مدتِ حیات کے بارے میں اہلِ سیر میں بہت اختلاف ہے۔ ان کی کم سے کم عمر دو ماہ دس دن اور زیادہ سے زیادہ ایک برس دس ماہ اور چھ دن بتائی گئی ہے اسی کے مطابق ان کا زمانۂ رضاعت مقرر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت اُمِ سیفؓ کے مزید حالات معلوم نہیں البتہ ان کی یہی فضیلت بہت کافی ہے کہ انھیں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب فرزند کی رضاعی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا، اور ان کے گھر کو حضورؐ نے بارہا اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

حضرت عمرہؓ بنتِ مسعود انصاریہ

سید الخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ کی والدہ ماجدہ تھیں۔ غالباً ہجرتِ نبویؐ سے پہلے اپنے جلیل القدر فرزند کے اثر اور تبلیغ سے مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اور پھر صحابیت کی سعادت حاصل کی۔ ۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے پانی کی ایک سبیل اپنی ماں کے ایصالِ ثواب کے لیے رکھی تھی بعض روایتوں میں ان کے والد کا نام سعد بن عمرو آیا ہے

حضرت فکیہہؓ بنتِ عبید انصاریہ

ان کا تعلق خزرج کے خاندان ساعدہ سے تھا۔ نسب نامہ یہ ہے:

فکیہہ بنتِ عبید بن دلیم بن حارثہ بن خرام بن خزیمہ بن ثعلبہ بن طریف بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر۔

ان کی شادی اپنے ابن عم سید الخزرج حضرت سعدؓ بن عبادہ بن دلیم سے ہوئی، شوہر کے ساتھ ہجرتِ نبوی سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں۔ حضرت قیسؓ بن سعدؓ بن عبادہ، جنھوں نے اپنی سخاوت اور سیر چشمی کی بدولت بڑا نام پایا، حضرت فکیہہؓ ہی کے بطن سے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے ۸ھ میں سرورِ عالمؐ کے ایماء پر اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ مسجدِ نبوی کے لیے منبر تیار کرے چنانچہ ان کے غلام نے غابہ کے جھاؤ کی لکڑی سے منبر بنایا۔

مزید حالات معلوم نہیں۔

حضرت کبشہ رضؓ بنتِ رافع

جلیل القدر صحابی، صدیقِ انصار، سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ کی والدہ تھیں، والد کا نام رافع بن عبید تھا اور ان کا تعلق خاندان خدرہ سے تھا۔ اہلِ سیر کا ان کے اسلام پر اتفاق ہے۔ یہ شرف انہیں ہجرتِ نبوی سے قبل حاصل ہوا۔ بڑی باوقار خاتون تھیں اور شعر و شاعری میں بھی درک رکھتی تھیں۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے رشتۂ مودت قائم تھا۔ غزوۂ احزاب میں بنو حارثہ کی گڑھی میں ان کے پاس بیٹھی تھیں کہ حضرت سعدؓ بن معاذؓ رجز پڑھتے ہوئے ان کے سامنے سے گزرے۔ حضرت کبشہؓ نے پکار کر کہا "بیٹے دوڑ کر جا تو نے بڑی دیر کر دی۔" اس غزوہ میں حضرت سعدؓ کو کاری زخم لگا جس کی وجہ سے چند دن بعد رتبۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت کبشہؓ کو اپنے سعادت مند بیٹے کی وفات کا سخت صدمہ ہوا اور انہوں نے ان کی یاد میں درد کر بہت سے ماتمی اشعار پڑھے جن میں حضرت سعدؓ کی بے انتہا تعریف کی۔ حضورؐ نے یہ اشعار سنے تو فرمایا:

"جتنی رونے والی عورتیں ہیں جھوٹ بولتی ہیں، لیکن اُمِ سعد سچ کہتی ہیں۔"

حضرت کبشہؓ حضرت سعدؓ کی وفات کے بعد بہت عرصہ تک زندہ رہیں۔

حضرت خالدہ رضؓ بنتِ حارث

جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہؓ بن سلام کی پھوپھی تھیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو اس وقت حضرت عبد اللہؓ بن سلام اپنے باغ میں تھے، ان کی پھوپھی خالدہؓ بنت حارث بھی وہیں تھیں

کسی نے باغ میں جا کر حضرت عبداللہؓ بن سلام کو حضورؐ کی تشریف آوری کی اطلاع دی تو وہ فرطِ عقیدت سے بے خود ہو گئے اور بے اختیار اللہ اکبر کہہ اٹھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ تورات کے بہت بڑے عالم تھے اور اس میں نبی آخر الزمان ؐ کی علامات پڑھ کر آپ کے نادیدہ عاشق بن گئے تھے۔ ان کی مسرت اور بے تابی دیکھ کر خالدہؓ بڑی حیران ہوئیں اور کہنے لگیں۔ "حصین (حضرت عبداللہ بن سلام کا اصل نام) ان صاحب کے آنے سے تمہیں اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شاید موسیٰؑ بن عمران بھی تشریف لاتے تو تم اتنے خوش نہ ہوتے؟"

حضرت عبداللہؓ بن سلام نے کہا: "پھوپھی جان خدا کی قسم یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اور اسی دین کی تبلیغ کے لیے دنیا میں تشریف لائے ہیں جس کے موسیٰ علیہ السلام مبلغ تھے۔"

حضرت خالدہؓ نے پوچھا: برادر زادے، کیا واقعی یہ وہی نبی ہیں جن کی تورات اور دوسرے آسمانی صحائف میں خبر دی گئی ہے؟" حضرت عبداللہؓ بن سلام نے جواب دیا: "بے شک یہ وہی نبی ہیں۔" حضرت خالدہؓ نے کہا "پھر تو ہماری بڑی خوش بختی ہے کہ وہ ہمارے شہر میں تشریف لائے۔"

اس سوال و جواب کے بعد حضرت عبداللہؓ نے بارگاہِ نبوت کا قصد کیا۔ حضرت خالدہؓ بھی ان کے پیچھے گئیں اور مشرف بہ اسلام ہو کر لوٹیں۔ پھر اپنے گھر پہنچ کر سب اہلِ خانہ کو اسلام کی تلقین کی۔ چنانچہ گھر کے سب چھوٹے بڑے سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔ بعض روایتوں میں ان کو عبداللہؓ بن سلام کی چچی بتایا گیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت اُمِّ بجیدؓ

کہ ... ... تھیں اور حضرت یزیدؓ بن سکن انصاری کی

صاحبزادی تھیں۔ اصل نام حوّاؓ تھا۔ مشہور صحابیہ حضرت اسماءؓ بنت یزید انصاریہ ان کی بہن تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

حوّاءؓ بنت یزیدؓ بن السکن بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبد الاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج بن عمرو بن مالک بن اوس۔

ہجرتِ نبویؐ کے بعد شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں۔ نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھیں۔ ان کو بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا فخر حاصل ہے۔

اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت عمرةؓ بنتِ رواحہ

ان کا تعلق قبیلۂ خزرج سے تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔

عمرةؓ بنت رواحہ بن ثعلبہ بن امراء القیس بن عمرو بن امراء القیس الاکبر بن مالک الاغر بن ثعلبہ بن کعب بن خزرج بن حارث بن خزرج اکبر۔

مشہور صحابی حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ شاعرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمشیرہ تھیں، ان کا نکاح جلیل القدر صحابی حضرت بشیرؓ بن سعد انصاری سے ہوا۔ فرزند نعمانؓ بن بشیرؓ بھی مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عمرةؓ کو اپنے فرزند نعمانؓ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اپنی تمام جائداد انہیں کے نام منتقل کر دینا چاہتی تھیں۔ چنانچہ اپنے شوہر بشیرؓ کو اس بات پر آمادہ کر لیا اور گواہی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا۔ حضرت بشیرؓ بن سعد ننھے نعمانؓ کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، "یا رسول اللہ، آپؐ گواہ رہیئے کہ میں اپنی فلاں زمین (جائداد) اس لڑکے کو دیتا ہوں۔" حضورؐ نے فرمایا، "اس کے دوسرے بھائیوں کو بھی حصہ دیا ہے؟" انہوں نے کہا۔ "نہیں" ارشاد ہوا، تو پھر میں ظلم پر گواہی

نہیں دیتا" اس پر وہ خاموشی سے گھر لوٹ گئے اور حضرت عمرہؓ نے ارشادِ نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرہؓ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ کے پاس طائف سے انگور آئے، اتفاق سے حضرت نعمانؓ بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے۔ اس وقت ان کی عمر چھ سات برس کے لگ بھگ تھی۔ حضورؐ نے انہیں دو خوشے مرحمت فرمائے کہ ایک تمہارا اور ایک تمہاری والدہ (عمرہؓ) کا۔ نعمانؓ دونوں خوشے راستے میں چٹ کر گئے اور ماں کو بتایا تک نہیں۔ چند دن بعد پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے پوچھا، "نعمانؓ وہ انگور اپنی ماں کو دے دیئے تھے؟" انھوں نے کہا۔ "نہیں" حضورؐ نے پیار سے ان کے کان اینٹھے اور فرمایا۔ "یا غدر" کیوں مکار؟

حضرت عمرہؓ کے اس سے زیادہ حالات معلوم نہیں۔

حضرت اُمِّ رفیدہؓ یا رفیدہؓ اسلمیہ

ان کا نام بعض روایتوں میں اُمِّ رفیدہ اور بعض میں رفیدہؓ آیا ہے۔ طب اور جراحی میں مہارت رکھتی تھیں اور زخمیوں کا علاج معالجہ کیا کرتی تھیں۔ علامہ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ ان کا خیمہ جس میں جراحی اور مرہم پٹی کا سامان تھا مسجدِ نبوی کے پاس تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ بعض موقعوں پر حضورؐ نے انہیں مسجدِ نبویؐ کے اندر خیمہ لگانے کی اجازت دی تھی۔ سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ غزوۂ احزاب میں زخمی ہوئے تو حضرت اُمِّ رفیدہؓ ہی نے ان کا علاج کیا۔ ان کے یہی حالات معلوم ہیں۔

زوجہ جلیبیبؓ

نام و نسب تاریکی میں ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ انصاریہ تھیں اور سرورِ عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جاں نثار حضرت جلیبیب انصاریؓ کی اہلیہ تھیں۔ ان کا نکاح عجیب حالات میں حضرت جلیبیبؓ سے ہوا۔ جلیبیبؓ کا چہرہ مہرہ کچھ واجبی سا تھا اور قد بھی پست تھا اس لیے کوئی انہیں اپنی لڑکی دینے پر رضامند نہیں ہوتا تھا۔ آخر حضورؐ نے انصار کے ایک خاندان میں ان کی نسبت ٹھہرائی۔ لڑکی کے والدین رشتہ دینے میں متامل ہوئے تو سعادت مند لڑکی نے ان کے سامنے اللہ کا یہ حکم پیش کیا کہ "جب اللہ اور رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو کسی مسلمان کو اس میں چون وچرا کرنے کی گنجائش نہیں۔" پھر کہا کہ "جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی ہے وہی میری بھی ہے اور میں جلیبیبؓ سے شادی کرنے پر بالکل راضی ہوں۔" رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپؐ بے حد خوش ہوئے اور دعا کی:

"الٰہی اس لڑکی پر خیر کا دریا بہا دے اور اس کی زندگی تلخ نہ کر۔"

اس کے بعد آپؐ نے جلیبیبؓ سے فرمایا کہ "میں فلاں لڑکی سے تمہارا نکاح کرتا ہوں۔" انہوں نے عرض کیا، "یا رسول اللہ، آپ مجھے کھوٹا پائیں گے۔" فرمایا، "نہیں تم خدا کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو۔" پھر آپؐ نے حضرت جلیبیبؓ کا نکاح اس نیک بخت لڑکی سے کر دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضورؐ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ ان کی خانگی زندگی نہایت بابرکت ثابت ہوئی۔ حضرت جلیبیبؓ نہایت آسودہ حال ہو گئے اور تمام انصار میں ان کی نیک اہلیہ سے بڑھ کر کوئی عورت متمول اور شاہ خرچ نہ تھی۔

حضرت سلافہ بنت براء انصاریہؓ

خزرج کے خاندان سلمہ سے تھیں اور جلیل القدر صحابی حضرت براءؓ بن معرور انصاری کی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ابو قتادہ انصاریؓ سے نکاح ہوا۔ ان کے صلب سے تین بیٹے عبداللہ، معبد اور عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

سے بے پناہ محبت تھی اور ان کی گھریلو زندگی نہایت خوشگوار تھی۔

حضرت انیسہؓ بنت ابی حارثہ

ان کا تعلق خزرج کے خاندان عدی بن نجار سے تھا، زمانۂ جاہلیت میں نعمان اوسی کی زوجیت میں تھیں۔ اس کے مرنے کے بعد مالکؓ بن سنان خدری سے نکاح ہوا۔ یہ ہجرت نبوی سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بعیت عقبہ کے بعد مدینہ کے گھر گھر میں اسلام پھیلا تو مالکؓ بن سنان اور انیسہؓ دونوں حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید خدریؓ بن مالکؓ بن سنان حضرت انیسہؓ ہی کے بطن سے تھے۔ حضرت مالکؓ بن سنان نے غزوۂ احد میں مردانہ وار لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ چونکہ انھوں نے کوئی جائداد نہ چھوڑی تھی، حضرت انیسہؓ اور ان کے بارہ سالہ فرزند حضرت ابوسعیدؓ سخت تنگ دستی میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت انیسہؓ نے ایک دن ابوسعیدؓ سے کہا کہ "بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جاؤ، آج انہوں نے فلاں شخص کو کچھ دیا ہے تم کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور مرحمت فرمائیں گے۔" انہوں نے پوچھا۔ "گھر میں کچھ ہے؟" ماں نے نفی میں جواب دیا تو سیدھے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت حضورؐ خطبہ دے رہے تھے کہ "جو شخص تنگدستی میں صبر کرے اللہ اس کو غنی کر دے گا۔" حضورؐ کا ارشاد سن کر حضرت ابوسعیدؓ نے دل میں کہا کہ میرے پاس ایک اونٹنی (یاقوتہ) موجود ہے اس لیے دست سوال دراز کر کے حضورؐ کو زحمت دینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوچ کر خالی ہاتھ ماں کے پاس واپس آ گئے۔ ماں بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے صبر کا یہ پھل دیا کہ تھوڑے ہی عرصے میں ان کی عسرت خوش حالی سے بدل گئی اور وہ مال و دولت میں تمام انصار سے بڑھ گئے۔ مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت زینب رضؓ بنتِ علی رضؓ

(۱)

ربیع الاوّل سنہ ۱۱ ہجری میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپؐ نے اپنی لختِ جگر سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ سے فرمایا کہ اپنے بچوں کو بلا لاؤ۔ سیّدہؓ نے تعمیلِ ارشاد کی اور اپنے تمام بچوں کو حضورؐ کے پاس لے گئیں۔ بچوں نے اپنے شفیق ناناؐ کو بے چین دیکھا تو بے اختیار رونے لگے ان میں سے ایک چھ سالہ بچّی کو تو اتنا صدمہ ہوا کہ اس نے حضورؐ کے سینۂ مبارک پر اپنا سر رکھ دیا اور سسکیاں بھرنے لگی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچّی کی پیشانی چومی اور اپنا دستِ شفقت اس کے سر پر پھیر کر دلاسا دیا۔ یہ وہی بچّی تھی جو چھ سال پہلے شیرِ خدا حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ اور سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے گھر پیدا ہوئی تھی تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ تین دن بعد آپؐ تشریف لائے تو سیدھے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس بچّی کو گود میں لیا اور بہت دیر تک روتے رہے۔ پھر دہن مبارک میں کھجور چبائی اور لعابِ مبارک بچی کے منہ میں ڈالا۔ اس کے بعد حضورؐ نے اس بچّی کا نام "زینبؓ" تجویز کیا اور فرمایا۔ "یہ ہم شبیہ خدیجہؓ ہے" چھ سال بعد آج یہی زینبؓ اپنے شفیق نانا سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ رہی تھی۔ چھ سال کی معصوم جان کے لیے یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا لیکن اسے کیا خبر تھی کہ آئندہ زندگی میں اس پر اس قدر قیامتیں ٹوٹنے والی ہیں کہ اس کی کنیت ہی اُمّ المصائب مشہور ہو جائے گی۔ یہی زینبؓ جنہیں زینبِ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے، تاریخِ اسلام کی وہ عظیم الشان شخصیت ہیں کہ جن کے علم

ذہانت و فطانت، فصاحت و بلاغت، حق گوئی و بے باکی، تسلیم و رضا اور صبر و استقامت کے واقعات سے تاریخ کے اوراق آج تک جگمگا رہے ہیں اور تاابد جگمگاتے رہیں گے۔

(۲)

سیّدہ زینب کبریٰ رض نے جس گھرانے میں ہوش کی آنکھیں کھولیں وہ روئے زمین کا بہترین گھرانا تھا، ان کے نانا سیدالانبیاء فخر موجودات رحمت دوعالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو نانی اسلام کی خاتون اوّل اُم المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض تھیں۔ والد اسداللہ الغالب باب علم سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے تو والدہ سیدۃ النساء خاتونِ جنت حضرت فاطمۃ الزہرا بتول رض تھیں۔ ان کے بھائی جوانانِ جنت کے سردار سیدنا حسن رض اور سیدنا حسین رض شہید کربلا تھے تو چچا محبوب رسول سیدنا جعفر طیار رض شہید موتہ تھے۔ حضرت زینب رض متند روایات کے مطابق جمادی الاولیٰ ۵ھ ہجری میں پیدا ہوئیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن کا نام زینب رکھا اور اپنا لعاب مبارک ان کے منہ میں ڈالا۔ ان کی کنیت اُم الحسن یا بروایت دیگر اُم کلثوم تھی۔ واقعۂ کربلا کے بعد ان کی کنیت "اُم المصائب" بھی مشہور ہوگئی۔ چند مشہور القاب یہ ہیں:

نائبۃ الزہرا۔ شریکۃ الحسین۔ راضیہ بالقدر والقضا۔ ناموس الکبریٰ۔
صدیقۃ الصغریٰ۔ شجاعہ۔ فصیحہ بلیغہ۔ زاہدہ فاضلہ۔ عالمہ عابدہ۔
محبوبۃ المصطفےٰ۔ عاقلہ کاملہ۔ موثقہ۔ ولیۃ اللہ۔ کعبۃ الرزایا۔ امینۃ اللہ۔
قرۃ عین المرتضیٰ۔ خاتونِ کربلا۔

حضرت زینب رض کی پرورش اور تربیت کا آغاز سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم، حیدرِ کرار رض اور سیدۃ النساء رض کے زیرِ سایہ ہوا۔ ایک دن عہدِ طفلی میں حضرت زینب رض قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں کہ بے خیالی میں سر سے اوڑھنی اتر گئی۔ سیدۃ النساء رض نے دیکھا تو اِن کے سر پر اوڑھنی ڈالی اور فرمایا، "بیٹی اللہ کا کلام ننگے سر نہیں پڑھتے۔"

ایک دن حضرت حسینؓ اور حضرت زینبؓ میں معصومانہ لڑائی ہو گئی۔ سیدۃ النساءؓ نے انہیں کلامِ مجید کی آیات پڑھ کر سنائیں اور فرمایا:

"بچو لڑائی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے۔"

دونوں بچے خوفِ خدا سے کانپ اٹھے اور عہد کیا کہ آئندہ کبھی نہ لڑیں گے، سیدہ فاطمۃ الزہراؓ بہت خوش ہوئیں اور انہیں سینے سے لگالیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت زینبؓ سے بے حد محبت فرماتے تھے کئی مرتبہ حسنینؓ کی طرح وہ بھی حضورؐ کے دوشِ مبارک پر سوار ہوئیں۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو حضرت زینبؓ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ اس وقت ان کی عمر پانچ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا سفر تھا۔

۱۱ھ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو سیدہ زینبؓ کی عمر چھ برس کے لگ بھگ تھی، چھ ماہ بعد وہ ماں کی آغوشِ شفقت سے بھی محروم ہو گئیں۔ ان حادثوں نے ننھی زینبؓ کو سخت صدمہ پہنچایا۔ شفیق ناناؐ اور جاں نثار ماں کی جدائی سے وہ اور ان کے دوسرے بہن بھائی سبھی غم والم کی مورتیں بن گئے۔ سیدنا حضرت علی مرتضیٰؓ نے اب بچوں کی تعلیم وتربیت کا کام خود سنبھالا اور کچھ مدت کے بعد ان کی نگرانی کے لیے اُمّ البنین بنت خزام کلابیہ سے نکاح کر لیا۔

بابِ علم جب خود معلم ہوں تو شاگردوں کی خوش بختی کا کیا ٹھکانا۔ تھوڑی ہی مدت میں سارے بچوں کے دل ودماغ علم وحکمت کے خزانوں سے معمور ہو گئے۔ حضرت زینبؓ نے بھی اپنے جلیل القدر باپ کے علم اور دوسرے اوصاف سے خوب خوب استفادہ کیا یہاں تک کہ زہد وتقویٰ، عقل وفراست، حق گوئی وبیباکی عفت وعصمت اور عبادت وشب بیداری میں سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کا نمونہ بن گئیں۔ دراز قد اور متناسب الاعضاء تھیں۔ چہرۂ مبارک پر اپنے ناناؐ کا جلال تھا اور حرکات وسکنات اور چال ڈھال میں وقارِ حیدری نمایاں تھا۔ تمام مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ علم وفضل میں صرف بنو ہاشم ہی نہیں بلکہ تمام قریش

میں کوئی لڑکی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تھی۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ بے مثال خطیب تھے، وہ اپنے خطبات اور تقاریر میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے تھے۔ حضرت زینبؓ کو اپنے عظیم باپ کی فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان ورثہ میں ملے۔ ان کے عدیم المثال خطبات تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیے ہیں، انہیں پڑھ کر کون سا دل ہے جو پگھل نہ جائے اور کونسی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو جائے۔

(۳)

سیّدہ زینبؓ جب سنِ بلوغ کو پہنچیں تو قبیلہ کندہ کے رئیس اشعث بن قیس نے ان کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا۔ حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ نے بوجوہ انکار کر دیا۔ اس کے بعد حیدرِ کرارؓ کے بھتیجے، شہیدِ موتہ حضرت جعفر طیّار بن ابی طالب کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے عمِّ محترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عبداللہؓ کی پرورش و تربیت فرمائی تھی اور حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت علی کرّم اللہ وجہٗ ان کے نگران و سرپرست تھے۔ وہ بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے اور سیرت و صورت میں جوانانِ قریش میں امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ سیّدنا علی مرتضیٰؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی۔ اس کے بعد خاندان کے چند بزرگ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کو ساتھ لے کر مسجد میں آ گئے اور حضرت علی مرتضیٰؓ نے نہایت سادہ طریق سے اپنی لختِ جگر کا نکاح حضرت عبداللہؓ سے پڑھا دیا۔ یہ واقعہ حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت کا ہے اس وقت سیّدہ زینبؓ کی عمر بہ اختلافِ روایت گیارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ نکاح کے بعد خاندان کی عورتیں انہیں حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ کے گھر خود پہنچا آئیں۔ دوسرے دن انہوں نے دعوتِ ولیمہ کی مہر کی رقم کے بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۴۸۰ درہم

لکھا ہے اور بعض نے چالیس ہزار۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ اس وقت تجارت کرتے تھے اور ان کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔

حضرت زینبؓ کی ازدواجی زندگی نہایت خوشگوار تھی، وہ اپنے شوہر کی بے حد خدمت گزار تھیں اور عبداللہؓ بھی ان کی دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔ اگرچہ گھر میں لونڈیاں بھی تھیں اور خادم بھی لیکن وہ گھر کا کام کاج زیادہ تر خود اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ فرمایا کرتے تھے: "زینب بہترین گھر والی ہے۔"

حضرت عبداللہؓ نہایت کشادہ دست اور فیاض تھے۔ سیدۃ النساءؓ کی بیٹی بھی اسی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ ناممکن تھا کہ کوئی سائل یا حاجت مند ان کے دروازے پر آئے اور خالی ہاتھ چلا جائے یا کسی کی مصیبت کا انہیں پتہ چلے اور وہ اس کی خبر گیری نہ کریں۔ دونوں میاں بیوی کی جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ کئی غیر مستحق لوگ بھی ان کے دست کرم سے فائدہ اٹھا لیتے تھے۔ ایک مرتبہ امام حسینؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا:

اے ابن عم تم بہت اسراف سے کام لیتے ہو اور غیر مستحق لوگوں کو بھی اپنی کمائی میں شریک کر لیتے ہو۔"

حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا: جانِ برادر کیا کروں، سائل کو دیکھ کر دل قابو میں نہیں رہتا۔ اللہ نے مجھے دولت اسی لیے دی ہے کہ اس کے بندوں میں بانٹوں۔"

خاوند کے گھر میں دولت کی ریل پیل حضرت زینبؓ کے مزاج میں کوئی تغیر پیدا نہ کر سکی اور وہ بدستور صبر و قناعت، سادگی اور جفاکشی کا پیکر بنی رہیں۔

(۴)

۳۷ سنہ ہجری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنے عہدِ خلافت میں

کوفہ کو اپنا مستقر بنایا تو حضرت زینبؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ بھی مدینہ منورہ سے کوفہ آ گئے۔ کوفہ میں حضرت زینبؓ نہایت تندہی سے درس و تدریس اور وعظ و ہدایت کے کام میں مشغول ہو گئیں۔ کوفہ کی خواتین اکثر سیّدہ زینبؓ کی خدمت میں حاضر ہوتیں اور نہ صرف ان کے پند و نصائح سے مستفیض ہوتیں بلکہ ان سے قرآن کریم کے معانی و مطالب بھی پوچھا کرتیں۔ ایک دفعہ سیّدہ زینبؓ چند عورتوں کے سامنے سورۂ کٓھٰیٰعٓصٓ کی تفسیر بیان کر رہی تھیں کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ وہاں تشریف لائے اور بڑے غور سے اپنی لختِ جگر کی تقریر سنتے رہے۔ جب ان کا بیان ختم ہوا تو امیر المومنینؓ نہایت مسرور ہوئے اور فرمایا:۔

"جانِ پدر، میں نے تمہارا بیان سنا اور مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم کلامِ الٰہی کے مطالب اتنے عمدہ طریقے سے بیان کر سکتی ہو۔"

جلد ہی حضرت زینبؓ کے علم و فضل کی شہرت دور دور پھیل گئی۔ یہ ان کی زندگی کا بہترین دور تھا لیکن افسوس کہ سکھ اور اطمینان کا یہ زمانہ بہت مختصر ثابت ہوا۔ ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ ہجری کو حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ مسجدِ کوفہ میں بارگاہِ ربّ العزّت میں سجدہ ریز تھے کہ ایک بدبخت خارجی عبدالرحمٰن ابن ملجم نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا اور اپنی زہر آلود تلوار کے بھرپور وار سے امیر المومنین کو شدید زخمی کر دیا۔ ابنِ ملجم کو مسلمانوں نے گرفتار کر لیا۔ حضرت زینبؓ نے اسے دیکھا تو غم و غصہ سے بے تاب ہو گئیں اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"او دشمنِ خدا تو نے امیر المومنین کو زخمی کر ڈالا۔"

ابنِ ملجم نے کہا۔ "امیر المومنین کو نہیں، تمہارے باپ کو۔"

حضرت زینبؓ نے فرمایا: "انشاء اللہ ان کا کچھ نہیں بگڑے گا۔"

ابن ملجم نے نہایت بے حیائی سے جواب دیا۔ "تو پھر آہ و فغاں کیوں کرتی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کئی روز تک اپنی تلوار کو زہر پلایا ہے۔"

اسی زہر آلود تلوار کے زخم سے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۲۱ رمضان المبارک ۴۰ ہجری کو جام شہادت پی کر خلد بریں میں پہنچ گئے۔ اپنے عالی رتبہ اور معدن علم وفضل باپ کی شہادت سے حضرت زینبؓ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا لیکن ابھی ان کی قسمت میں اور بڑے بڑے صدمے لکھے تھے۔ ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں انہیں اپنے برادرِ بزرگ سیدنا حضرت امام حسنؓ کی شہادت کا صدمہ سہنا پڑا۔ اس وقت وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھیں۔

ذی الحجہ ۶۰ھ میں سیدنا حضرت امام حسینؓ نے اہل کوفہ کی دعوت پر اپنے اہل وعیال اور جاں نثاروں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ مکہ سے کوفہ کا عزم کیا تو حضرت زینبؓ بھی اپنے دو نوخیز فرزندوں کے ہمراہ اس مقدس قافلے میں شامل ہو گئیں۔ حضرت عبداللہؓ بن جعفرؓ اگرچہ خود اس قافلے میں شریک نہ ہو سکے لیکن انھوں نے حضرت زینبؓ اور اپنے بچوں کو امام حسینؓ کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ ہجری کو کربلا کا دلدوز سانحہ پیش آیا جس میں حضرت زینبؓ کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچے بھتیجے بھائی اور ان کے متعدد ساتھی شامی فوج سے مردانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ اس موقعہ پر سیدہ زینبؓ نے جس حوصلے شجاعت اور صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا، تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ نو اور دس محرم کی درمیانی شب کو حضرت امام حسینؓ کی تلوار صاف کی جانے لگی تو انھوں نے چند عبرت انگیز اشعار پڑھے۔ حضرت زینبؓ قریب ہی تھیں، یہ اشعار سن کر ان پر رقت طاری ہو گئی اور زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

"اے کاش آج کا دن دیکھنے کے لیے میں زندہ نہ ہوتی، ہائے

میرے نانا ص، میری ماں رض، میرے باپ رض اور میرے بھائی حسن رض سب مجھ کو داغ مفارقت دے گئے۔ اے بھائی اللہ کے بعد ہمارا سہارا اب آپ ہی ہیں، ہم آپ کے بغیر کیسے زندہ رہیں گے۔"

امام حسین رض نے فرمایا۔ "زینب صبر کرو۔"

حضرت زینب رض نے روتے ہوئے عرض کی۔ "میرے ماں جائے، آپ کے بدلہ میں، میں اپنی جان دینا چاہتی ہوں۔"

امام حسین رض اپنی پیاری بہن کی دلدوز باتیں سن کر اشکبار ہو گئے لیکن مومنانہ شان سے فرمایا:

"اے بہن صبر کرو، خدا سے تسکین حاصل کرو، خدا کی ذات کے سوا ساری کائنات کے لیے فنا ہے۔ ہمارے لیے ہمارے نانا خیر الخلائق ص کی ذات اقدس نمونہ ہے۔ تم انہیں کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنا۔ اے بہن تمہیں خدا کی قسم ہے کہ اگر میں راہ حق میں کام آجاؤں تو میرے ماتم میں گریبان نہ پھاڑنا، چہرہ کو نہ نوچنا اور بین نہ کرنا۔"

۱۰ محرم کو جب تمام جان نثاران اہل بیت ایک ایک کر کے دوش رسول ص کے سوار پر قربان ہو گئے تو جوانان اہل بیت کی باری آئی۔ ہم شبیہ پیغمبر حضرت علی اکبر بن حسین رض داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے تو حضرت زینب رض "یا ابن اخاہ" کہتی ہوئی خیمے سے باہر دوڑیں، اس بھتیجے کو انہوں نے بڑے ناز و نعمت سے پالا تھا۔ ان کی خون آغشتہ لاش سے چمٹ گئیں۔ حضرت حسین رض نے انہیں وہاں سے اٹھا کر خیمہ کے اندر بھیجا اور جوان فرزند کی لاش اٹھا کر خیمے کے سامنے لے آئے۔

علی اکبر رض کے بعد عبداللہ بن مسلم بن عقیل رض، احمد بن حسن رض، ابوبکر عبداللہ بن حسن رض، جعفر بن عقیل رض، عمر بن علی رض، عثمان بن علی رض اور دوسرے نوجوان سوائے سات

نفوس کے ایک کر کے نہایت بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اب حضرت زینبؓ نے اپنے نوخیز فرزندوں عونؓ اور محمدؓ کو رزم گاہ میں بھیجنے کے لیے سیّدنا حسینؓ سے اجازت چاہی۔ انہوں نے اجازت دینے میں تامّل کیا لیکن حضرت زینبؓ نے اس قدر اصرار کیا کہ وہ بادلِ ناخواستہ انہیں میدان جنگ میں بھیجنے پر مجبور ہو گئے۔ زینبؓ کے دونوں لال اس شان سے لڑے کہ شجاعت بھی آفرین پکار اٹھی۔ آخر شامیوں نے انہیں نرغے میں لے کر تلواروں اور نیزوں کا مینہ برسا دیا اور دودمانِ ہاشمی کے دونوں نونہال جامِ شہادت پی کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے دکھیاری زینبؓ اور مظلوم ماموںؓ کے قلب و جگر کے ٹکڑے اڑ گئے لیکن آسمان کی طرف نظر کی اور خاموش ہو گئے۔

عون و محمدؓ کی شہادت کے بعد خانوادۂ نبوّت کے باقی نوجوان بھی ایک ایک کر کے شہید ہو گئے۔ عباس بن علیؓ پہلے ہی شہید ہو چکے تھے اب سیّدنا حسینؓ تنہا رہ گئے۔ زین العابدین علیؓ بن حسینؓ بیمار تھے اور لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ ان کو اللہ اور زینبؓ کے سپرد کیا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر سبطِ رسولؐ اپنے آخری سفر پر روانہ ہوئے۔ پیاس کا غلبہ تھا، اپنے جگر کے ٹکڑوں اور جاں نثاروں کی شہادت سے سخت دل فگار تھے لیکن آخر حیدرِ کرّار کے فرزند تھے، اس قیامت کا حملہ کیا کہ دشمن کی صفیں الٹ کر رکھ دیں۔ جس طرف رُخ کرتے، دشمن کا دَل بادل کائی کی طرح پھٹ جاتا۔ شامی بار بار نرغہ کرتے تھے لیکن جوں ہی شمشیرِ حسینی چمکتی، بھاگ کھڑے ہوتے۔ دلبندِ رسول کے سہارے لڑتے لڑتے زخموں سے چُور چُور ہو گئے لیکن اللہ رے ہیبت کہ کوئی تنہا سامنے آنے کی جرأت نہ کرتا تھا، جمگھٹے بنا کر ہر طرف سے تیروں تلواروں خنجروں اور نیزوں کی بارش کر رہے تھے۔ حصین بن نمیر نے ایک نیزہ پھینکا جو گلوئے مبارک میں پیوست ہو گیا اور دہنِ مبارک سے خون کا فوّارہ پھوٹ پڑا۔ اپنے چُلّو میں تھوڑا سا خون لے کر آسمان کی طرف اچھالا اور فرمایا:

"الٰہی جو کچھ تیرے حبیبؐ کے نواسے کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ تجھی سے اس کی فریاد کرتا ہوں۔"

حضرت زینبؓ نے دُور سے اپنے محبوب اور شفیق بھائیؑ کو خون کی کلیاں کرتے دیکھا تو بے تاب ہوگئیں اور دوڑتی ہوئی رزم گاہ کے قریب ایک ٹیلہ پر کھڑی ہوگئیں۔ وہیں سے شامی فوج کے سردار عمرو بن سعد کو پکار کر کہا:

"اے عمرو سعد کیا قیامت ہے کہ ابوعبداللہ قتل کیے جا رہے ہیں اور تم دیکھ رہے ہو۔"

عمرو بن سعد کی آنکھوں پر رے کی حکومت کے لالچ نے پردہ ڈال رکھا تھا لیکن پھر بھی حضورؐ کے ماموں زاد بھائی (حضرت سعدؓ بن ابی وقاص) کا فرزند تھا فرطِ ندامت سے رونے لگا اور حضرت زینبؓ کی طرف سے منہ پھیر لیا تاہم شامیوں کو لڑائی سے روکنا اب اس کے بس میں نہیں تھا یا ظلم سے روکنے کی سعادت اس کی قسمت ہی میں نہ لکھی تھی۔ سیدنا حسینؓ حضرت زینبؓ کے سامنے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سنگ دل شامیوں کے دل ان کی شہادت سے بھی ٹھنڈے نہ ہوئے۔ انہوں نے شہدائے کربلا کے مقدس جسموں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا، سیدۃ النساءؓ کے لال کا سرِ اقدس نیزے پر چڑھایا اور پھر اہلِ بیت کے خیموں کا رُخ کیا۔ ایک بدبخت نے چاہا کہ حضرت زین العابدینؒ کو بھی (جو علیل تھے) شہید کر دے لیکن حضرت زینبؓ اُن کے سامنے کھڑی ہوگئیں اور فرمایا:

"خدا کی قسم جب تک میں زندہ ہوں، اس بیمار کو کوئی قتل نہیں کر سکتا۔"

ان کا عزم دیکھ کر وہ بدبخت اپنے ارادے سے باز آگیا۔

(۵)

۱۲ محرم الحرام ۶۱ھ ہجری کو قافلۂ حسینی کے پسماندگان کو، جن میں کچھ خواتین بچے اور عابد بیمار تھے، شامی فوج اسیر کر کے کوفہ کی طرف لے چلی۔ شہداء کے

لاشے ابھی میدانِ کربلا میں بے گور و کفن ہی پڑے تھے۔ جب یہ ستم زدہ قافلہ اُن کے پاس سے گزرا تو اہلِ قافلہ فرطِ الم سے نڈھال ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت زینبؓ کے جذباتِ غم ان الفاظ میں ڈھل گئے :

"اے محمد مصطفےٰ آیئے دیکھئے آپ کے حسینؓ کا خون آغشتہ لاشہ چٹیل میدان میں پڑا ہے۔

اس کا جسم پارہ پارہ کر دیا گیا ہے۔

آپ کے گھرانے کی لڑکیاں رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں۔

آپ کی ذریت قتل کر کے گرم ریت پر بچھا دی گئی ہے اور اس پر خاک اڑ رہی ہے۔

اے میرے نانا یہ آپ کی اولاد ہے جسے ہنکایا جا رہا ہے۔

ذرا حسینؓ کو دیکھئے اس کا سر کاٹ لیا گیا ہے۔

اس کا عمامہ اور چادر چھین لی گئی ہے۔"

زینب کبریٰؓ کا نوحہ سن کر دوست دشمن سبھی روتے تھے۔

جب اسیرانِ حق کا لٹا ہوا قافلہ کوفے میں داخل ہوا تو اہلِ کوفہ ہزاروں کی تعداد میں انہیں دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ ان میں سے بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے بے وفا کوفیوں کے ہجوم کو دیکھ کر شیرِ خدا کی بیٹی کو تابِ ضبط نہ رہی، ان لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا :

"لوگو اپنی نظریں نیچی رکھو، یہ محمد الرسول اللہ کی لٹی ہوئی اولاد ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے اہلِ کوفہ کے سامنے ایک عبرت انگیز خطبہ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ خود حیدرِ کرار تقریر فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا :

"اے کوفیو، اے مکارو، اے عہد شکنو! اپنی زبان سے پھر جانے والو، خدا کرے تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں، تمہاری

مثال ان عورتوں کی سی ہے جو خود ہی سوت کاتتی اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔ تم نے خود ہی میرے بھائی سے رشتۂ بعیت جوڑا اور پھر خود ہی توڑ ڈالا۔ تمہارے دلوں میں کھوٹ اور کینہ ہے، تمہاری فطرت میں جھوٹ اور دغا ہے۔ خوشامد، شیخی خوری اور عہد شکنی تمہارے خمیر میں ہے، تم نے جو کچھ آگے بھیجا ہے وہ بہت بُرا ہے۔ تم نے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند کو جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، قتل کیا ہے خدا کا قہر تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

آہ اے کوفہ والو تم نے ایک بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو منہ بگاڑ دینے والا اور مصیبت میں مبتلا کر دینے والا ہے یاد رکھو تمہارا رب نافرمانوں کی تاک میں ہے۔ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔"

اس خطبہ کو سن کر کوفیوں کو اس قدر ندامت ہوئی کہ ان میں سے اکثر کی روتے روتے گھگی بندھ گئی۔ حذلم بن کثیر جو عرب کے فصیح ترین آدمیوں میں شمار ہوتا تھا، وہ بھی حضرت زینبؓ کا خطبہ سننے والوں میں شامل تھا۔ خطبہ سن کر وہ سیدہؓ کے زورِ بیان اور فصاحت و بلاغت سے دنگ رہ گیا اور بے ساختہ کہنے لگا:۔

"واللہ اے علیؓ کی بیٹی، تمہارے بڈھے سب بڈھوں سے، تمہارے جوان سب جوانوں سے، تمہاری عورتیں سب عورتوں سے اور تمہاری نسل سب نسلوں سے بہتر ہے جو حق بات کہنے میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

(۶)

دوسرے دن کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد نے دربار منعقد کیا اور اسیرانِ اہلِ بیت کو اس کے سامنے پیش کیا گیا۔ حضرت زینبؓ بہت خستہ حالت میں تھیں۔ ابنِ زیاد نے پوچھا، یہ عورت کون ہے؟

ایک وہڈی نے کہا، زینبؓ بنتِ علیؓ ہیں۔
ابنِ زیاد نے کہا، خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں رسوا اور تمہاری جدتوں کو جھٹلایا۔

حضرت زینبؓ نے نہایت بے باکی سے جواب دیا:۔

"خدا کا شکر ہے جس نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں عزت بخشی۔ انشاء اللہ فاسق رسوا ہوں گے اور جھٹلائے جائیں گے۔"

ابنِ زیاد نے کہا، تم نے دیکھا تمہارے بھائی اور اس کے ساتھیوں کا کیا حشر ہوا؟

حضرت زینبؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے انہیں درجۂ شہادت پر فائز کیا، عنقریب وہ اور تم دادِ محشر کے سامنے جمع ہوں گے اس وقت تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کس کا کیا حشر ہوتا ہے۔

ابنِ زیاد جھلا کر بولا، بنی ہاشم کے سب سے سرکش آدمی کے قتل سے میرا دل ٹھنڈا ہو گیا ہے۔

حضرت زینبؓ کو ابن زیاد کے اس طرح اظہارِ مسرت کرنے پر بڑا دکھ ہوا۔ اُن کا آبگینۂ دل حوادث کربلا سے ٹوٹ چکا تھا، بے اختیار رو دیں اور فرمایا۔ "خدا کی قسم تو نے ہمیں اپنے گھروں سے نکالا، ہمارے

ادھیڑوں کو قتل کیا، ہماری شاخوں کو کاٹا، ہماری جڑوں کو اکھاڑا، اگر اسی سے تمہارا دل ٹھنڈا ہونا تھا تو ہو گیا۔"

ابنِ زیاد سے کوئی جواب بن نہ پڑا، اب اس کی نظر حضرت زین العابدینؓ پر پڑی، پوچھا: "لڑکے تم کون ہو؟

انہوں نے جواب دیا۔ "علی بن حسینؓ"

ابنِ زیاد نے عمرو بن سعد سے پوچھا۔ "اسے کیوں نہیں قتل کیا؟"

اس نے جواب دیا۔ "بیمار ہے۔"

ابنِ زیاد نے کہا۔ "اسے میرے سامنے قتل کرو۔"

حضرت زینبؑ یہ حکم سن کر تڑپ اٹھیں اور بولیں:

"اے ابنِ زیاد، کیا تو ابھی تک ہمارے خون سے سیر نہیں ہوا، کیا اس نقاہت اور بیماری کے مارے ہوئے مصیبت زدہ بچے کو بھی مارو گے۔ اگر اسے قتل کرنا ہے تو اس کے ساتھ مجھے بھی مار ڈال۔"

یہ کہہ کر حضرت زین العابدینؓ سے چمٹ گئیں۔ ابنِ زیاد کے دل میں کچھ خیال آ گیا اور اس نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو عورتوں کے ساتھ رہنے کے لیے چھوڑ دو۔ چند دن بعد ابنِ زیاد نے شہداء کے سروں اور اسیرانِ اہلِ بیت کو فوج کے پہرے میں یزید کے پاس دمشق روانہ کر دیا۔

(۷)

طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد اسیرانِ اہلِ بیت دمشق پہنچے تو تین چار دن کے بعد انہیں یزید کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ایک سرخ رنگ کے شامی نے فاطمہؓ بنت حسینؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا:

"امیر المؤمنین یہ لڑکی مجھے دے دیجیے۔"

حضرت زینبؑ تڑپ اٹھیں اور بولیں۔ "خدا کی قسم یہ لڑکی نہ تجھے مل سکتی ہے اور نہ یزید کو جب تک کہ اللہ کے دین کو ترک کرنے کا اعلان نہ کر دے۔ پیغمبرؐ کے خاندان میں کسی کو تو یا تیرا بادشاہ ہرگز لونڈی نہیں بنا سکتا۔"

شامی نے دوبارہ یہی سوال کیا لیکن یزید نے اسے روک دیا۔

جب امام حسینؓ کا سرِ اقدس یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو خواتینِ اہلِ بیت رونے لگیں۔ حضرت زینبؓ نے سرِ اقدس کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

"اے حسین، اے محمد مصطفیٰؐ کے دل بند، اے دوشِ پیمبرؐ کے سوار، اے فاطمۃ الزہرا کے لختِ جگر، اے جنّت کے جوانوں

کے سردار۔"

یزید نے پوچھا: "یہ عورت کون ہے؟"

اسے بتایا گیا کہ حسینؑ کی چھوٹی بہن زینبؓ ہیں۔

یزید نے حضرت زینبؓ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا تمہارا بھائی یہ نہیں کہتا تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں اور میرا باپ یزید کے باپ سے بہتر تھا۔"

حضرت زینبؓ نے دلیری سے جواب دیا۔ "بے شک میرا بھائی سچ کہتا تھا۔"

یزید نے کہا۔ "میری عمر کی قسم، حسین کے ناناؐ میرے دادا سے بہتر تھے حسین کی ماں میری ماں سے بہتر تھیں، رہا میرا باپ اور حسین کا باپ تو سب کو معلوم ہے کہ خدا نے کس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔"

اس پر حضرت زینبؓ نے یزید اور اس کے اہل دربار کو مخاطب کر کے ایک دردناک تقریر کی، انہوں نے حمد وثنا کے بعد فرمایا:۔

"اے یزید گردش افلاک اور ہجوم آفات نے مجھے تجھ سے مخاطب ہونے پر مجبور کر دیا۔ یاد رکھ رب العزت ہم کو زیادہ عرصے تک اس حال میں نہ رکھے گا۔ ہمارے مقاصد کو ضائع نہ کرے گا۔ تو نے ہمیں نقصان نہیں پہنچایا اپنے آپ کو پہنچایا ہے۔ آہ تیرے آدمیوں نے دوش رسولؐ کے سوار اور اس کے بھائیوں، فرزندوں اور ساتھیوں کو نہایت بے دردی سے ذبح کر دیا۔ انہوں نے پردہ نشینان اہل بیت کی بے حرمتی کی۔ اے کاش تو اس وقت شہیدان کربلا کو دیکھ سکتا تو اپنی ساری دولت وحشمت کے بدلے اُن کے پہلو میں کھڑا ہونا پسند کرتا۔ ہم عنقریب اپنے ناناؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان مصائب کو بیان کریں گے جو تیرے بے درد ہاتھوں سے ہمیں پہنچے ہیں اور یہ اس جگہ ہوگا جہاں اولادِ رسولؐ اور اس

کے ساتھی جمع ہوں گے، ان کے چہروں کا خون اور جسموں کی خاک صاف کی جائے گی۔ وہاں ظالموں سے بدلہ لیا جائے گا۔ حسینؑ اور ان کے ساتھی مرے نہیں اپنے خالق کے پاس زندہ ہیں اور وہی ان کے لیے کافی ہے۔ وہ عادلِ حقیقی نبیؐ کی اولاد اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کرنے والوں سے ضرور بدلہ لے گا، وہی ہماری امید گاہ ہے اور اسی سے ہم فریاد کرتے ہیں۔"

حیدرِ کرارؓ کی بیٹی کی گرج سن کر یزید اور اس کے درباری سکتے میں آ گئے۔ یزید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ خاندانِ رسالت کی حمایت میں میرے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اس نے خواتینِ اہلِ بیت کو اپنے خاص حرم سرا میں ٹھہرایا اور جہاں تک ہو سکا، ان کی دل جوئی کی کوشش کی۔ چند دن بعد اس نے حضرت نعمان بن بشیر انصاریؓ کے زیرِ حفاظت قافلۂ اہلِ بیت کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب قافلہ چلنے لگا تو حضرت زینبؓ نے فرمایا:

"محملوں پر سیاہ چادریں ڈال دو تا کہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہ سیدۃ النساءؓ کی دل فگار اولاد ہے۔"

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے جہاں تک بن پڑا، ان مصیبت زدہ مسافروں کی مدد کی اور راستے میں انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب یہ قافلہ کربلا پہنچا تو وہاں بزرگ صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور بنو ہاشم کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر حضرت زینبؓ نے فرطِ الم میں پکارا:

"اے بنی ہاشم تمہارا چاند غروب ہو گیا۔ اے میرے ناناؐ کے صحابی تو نے جس بچے کو کبھی اپنے آقاؐ کے دوشِ مبارک پر سوار کیا تھا اس کا جسمِ اطہر گھوڑوں کے سُموں سے پامال ہو گیا۔"

اس کے بعد اس قدر روئیں کہ غش آ گیا۔ اس موقع پر موجود دوسرے سب

لوگ بھی رونے لگے۔ جب قافلہ مدینہ منورہ پہنچا تو دن ڈھل چکا تھا۔ فاتحِ خیبرؓ کی غیور بیٹیوں زینبؓ اور فاطمہؓ نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کو اُن کے حسنِ سلوک کے عوض اپنی چوڑیاں اتار کر پیش کیں اور ساتھ ہی معذرت کی کہ اس وقت ہمارے پاس اور کچھ نہیں کہ آپ کی خدمت کا معاوضہ دیں۔

نعمانؓ اشکبار ہو گئے اور کہا: "اے بناتِ رسول، خدا کی قسم میں نے جو کچھ کیا ہے صرف اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے کیا ہے۔ یہ چوڑیاں لے کر میں اپنا اجر ضائع نہیں کروں گا۔ خدا کے لیے انہیں اپنے پاس ہی رکھیے۔"

اس دن سارا مدینہ منورہ سوگوار تھا۔ ہزاروں لوگوں نے روتے ہوئے ان مصیبت زدہ مسافروں کی پیشوائی کی۔ حضرت زینبؓ روضۂ نبوی پر حاضر ہوئیں تو ان کی چیخیں نکل گئیں اور زبان پر یہ الفاظ جاری ہو گئے:

"اے میرے پیارے نانا جان میں آپ کے فرزند اور اپنے بھائی حسینؓ کی شہادت کی خبر لائی ہوں۔ آپ کی اولاد کو رسیوں سے باندھ کر کوفہ اور دمشق کی گلیوں میں پھرایا گیا۔"

اس وقت روضۂ نبویؐ کے قریب جتنے لوگ موجود تھے سب حضرت زینبؓ کے الفاظ سن کر رونے لگے۔ پھر وہ اپنی والدہ ماجدہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؓ کے مزار پر گئیں اور اس درد سے روئیں کہ پتھروں کا کلیجا بھی پانی ہوتا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں سے ملیں، انہیں اپنی رودادِ غم سنائی اور سب کو صبر کی تلقین کی۔

بے پناہ مصائب نے حضرت زینبؓ کے دل و جگر کے ٹکڑے اڑا ڈالے تھے۔ کربلا سے واپس آنے کے بعد کبھی کسی نے ان کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں دیکھی۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے ۶۲ھ میں مدینہ منورہ ہی میں اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کی اور یوں یتیمانِ اہل بیت کی سرپرست شہدائے کربلا کی یادگار، اور دشمنوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرانے والی بے مثال

خطیبہ، اپنے محبوب اور مظلوم بھائی سے جنت الفردوس میں جا ملیں۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حضرت زینبؓ اپنے شوہر حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے ساتھ شام چلی گئیں۔ دمشق کے پاس حضرت عبداللہؓ کی کچھ زمینداری تھی۔ وہاں پہنچنے کے بعد بیمار ہوئیں اور وہیں رحلت فرمائی۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت زینبؓ مدینہ منورہ پہنچ کر شہیدانِ کربلا کے مصائب نہایت درد انگیز لہجہ میں کمال فصاحت و بلاغت سے لوگوں کو سنایا کرتی تھیں۔ لوگ ان سے بہت متاثر ہوتے اور ان میں اولادِ رسولؐ کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا۔ عاملِ مدینہ نے ان حالات کی اطلاع یزید کو دی۔ اس نے حکم بھیجا کہ زینبؓ کو کسی دوسرے شہر میں بھیج دو۔ حضرت زینبؓ پہلے تو جانے پر آمادہ نہ ہوئیں پھر بعض ہوا خواہوں کے سمجھانے بجھانے سے رضامند ہو گئیں اور حضرت سکینہؓ و فاطمہؓ بناتِ حسینؓ اور کچھ دوسری قرابت دار خواتین کے ہمراہ مصر چلی گئیں۔ وہاں کے والی حضرت مسلمہؓ بن مخلد انصاریؓ نے ان کی نہایت عزت و تکریم کی اور اپنے دارالاقامہ میں ٹھہرایا۔ تقریباً ایک سال بعد ۶۳ھ میں حضرت زینبؓ وہیں دارِ فنا سے عالمِ بقا کو سدھاریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مدینہ منورہ میں تو حضرت زینبؓ کی قبر کا کوئی نشان نہیں البتہ دمشق اور قاہرہ دونوں جگہ ان کے مزار موجود ہیں اور زیارت گاہِ خواص و عوام ہیں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حضرت سخبرہ رضؓ بنتِ تمیم

قریش کے کسی قبیلے سے تھیں۔ ہجرتِ نبوی سے پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں۔ ہجرتِ مدینہ کا اذن ہوا تو وہ بھی دوسرے مہاجرین اور مہاجرات کے ہمراہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں اور باقی زندگی وہیں گزاری۔

حضرت ارنب رضؓ انصاریہ

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں انصار کی لڑکیوں کو گیت گانے کی اجازت دے دیتے تھے۔ ایک انصاری صحابیہ حضرت ارنبؓ کو بہت سے گیت یاد تھے۔ حضورؐ نے ان کو انصار کی بعض شادیوں میں گیت گانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔
حافظ ابن حجرؒ نے "الاصابہ" میں حضرت ارنبؓ کا ذکر کیا ہے۔

بی بی قرتنا رضؓ

بعض روایتوں میں ان کا نام قرتنا یا قرتنی بھی آیا ہے۔ مکہ کے مشہور دشمنِ اسلام شاعر عبداللہ ابن خطل کی کنیز تھیں۔ اس نے انہیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ہجو کے اشعار حفظ کرا رکھے تھے اور وہ انہیں سُر تال سے گایا کرتی تھیں۔ فتح مکہ کے وقت حضورؐ نے انہیں واجب القتل قرار دیا تھا لیکن وہ روپوش ہو گئیں۔ ایک دن لکا یک رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی گزشتہ زندگی پر ندامت کا اظہار کیا اور ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔ حضورؐ نے ان کو معاف فرما دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک مؤمنہ عورت کی طرح زندگی گزاری۔ سیدنا حضرت عثمان ذو النورینؓ کے عہدِ خلافت تک زندہ رہیں۔ مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

بی بی سارہ رضؓ

بعض نے ان کا نام سائرہ بھی لکھا ہے۔ ابو عمرو بن صیفی بن ہاشم (جدِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی لونڈی تھیں، گانا بجانا اور نوحہ خوانی ان کا پیشہ تھا۔ ابن خطل شاعر (جو بنو تمیم بن غالب سے تھا) سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ہجو بنا کر ان کو یاد کرا دیتا تھا اور وہ اس کو گا کر مشرکین سے داد و تحسین اور انعام و اکرام لیا کرتی تھیں۔ فتح مکہ سے چند دن پہلے مکہ سے مدینہ آئیں اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے اور حضورؐ کے مابین یہ گفتگو ہوئی۔

رسولِ اکرمؐ : کیا تو اسلام قبول کرنے آئی ہے ؟

سارہ : نہیں۔

رسولِ اکرمؐ : پھر کیوں ؟

سارہ : حضور میرے مالک اور آقا کی اولاد ہیں۔

رسولِ اکرمؐ : صاف صاف کہہ

سارہ : میں مفلسی کے شکنجے میں پھنسی ہوئی ہوں۔

رسولِ اکرمؐ : ما کان فی غنائک ما یغنیک

سارہ : جب سے میرے بعض مہربان سردار بدر میں مارے گئے قریش نے گانے بجانے میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔

رسولِ اکرمؐ : اب تیری کیا غرض ہے۔

سارہ : صلۂ رحم اور نقد و جنس کی صورت میں امداد

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر رحم آ گیا اور آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو ان کی مدد کرنے کی ترغیب دی۔ صحابہ کرامؓ نے کپڑے اور نقدی وغیرہ کی صورت میں کافی

امداد فراہم کردی اور زادِ راہ اور سواری کا بندوبست بھی کر دیا۔ جب سارّہ مکّے کو روانہ ہونے لگیں تو حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے ان کو دس دینار دیئے اور ساتھ ہی ایک خط بعض سردارانِ قریش کے نام اِن کو دیا جس میں ان کو اطلاع دی تھی کہ مسلمان عنقریب مکّہ پر چڑھائی کرنے والے ہیں تم میرے اہل وعیال کی حفاظت کرنا۔ حضورؐ کو وحی کے ذریعے اس خط کا علم ہوگیا چونکہ آپؐ قریش کو اپنے ارادے سے بے خبر رکھنا چاہتے تھے، آپؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت مقدادؓ بن الاسود کو حکم دیا کہ سارّہ کا تعاقب کریں، وہ روضۂ خاخ کے مقام پر ان کو مل جائے گی، اس سے یہ خط چھین کر واپس آ جائیں۔ انہوں نے حضورؐ کے حسب ارشاد سارّہ کو روضۂ خاخ کے مقام پر جا پکڑا اور ان سے یہ خط طلب کیا۔ انہوں نے پہلے تو انکار کیا لیکن جب شمشیر برہنہ اپنے سر پر چمکتی دیکھی تو اپنے بالوں کے جوڑے سے خط نکال کر حضرت علی مرتضیٰؓ کے حوالے کر دیا۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکّہ فتح کیا تو سارّہ ان چند آدمیوں میں سے تھیں جن کو حضورؐ نے مباح الدم (واجب القتل) قرار دیا تھا۔ وہ کہیں روپوش ہوگئیں۔ چند دن بعد کسی کی سفارش پر حضورؐ نے ان کی سزائے موت منسوخ کر دی اور وہ اس کرم وعنایت سے متأثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوگئیں۔

(علامہ ابنِ اثیر نے لکھا ہے کہ وہ فتح مکّہ کے موقع پر حضرت علیؓ کے ہاتھ سے قتل ہوئیں لیکن ابنِ ہشام، ابوالفتح فتح الدین محمد صاحب عیون الاثر اور بعض دوسرے اہلِ سیَر نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ سارّہ فتح مکّہ کے بعد امان پا کر مسلمان ہوئیں اور یہی صحیح ہے)

بی بی سارّہؓ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں کسی سوار کے گھوڑے کی لپیٹ میں آگئیں اور اسی صدمے سے وفات پائی۔

حضرت سفانہ بنتِ حاتم رضؓ

عرب کے مشہورِ زمانہ سخی حاتم طائی کی بیٹی تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

سفّانہ بنتِ حاتم بن عبداللہ بن سعد بن حشرج بن امرءالقیس بن عدی بن ربیعہ بن جردل بن ثعل بن عمرو بن یغوث بن طے۔

قبیلہ طے یمن میں آباد تھا اور حاتم طائی اُس قبیلہ کا سردار تھا۔ اس نے اپنے قبیلے سمیت عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت سے چند سال پہلے حاتم طائی نے وفات پائی تو قبیلے کی سیادت پر اس کے فرزند عدی فائز ہوئے۔ ۹ھ میں حضورؐ نے ایک چھوٹا سا لشکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی قیادت میں بنو طے کی طرف بھیجا۔ عدی نے اس لشکر کی آمد کی خبر سُنی تو وہ اپنے اہل و عیال کو لے کر شام چلے گئے اور وہاں ایک بستی جوشیہ میں اقامت اختیار کر لی۔ گھر سے روانہ ہوتے وقت جو بھگدڑ مچی اس میں عدی کی بہن سفانہ ان سے بچھڑ گئیں اور اسلامی لشکر کے ہاتھ اسیر ہو گئیں۔ یہ لشکر مدینہ منوّرہ پہنچا اور سرورؐ کو حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو سفانہ نے آگے بڑھ کر عرض کی:

"اے صاحب قریش میں بے یار و مددگار ہوں۔ مجھ پر رحم کیجئے۔ باپ کا سایہ میرے سر سے اُٹھ چکا ہے اور بھائی مجھے تنہا چھوڑ کر بھاگ گیا ہے۔ میرے والد بنو طے کے سردار تھے، وہ بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے، یتیموں کی سرپرستی کرتے تھے، حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے

تھے، مظلوموں کی مدد کرتے تھے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچاتے تھے۔
میں اس حاتم طائی کی بیٹی ہوں جس نے کبھی کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دیا تھا اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے آزاد کر دیں۔"

حضورؐ نے سفانہ کی باتیں سن کر فرمایا: "اے خاتون جو اوصاف تو نے اپنے باپ کے بیان کیے ہیں یہ تو مسلمانوں کی صفات ہیں اگر تیرے والد زندہ ہوتے تو ہم ان سے اچھا سلوک کرتے۔" اس کے بعد آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا۔ "اس عورت کو چھوڑ دو یہ ایک معزز اور نیک خصلت باپ کی بیٹی ہے۔ کوئی معزز شخص ذلیل ہو جائے اور کوئی مالدار محتاج ہو جائے تو اس کے حال پر ترس کھایا کرو۔"

صحابہ کرامؓ نے سفانہ کو فوراً چھوڑ دیا لیکن وہ اپنی جگہ پر کھڑی رہیں۔ حضورؐ نے پوچھا: "کیوں اب کیا بات ہے۔"

سفانہ نے عرض کیا: "اے محمدؐ میں جس باپ کی بیٹی ہوں اس کو یہ کبھی گوارا نہ تھا کہ قوم مصیبت میں مبتلا ہو اور وہ سکھ کی نیند سوئے جہاں آپ نے مجھ پر کرم فرمایا وہاں میرے ساتھیوں پر بھی رحم فرمایئے اللہ آپ کو جزا دے گا۔"

حضورؐ سفانہ کی درخواست سے بڑے متاثر ہوئے اور آپؐ نے حکم دیا کہ سارے اسیران طے کو رہا کر دیا جائے۔

اس پر سفانہ کی زبان پر بے اختیار یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

"اللہ آپ کی نیکی کو اس شخص تک پہنچائے جو اس کا مستحق ہو۔ اللہ آپ کو کسی بدکیش اور بد طینت کا محتاج نہ کرے اور جس فیاض قوم سے کوئی نعمت چھن جائے اسے آپ کے ذریعے سے واپس دلائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سفانہ نے جب پہلی مرتبہ حضورؐ سے اپنی رہائی کے لیے درخواست کی تو منجملہ دوسری باتوں کے یہ بھی کہا کہ مجھ کو چھڑانے والا موجود نہیں ہے اس لیے آپ خود ہی مجھ پر احسان کیجئے۔ خدا آپ پر احسان کرے گا۔
حضورؐ نے پوچھا۔ "چھڑانے والا کون ؟"

انہوں نے جواب دیا: "عدی بن حاتم۔ میں اس کی بہن ہوں۔"
حضورؐ نے فرمایا: "وہی عدی بن حاتم جس نے خدا اور رسول سے فرار اختیار کیا۔"

سفانہ نے اثبات میں جواب دیا تو حضورؐ کوئی فیصلہ کیے بغیر تشریف لے گئے، دوسرے دن بھی سفانہ اور حضورؐ کے درمیان ایسا ہی مکالمہ ہوا، لیکن آپؐ نے کوئی فیصلہ صادر نہ فرمایا۔ تیسرے دن سفانہ نے پھر وہی درخواست کی۔ اس مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے بھی ان کی سفارش کی۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اب یہ درخواست قبول فرمالی اور سفانہ کو رہا کرنے کا حکم دیا ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ ابھی وطن جانے میں جلدی نہ کرو، جب یمن جانے والا کوئی معتبر آدمی مل جائے تو مجھے اطلاع دو۔

چند دن بعد یمن کے قبیلہ بلی یا قضاعہ کا ایک وفد مدینے آیا۔ سفانہ نے حضورؐ سے استدعا کی کہ اس وفد کی واپسی کے وقت مجھے اس کے ہمراہ بھیج دیجیے۔ چنانچہ حضورؐ نے سفانہ کے مرتبے کے مطابق سواری، لباس اور زادِ راہ کا انتظام کر کے انہیں قافلے کے ساتھ روانہ کر دیا۔

سفانہ کو علم تھا کہ عدی بن حاتم وطن سے بھاگ کر جوشیہ میں مقیم ہیں۔ چنانچہ حضورؐ سے رخصت ہو کر سیدھی جوشیہ پہنچیں۔ بہن اور بھائی کی ملاقات کیسے ہوئی، اس کو حضرت عدیؓ بن حاتم کے اپنے الفاظ میں سنیئے:

"ایک دن جوشیہ میں ہمارے گھر کے سامنے ایک سانڈنی آکر رکی۔ محمل میں ایک نقاب پوش عورت بیٹھی تھی مجھے شک گزرا کہ میری بہن ہے، لیکن پھر خیال آیا کہ اسے تو مسلمان اسیر کر کے لے گئے ہیں وہ اس شاندار انداز میں کیسے آسکتی ہے۔ معاً محمل کا پردہ اٹھا اور یہ الفاظ میرے کان میں پڑے، ظالم، قاطعِ رحم تف ہے تجھ پر، اپنے اہل وعیال کو لے آئے اور مجھ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا۔

بہن کی باتیں سن کر میں سخت شرمندہ ہوا۔ اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معافی مانگی۔ بہن خاموش ہو گئی۔ پھر سواری سے اتر کر جب کچھ دیر آرام کر چکی تو میں نے پوچھا، تم ہوشیار اور عاقلہ ہو، صاحبِ قریش سے مل کر تم نے کیا رائے قائم کی؟ بہن نے جواب دیا، جس قدر جلد ہو سکے تم ان سے ملو اگر وہ نبی ہیں تو ان سے ملنے میں سبقت کرنا شرف و سعادت ہے اور اگر بادشاہ ہیں تو بھی یمن کا کوئی فرمانروا ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ایک بادشاہ سے ملنے میں سبقت بھی تمہاری قدر و منزلت کا وسیلہ ہو گی۔"

سفانہؓ کے مشورہ کے مطابق حضرت عدیؓ مدینہ پہنچ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ ان کے بعد سفانہ رض بھی سعادت اندوزِ اسلام ہو گئیں۔

حافظ ابنِ حجر نے "الاصابہ" میں ان کے بارے میں لکھا ہے:

وکانت اسلمت واحسنت اسلامہا

وہ اسلام لائیں اور اسے حسن و خوبی سے نباہا

سالِ وفات اور زندگی کے دوسرے حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمامہ رضؓ بنتِ ابی العاص رضؓ

حضرت اُمامہؓ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں۔ والدہ حضرت زینبؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور والد ابو العاص رضؓ بن ربیع بن عبد العزیٰ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیؒ تھے جو اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حقیقی بھانجے تھے۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُمامہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے ایک دفعہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے ایک انگوٹھی حضورؐ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی حضورؐ نے فرمایا:

"یہ انگوٹھی میں اس کو دوں گا جو مجھے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔"

سننے والوں کا خیال تھا کہ یہ شرف حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حاصل ہو گا۔ لیکن حضورؐ نے حضرت اُمامہؓ کو بلایا اور وہ انگوٹھی ان کی انگلی میں پہنا دی (کیونکہ وہ کمسن تھیں) بعض روایتوں میں انگوٹھی کے بجائے زرّیں ہار کا ذکر ہے جو کسی نے ہدیۃً بھیجا تھا، حضورؐ نے حضرت اُمامہؓ کو بلا کر یہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت اُمامہؓ سے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ بعض اوقات انہیں اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے تھے۔ ایک دن آپؐ اس حالت میں مسجد پہنچے کہ حضرت اُمامہؓ دوشِ مبارک پر سوار تھیں۔ انتہائے محبت میں انہیں شانۂ مبارک سے نہ اتارا اور اسی طرح نماز پڑھنی شروع کر دی جب رکوع میں جاتے تو ننھی اُمامہؓ کو آہستہ سے اتار دیتے، جب کھڑے ہوتے تو پھر دوشِ مبارک پر بٹھا لیتے۔ اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی۔

حضرت زینبؓ نے ۸ھ ہجری میں وفات پائی تو حضرت اُمامہؓ شفیق نانا کی سرپرستی اور نگرانی میں آ گئیں۔ حضورؐ کے وصال (۱۱ھ) کے وقت حضرت اُمامہؓ سنِ شعور کو پہنچ چکی تھیں۔ کچھ عرصہ بعد حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے وفات پائی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت اُمامہؓ سے نکاح کر لیا۔ ۴۰ھ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے شہادت پائی تو ان کی وصیت کے مطابق مغیرہ بن نوفلؓ (ابن حارث بن عبدالمطلب) نے حضرت امام حسنؓ سے اجازت لے کر حضرت اُمامہؓ سے نکاح پڑھا لیا۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ بھی حضرت اُمامہؓ سے نکاح کرنے کے خواہشمند تھے۔ لیکن حضرت اُمامہؓ کا رجحان مغیرہ کی طرف تھا اس لیے امیر معاویہؓ کا پیغام ملنے پر انہوں نے خود مغیرہ کو اطلاع دی۔ وہ فوراً امام حسنؓ کے پاس

پہنچے اور ان کی اجازت سے حضرت اُمامہؓ سے بلا تاخیر نکاح پڑھا لیا (اس وقت ان کی عدت پوری ہو چکی تھی)۔

ایک روایت میں ہے کہ مغیرہ بن نوفلؓ کے صلب سے حضرت اُمامہؓ کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ لیکن بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ حضرت اُمامہؓ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت اُمامہؓ نے مغیرہ بن نوفلؓ کی زندگی ہی میں ان کے گھر وفات پائی۔ سالِ وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمُّ الہیثمؓ

ارباب سیر نے ان کے نام و نسب کی تصریح نہیں کی اور صرف کنیت ہی سے ان کا ذکر کیا ہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے "اصابہ" میں لکھا ہے کہ وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیہ تھیں اور مرثیہ گوئی میں ان کو خاص کمال حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضرت امامہؓ بنت ابوالعاص بیوہ ہوئیں تو ام الہیثم نے یہ شعر کہے:

اَشاب ذوابتی واذل رکنی	امامة حین فارقت القرینا
تطیف بہ لحاجتہا الیہ	ولما استیاست رفعت رنینا

(بال سفید ہو گئے اور قد جھک گیا۔ اے امامہ جب تیرے شوہر نے مفارقت کی۔ وہ اپنی حاجتوں کے وقت اس کے گرد پھرتی تھی لیکن جب مایوس ہو گئی تو رونا شروع کر دیا)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت پر کئی شعراء نے پُر درد مرثیے کہے ان میں سے ایک مشہور مرثیے کا مطلع یہ ہے:

الا یا عین ویحک اسعدینا	الا تبکی امیر المومنینا

بعض نے یہ مرثیہ الوالاسود کی طرف منسوب کیا ہے لیکن بعض کا قول ہے کہ یہ مرثیہ حضرت اُمّ الہیثمؓ نے کہا تھا۔ حضرت اُمّ الہیثمؓ کے مزید حالات نہیں ملتے۔

ایک راضی بہ رضا صحابیہ

نام معلوم نہیں، ایک روایت میں ہے کہ وہ انصار کے کسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ حبشیہ تھیں اور مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھیں۔ بدقسمتی سے وہ مرگی کے مرض میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ جب اس نامراد بیماری کا دورہ پڑتا تھا تو وہ بے ستر ہو جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

"یا رسول اللہ مجھے مرگی کا دورہ پڑتا ہے اور میں بے ستر ہو جاتی ہوں۔ میرے لیے دعا کیجیے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اگر تو صبر کرے تو اللہ تعالیٰ تجھے جنت میں جگہ دے گا اور اگر تو چاہے تو میں تیری صحت اور عافیت کے لیے دعا کروں۔"

انہوں نے عرض کیا: "یا رسول اللہ میں صبر کروں گی یہاں تک کہ اللہ پاک کے حضور پہنچوں لیکن اس بات کے لیے دعا فرمایئے کہ میں بے ستری سے محفوظ ہو جاؤں۔"

چنانچہ حضورؐ نے دعا فرمائی اور پھر دورے میں وہ کبھی بے ستر نہ ہوتیں۔ یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ مسند احمدؒ میں حضرت عطاءؒ سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے کہا، کیا میں تجھے ایک جنتی عورت نہ دکھا دوں؟ میں نے کہا، ضرور دکھلایئے، انہوں نے (ایک عورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا، وہ یہ کالے رنگ والی عورت ہے۔ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی۔ اس کے بعد اوپر والی روایت ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عطاءؒ سے اس روایت میں اتنا اضافہ بھی ہے کہ اُمّ زفرؓ نے اس عورت کو دیکھا، اس کا رنگ سیاہ اور قد طویل تھا اور وہ کعبہ کے غلاف سے چمٹی ہوئی تھی۔

مسند بزارؒ میں ہے کہ جب یہ خاتون حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا حال بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا۔ "اگر تو صبر کرے تو اس صبر کی بدولت تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گی کہ نہ تجھ پر کوئی گناہ ہوگا اور نہ تجھ سے کوئی حساب لیا جائے گا۔" اس پر انہوں نے صبر اختیار کیا، البتہ حضورؐ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جب مجھ پر بیماری کا دورہ پڑے تو بے ستری سے محفوظ رہوں۔" حضورؐ ان کے شیوۂ تسلیم و رضا سے خوش ہوئے اور ان کے بے ستری سے محفوظ رہنے کے لیے دُعا کی۔

حضرت عزہ بنتِ ابوسفیانؓ

قریش کے خاندان بنو امیہ سے تھیں۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

عزّہ بنتِ ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ اور امیر معاویہؓ کی ہمشیر تھیں۔

اہلِ سیر نے ان کے قبول اسلام کے زمانہ کی تصریح نہیں کی تاہم ان کی سعادت اندوزیٔ اسلام پر سب کا اتفاق ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہؓ نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: "یا رسول اللہ میری خواہش ہے کہ آپ میری بہن عزّہ کو بھی شرفِ زوجیت سے سرفراز فرمائیں۔"

(غالباً اس وقت حضرت اُمِّ حبیبہؓ کو معلوم نہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت کر دی ہے)

حضورؐ نے فرمایا: "کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو کہ تمہاری بہن تمہاری سوت بنے؟"

حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ میں اکیلی ہی تو آپ کی زوجہ نہیں ہوں۔ حضور کی اور ازواج بھی ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ میری بہن بھی حضورؐ کے شرفِ زوجیت سے بہرہ یاب ہو۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ایسا کرنا جائز نہیں۔"

ایک اور روایت میں حضورؐ سے یہ الفاظ منسوب ہیں:

"عزّہ میری سالی ہے اور بیوی کی زندگی میں اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں۔"

حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے عرض کیا، ہم نے تو سنا ہے کہ آپ ابو سلمہؓ کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حضورؐ نے (تعجب اور حیرت سے) فرمایا، ابو سلمہؓ کی بیٹی سے؟ حضرت اُمِّ حبیبہؓ نے کہا، جی ہاں، حضورؐ نے فرمایا: "وہ اگر میری ربیبہ نہ ہوتی تو بھی مجھ پر حلال نہ تھی۔ وہ تو میری رضاعی بھتیجی ہے کیونکہ میں نے اور (اس کے باپ) ابو سلمہؓ نے ثویبہؓ کا دودھ پیا ہے۔"

حضرت عزّہؓ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت زینبؓ بنتِ عوّام

قریش کے خاندان بنو اسد بن عبد العزّیٰ سے تھیں، سلسلۂ نسب یہ ہے:

زینبؓ بنت عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیؒ۔
حواریٔ رسولؐ حضرت زبیرؓ بن العوام ان کے بھائی تھے اور اُمّ المومنین
حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ پھوپھی تھیں۔

اپنے بھائی حضرت زبیرؓ کے ساتھ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ کہا جاتا ہے
کہ وہ شعر و شاعری میں خاصی درک رکھتی تھیں۔ جنگِ جمل کے موقع پر حضرت
زبیرؓ نے شہادت پائی تو انہوں نے ایک پُر درد مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار
یہ ہیں:

قتلتم حواریؐ النبی وصہرہٗ	تم نے نبیؐ کے حواری اور ہم زلف کو قتل
وصاحبہ فاستبشروا بجحیم	کیا پس تم کو جہنم کی بشارت ہو۔
وقد ھزنی قتل ابن عفان قبلہ	اس سے پہلے عثمانؓ کی شہادت کا صدمہ
وجاءت علیہ عبرتی بسجوم	سہہ چکی ہوں اور اس پر آٹھ آٹھ آنسو رو چکی ہوں
اعینی جودا بالدموع وافرغا	اے میری آنکھو اب آنسو بہاؤ اس مردِ
علی رجل طلق الیدین کریم	سخی فراخ دست پر۔

حضرت زینبؓ کا سالِ وفات اور مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت عزّہؓ بنتِ خائل

اہلِ سیر نے ان کے حسب و نسب کی تصریح نہیں کی۔ طبرانیؒ نے ان سے
روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپؐ
نے ان باتوں پر مجھے بیعت فرمالیا۔
زنا کی مرتکب نہ ہونا۔
چوری نہ کرنا اور اولاد کو زندہ درگور نہ کرنا نہ چھپ کر نہ ظاہر۔

عزہؓ کہتی ہیں کہ ظاہراً زندہ درگور کرنا تو میں سمجھ گئی لیکن چھپ کر زندہ درگور کرنا میری سمجھ میں نہ آیا، نہ میں نے حضورؐ سے اس کا مطلب پوچھا اور نہ آپؐ نے اس کی وضاحت فرمائی۔ لیکن میرے دل میں اس کا مطلب اس طرح آیا کہ اولاد کو کسی طرح خراب نہ کروں (یعنی اس کی پرورش اور نگہداشت اچھی طرح کروں) اور بچے کو (جان بوجھ کر) ضائع نہ کروں۔

حضرت عزہؓ بنتِ خائل کے اسی قدر حالات معلوم ہیں۔

حضرت امیمہؓ بنتِ رقیقہ

اہلِ سیر نے ان کے حسب و نسب کی تصریح نہیں کی۔ حضرت عبداللہؓ بن عمروؓ بن العاص سے روایت ہے کہ امیمہؓ بنتِ رقیقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کا شرف حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوئیں۔ حضورؐ نے ان سے فرمایا، میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، چوری نہ کرنا، زنا نہ کرنا، اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ غیر کی اولاد کو اپنی اولاد نہ بتانا، نوحہ نہ کرنا اور بے پردہ باہر نہ نکلنا۔

ایک اور روایت میں خود حضرت امیمہؓ بنتِ رقیقہ کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ میں چند خواتین کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئی اور آپ سے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم آپ سے ان باتوں پر بیعت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں گے، بدکاری نہ کریں گے، چوری نہ کریں گے، کسی پر بہتان نہ لگائیں گے اور کسی بھلے کام میں آپؐ کی نافرمانی نہ کریں گے۔

حضورؐ نے فرمایا، یہ بھی کہو کہ جہاں سے ہم تک ہو سکے گا اور ہم میں

طاقت ہوگی۔ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہم سے زیادہ ہمارے نفسوں پر رحم کرنے والا ہے۔ پھر ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ اپنا ہاتھ بڑھایئے تاکہ ہم بیعت کریں۔

حضورؐ نے فرمایا، میں عورتوں سے ہاتھ مَس نہیں کرتا، میرا کہنا سَو عورتوں کے لیے بھی اسی طرح کافی ہے جس طرح ایک عورت کے لیے۔

حضرت امیمہؓ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے

حضرت آمنہ رضؓ بنتِ رقیش

قریش کے کسی قبیلے سے تھیں۔ بعد بعثت کے ابتدائی زمانے میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوئیں۔ جب ہجرت مدینہ کا اذن ہوا تو وہ اپنے بھائیوں یزیدؓ بن رقیش اور سعیدؓ بن رقیش کے ہمراہ ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں اور پھر ساری زندگی وہیں گزاری۔

مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

حضرت سلمیٰ رضؓ بنتِ زارع بن عروہ

علامہ واقدی نے ان کو صحابیات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے کفّار کے خلاف کئی معرکوں میں حصّہ لیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی یا بیماروں کی تیمارداری کی خدمت انجام دی۔ سنہ ۱۶ھ میں جنگِ شحورا میں شریک ہوئیں اور ایسی دلاوری سے لڑیں کہ کفّار کا منہ پھیر دیا۔ مزید حالات معلوم

نہیں ہو سکے۔

حضرت سبیعہ اسلمیہ رض

حارث اسلمی کی بیٹی تھیں۔ ان کا نکاح مشہور صحابی حضرت سعیدؓ بن خولہ سے ہوا۔ وہ سابقین اسلام میں سے تھے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کی ہجرت سے مشرف ہوئے۔ بدر، اُحد، احزاب اور حدیبیہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔ حجۃ الوداع میں حضورؐ کے ساتھ مکہ آئے اور چند دن بیمار رہ کر وفات پائی۔ مکہ میں ان کے وفات پانے سے حضورؐ کو بہت صدمہ ہوا، کیونکہ آپ مہاجرین کے لیے مکہ میں مرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ ان کی وفات سے دو دن بعد حضرت سبیعہ رض کے بطن سے ایک اولاد ہوئی جو چند دن بعد فوت ہو گئی۔ حضرت سبیعہ رض سے روایت ہے کہ جب میں نفاس سے پاک ہوئی تو میں نے زیب و زینت کر لی۔ ابوالسنابلؓ بن بعکک (جو قبیلہ عبدالدار سے تھے) میرے گھر آئے اور کہا، معلوم ہوتا ہے کہ تم نکاح (ثانی) کا ارادہ رکھتی ہو۔ واللہ جب تک چار ماہ دس دن نہ گزر لیں تو نکاح نہیں کر سکتی۔ میں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپؐ سے اس بارے میں شرعی حکم پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا، بچے کی ولادت کے ساتھ تیری عدت پوری ہو گئی حضرت سبیعہ رض کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

حضرت اُمِّ حصین رض

امام مسلمؒ نے حضرت اُمّ حصینؓ کو صحابیات میں شمار کیا ہے اور ان سے روایت کی ہے کہ میں نے اسامہؓ اور بلال رض کو دیکھا کہ ان میں سے ایک (بلالؓ)

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑ رکھی تھی اور دوسرے (اسامہؓ) نے آپؐ کے سر پر کپڑا تان رکھا تھا (سایہ کے لیے) جب کہ آپؐ جمرۂ عقبہ پر کنکریاں مار رہے تھے۔

حضرت سلامہؓ بنتِ حرؓ

امام احمد حنبلؒ، امام ابو داؤدؒ اور امام ابن ماجہؒ نے ان کو صحابیات میں شمار کیا ہے اور ان سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی (علامت) یہ ہے کہ لوگ امامت سے گریز کریں گے اور کوئی ان کو نماز پڑھانے والا نہ ملے گا۔

حضرت یُسیرہؓ بنتِ صفوان

صحابیاتِ مہاجرات میں سے ہیں۔ ان سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں۔ کلمات تسبیح کو انگلیوں پر گننے کی مشہور روایت انہی سے مروی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ اور سبحان الملک القدوس یا سبوح قدوس ربنا رب الملٰئکۃ والروح پڑھنے کو اپنے اوپر لازم سمجھو اور اپنی انگلیوں پر گنو اس لیے کہ انگلیوں سے پوچھا جائے گا اور یہ جواب دیں گی اور اس میں غفلت نہ کرنا ورنہ خدا کی رحمت تم کو بھلا دے گی۔ (ترمذی و ابو داؤد)

بنتِ عبداللہؓ بن ثابت

نام معلوم نہیں۔ حضرت ابو الربیع عبداللہؓ بن ثابت انصاری کی صاحبزادی تھیں اور شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔ مسند ابوداؤد میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن ثابت بیمار ہوئے تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ بے ہوش تھے، حضورؐ نے آواز دی لیکن ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا "افسوس، ابو الربیع اب تم پر ہمارا زور نہیں چلتا" یہ سن کر گھر کی عورتوں میں کہرام مچ گیا اور وہ رونے لگیں۔ لوگوں نے روکا تو آپؐ نے فرمایا۔ "اس وقت رونے دو۔ ہاں مرنے کے بعد نہیں رونا چاہیئے۔ حضرت عبداللہؓ کی صاحبزادی نے عرض کیا، یا رسول اللہ مجھ کو ان کی شہادت کی امید تھی کیونکہ جہاد کے لیے پوری تیاری کرلی تھی، حضورؐ نے فرمایا، ان کو نیت کا ثواب مل چکا۔

مزید حالات نہیں مل سکے۔

بنو تمیم کی ایک خیر خواہِ قوم صحابیہ

عرب میں ایک مقام دہنا ہے۔ عہدِ رسالت میں اس کے ایک طرف بنو تمیم آباد تھے اور دوسری طرف بکر بن وائل کا قبیلہ قیام پذیر تھا۔ ایک دفعہ بکر بن وائل کے ایک صاحب حریث بن حسان نے بارگاہِ رسالت میں درخواست کی کہ دہنا کی زمین بکر بن وائل کو عطا کی جائے۔ حضورؐ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا اتفاق سے اس وقت وہاں بنو تمیم کی ایک خاتون بھی موجود تھیں۔ حضورؐ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ یوں عرض پیرا ہوئیں:

"یارسول اللہ بکر بن وائل جس زمین پر قابض ہونا چاہتے ہیں وہ اونٹوں اور بکریوں کی چراگاہ ہے اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتیں اور بچے بھی رہتے ہیں۔"

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیچاری سچ کہتی ہے۔ فرمان نہ لکھو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سے سب لوگ بلاتخصیص فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

ایک صحرانشین صحابیہ

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستے میں ایک پڑاؤ ملا جہاں کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا، تم کون ہو، انہوں نے عرض کیا "ہم مسلمان ہیں" تھوڑی دور ایک خاتون بیٹھی چولھا سلگا رہی تھیں اور ان کا ننھا بچہ قریب بیٹھا تھا۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو وہ خاتون بچے کو گود میں لے کر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کی:

"یارسول اللہ ایک ماں کو اپنے بچے سے جس قدر محبت ہے کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان نہیں ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا۔ "ہاں بے شک ہے۔"

انہوں نے کہا۔ "کوئی ماں تو اپنے بچے کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کرتی۔"

(ان کی مراد یہ تھی کہ اگر کوئی ماں اپنے بچوں کو آگ میں نہیں ڈال سکتی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نارِ جہنم کے حوالے کیسے کرے گا۔)

خاتون کی یہ بات سن کر سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے، پھر سر اٹھا کر

فرمایا: "اللہ صرف اس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکش اور متمرد ہے اور اس کو ایک نہیں کہتا۔"

ایک دوسری روایت میں صورتِ واقعہ یوں بیان کی گئی ہے کہ جب آگ کی لپٹ اٹھتی تو وہ خاتون اپنے بچے کو ایک طرف ہٹا لیتیں، انہوں نے پہلے حضورؐ کو نہیں دیکھا تھا تاہم شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو چکی تھیں۔ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: "رسول اللہ آپ ہی ہیں۔" حضورؐ نے فرمایا۔ "میں ہی ہوں۔"

انہوں نے کہا، "میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا خدا ارحم الراحمین نہیں۔" حضورؐ نے فرمایا، "بیشک ہے۔" انہوں نے عرض کیا، "کیا خدا اپنے بندوں پر زیادہ مہربان نہیں بہ نسبت ایک ماں باپ کے اپنے بچوں پر؟

فرمایا: "بے شک ہے۔"

انہوں نے کہا: "ایک ماں تو اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈال سکتی (اللہ جو ارحم الراحمین ہے اپنے بندوں کو آگ میں کیسے ڈالے گا۔)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سرِ اقدس جھکا لیا اور آپؐ پر گریہ طاری ہو گیا۔ پھر سر اٹھایا اور فرمایا۔ "اللہ اپنے بندوں میں کسی کو عذاب نہیں دے گا مگر صرف اس سرکش کو جس کی سرکشی اللہ کے ساتھ بھی قائم ہے اور جو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہنے پر تیار نہیں ہوتا۔

حضرت قتیلہ عبدریہؓ بنتِ نضر بن حارث

مشہور دشمنِ اسلام نضر بن حارث کی بیٹی تھیں۔ نضر قریش کے قبیلہ بنو عبدِ دار سے تھا اور مشرکینِ مکہ کے سرغنوں میں سے ایک تھا حضرت قتیلہؓ کو اللہ تعالےٰ

نے قبولِ اسلام کی توفیق دی اور وہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور ہوئیں۔ ان کو شعر و شاعری میں بھی درک حاصل تھی۔ غزوۂ بدر کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے نضر بن حارث کو قتل کر دیا اور قتیلہ کو باپ کے قتل کا علم ہوا تو انہوں نے ایک دلدوز مرثیہ باپ کے غم میں نظم کیا۔ جب یہ مرثیہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا تو آپ اتنا روئے کہ ریشِ مبارک بھیگ گئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضورؐ نے اس موقع پر فرمایا کہ اگر یہ اشعار اس سے پہلے میرے کانوں تک پہنچتے تو میں نضر کو قتل نہ کراتا۔

حضرت قتیلہؓ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

عفیرہؓ بنتِ غفار حمیری

علامہ واقدیؒ نے ان کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ انہوں نے کئی غزوات میں حصہ لیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں جنگِ شجورا (سنہ ۱۴ھ) اور جنگِ یرموک (سنہ ۱۵ھ) میں وہ بڑی بہادری سے رومیوں کے خلاف لڑیں۔ مزید حالات نہیں ملے۔

نعمؓ بنتِ قناص

سیرت کی بعض کتابوں میں ان کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھیں اور شعر و شاعری میں بھی خاصی درک رکھتی تھیں۔ واقدیؒ نے لکھا ہے کہ وہ کفار کے خلاف کئی معرکوں میں شریک ہوئیں اور جنگِ

یرموک میں دوسری خواتین کے ساتھ مل کر انہوں نے رومیوں کا اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ ان کا منہ پھیر دیا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے انتظامی صلاحیتوں سے بھی نوازا تھا چنانچہ بعض موقعوں پر اسلامی لشکر کی رسد کا اہتمام ان کے سپرد کیا گیا۔

مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت معاذہ رضؓ غفاریہ

قبیلہ "بنو غفار" سے تھیں اور شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں کئی غزوات میں شریک ہوئیں اور زخمیوں کی خبر گیری اور تیمار داری کی خدمت انجام دی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو طب اور جراحی میں خاص مہارت تھی۔

حضرت لبنیٰ رضؓ ابنت سوار

علامہ واقدیؒ نے ان کو صحابیات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے دشمنانِ اسلام کے خلاف کئی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ اور زخمیوں کی تیمار داری کی خدمت انجام دی۔ جنگ شحورا (سنہ ۱۴ھ) میں وہ مردوں کے دوش بدوش نہایت جانبازی سے لڑیں اور کئی رومیوں کو قتل کیا۔ مزید حالات نہیں ملے۔

حضرت کعیبہ رضؓ بنت سعد

عرب کے قبیلہ بنو اسلم سے تھیں اور شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔ غزوۂ خیبر میں چند دوسری خواتین کے ہمراہ شریک ہوئیں۔ وہ تیر اٹھا کر لاتی تھیں اور مجاہدین کو ستو پلاتی تھیں۔

مزید حالات نہیں ملے۔

قبیلۂ خثعم کی ایک صحابیہ

سنہ ۱۰ ہجری میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ یوم النحر کو مزدلفہ سے منیٰ آتے ہوئے حضورؐ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت فضل رضؓ بن عباسؓ کو اپنی سواری پر پیچھے بٹھا لیا۔ اثنائے راہ میں قبیلۂ خثعم کی ایک خاتون آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول، اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے ذمہ جو فریضۂ حج ہے اس نے میرے والد کو اس حالت میں پایا کہ وہ بہت ہی ضعیف العمر ہیں اور سواری پر بیٹھنا ان کے لئے ممکن نہیں اس لیے حج کرنے سے قاصر ہیں، کیا میں اُن کی طرف سے حج و عمرہ کر سکتی ہوں؟"

ارشاد ہوا: "ہاں اپنے باپ کی جانب سے حج و عمرہ کر۔"

اہلِ سیر نے ان صحابیہ کا نام و نسب بیان نہیں کیا۔

ایک غریب الوطن صحابیہ

مسندِ ابوداؤد میں سیدنا حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک صاحب ایک سیاہ فام لونڈی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "یا رسول اللہ مجھ پر ایک مومن غلام آزاد کرنا واجب ہو گیا ہے۔ کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر سکتا ہوں؟"

حضورؐ نے اس لونڈی سے پوچھا۔ "اللہ کہاں ہے؟"

اس نے انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

پھر حضورؐ نے پوچھا "میں کون ہوں؟"

اس نے پہلے آپؐ کی طرف اور پھر آسمان کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا یہ مطلب واضح ہو رہا تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس پر حضورؐ نے ان کو لانے والے صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے"

حضرت عفراءؓ بنت عبید انصاریہ

حضرت عفراء انصاریہؓ خزرج کی معزز ترین شاخ بنو نجار سے تھیں۔

سلسلۂ نسب یہ ہے:

عفراءؓ بنت عبید بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار

ان کا نکاح حارث بن رفاعہ سے ہوا ان کے صلب سے تین لڑکے معاذؓ، معوذؓ اور عوفؓ پیدا ہوئے۔

ان تینوں کا شمار سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مخلص اور جاں نثار صحابہ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر میں پہلے یہی تینوں بھائی عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کے مقابلے کے لئے نکلے لیکن حضورؐ نے ان کو واپس بلا لیا۔ اس کے بعد عین معرکہ کارزار میں حضرت معاذؓ اور معوذؓ نے ابوجہل پر حملہ کیا اور اس کو مہلک زخم پہنچائے۔ یہ یہ تینوں بھائی ماں کے نام کی نسبت سے ابناء عفراء مشہور ہوئے۔

علامہ زرقانیؒ نے شرح مواہب میں حافظ ابن حجرؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حارث بن رفاعہ ہجرت نبوی سے بہت پہلے وفات پا گئے تھے ان کے بعد حضرت عفراءؓ نے ابی بکیر یا بکیر بن عبد یالیل لیثی سے نکاح کر لیا تھا۔ ان کے صلب سے

چار بیٹے پیدا ہوئے، ایاسؓ، عامرؓ، خالدؓ اور عاقلؓ۔ ان چاروں کو سابقون الاولون میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ غزوۂ بدر میں یہ چاروں بھائی اپنے تین اخیافی بھائیوں معاذؓ، معوّذ اور عوفؓ کے ساتھ شریک تھے۔ گویا ان خوش قسمت خاتون (حضرت عفراءؓ) کے سات بیٹوں کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا حضرت عفراءؓ کے اس شرف میں کوئی اور خاتون ان کی شریک و سہیم نہیں ہے۔

زرقانیؒ کی روایت کی صحت کے بارے میں وثوق کے ساتھ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ عام روایتوں میں یہ بات تواتر کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ غزوۂ بدر (۲ھ) کے موقع پر حضرت معاذؓ اور حضرت معوّذؓ نوجوان تھے۔ اگر زرقانیؒ کی روایت کو من وعن درست تسلیم کیا جائے تو پھر وہ نوجوان نہیں بلکہ ادھیڑ عمر کے ٹھہرتے ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت عفراءؓ نے پہلے ابی بکیر (یا بکیر) سے نکاح کیا ہو اور اس کی وفات کے بعد حارث بن رفاعہ کے نکاح میں آئی ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت عفراءؓ کے مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت اُمّ سنانؓ

مشہور صحابی حضرت ابو سنانؓ بن محصن کی اہلیہ تھیں۔ نام ونسب کا علم نہیں۔ ان کے فرزند حضرت سنانؓ بھی حضورؐ کے نہایت مخلص صحابہؓ میں تھے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو اُمّ سنانؓ سے پوچھا۔ "تو ہمارے ساتھ حج پر کیوں نہ گئی۔" انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ میرے پاس سواری نہیں تھی۔" حضورؐ نے فرمایا۔

"رمضان میں عمرہ کر لیجیو کہ رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے۔" ایک اور روایت میں حضورؐ سے یہ الفاظ منسوب ہیں۔ "رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے" (آتیہ ہیں)

حافظ ابنِ عبدالبرؒ نے "عِقدالفرید" میں ایک صحابیہ اُمِّ سنانؓ بنت جشیمہ بن خرشہ مذحجی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ انہوں نے جنگِ صفین میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کا ساتھ دیا تھا۔ معلوم نہیں یہ اُمِّ سنان ابوسنانؓ کی بیوہ تھیں یا کوئی اور صحابیہ تھیں۔

ایک گمنام صحابیہؓ

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے راستے میں آپؐ نے دیکھا کہ ایک خاتون ایک قبر کے پاس بیٹھ کر (دھاڑیں مار مار کر) رو رہی ہیں۔ آپؐ رک گئے اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: "صبر کرو صبر کرو" وہ خاتون آپؐ کو پہچانتی نہ تھیں، تلخی کے ساتھ بولیں، "جاؤ جاؤ تم کو کیا معلوم کہ مجھ پر کیا بیت رہی ہے۔" حضورؐ خاموشی سے آگے تشریف لے گئے۔ لوگوں نے خاتون سے کہا، یہ رسول اللہؐ تھے، تو نے نہیں پہچانا؟ وہ یہ سن کر سناٹے میں آگئیں رونا دھونا بھول گئیں اور دوڑتی ہوئی حضورؐ کی خدمت میں گئیں اور عرض کی:

"یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں حضورؐ کو پہچانتی نہ تھی اس لیے مجھ سے گستاخی ہوئی، اللہ کے لیے مجھے بخش دیجیے۔"

حضورؐ نے بڑی نرمی کے ساتھ فرمایا:

"صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے۔"

حضرت معاذہ رضؓ بنتِ عبداللہ

معاذہؓ نام ۔ مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں ۔ نسب نامہ یہ ہے :

معاذہؓ بنتِ عبداللہ بن جریر الضریر بن اُمیہ بن حدادہ بن حارث بن خزرج ۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کی کنیز تھیں ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فطرتِ صالح عطا کی تھی ۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہوگئیں اور حضورؐ کی بیعت کی سعادت بھی حاصل کی ۔ عبداللہ بن اُبی ان پر طرح طرح کے ظلم کرتا تھا اور ان کو بدکاری پر مجبور کرتا تھا لیکن وہ پاکدامنی کی زندگی گزارنے پر مصر تھیں ۔ بالآخر قرآنِ حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی :

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۔ (سورۂ نور ، آیت ۳۳)

(اور اپنی لونڈیوں کو جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں ۔ دنیا کے عارضی فائدے کے لیے حرام کاری پر مجبور نہ کرو)

تو حضرت معاذہؓ کو عبداللہ بن اُبی کے پنجۂ استبداد سے رہائی نصیب ہوئی ۔

ان کا پہلا نکاح سہلؓ بن قرظہ سے ہوا ۔ ان کے صلب سے ایک لڑکا عبداللہ اور ایک لڑکی اُمِّ سعید پیدا ہوئی ۔ سہل کے انتقال (یا ان کے طلاق دینے) کے بعد وہ حمیر بن عدی کے عقدِ نکاح میں آئیں ۔ ان کے صلب سے حارث اور عدی دو لڑکے اور اُمِّ سعد ایک لڑکی پیدا ہوئی ۔ حمیر بن عدی نے کسی وجہ سے طلاق دے دی تو عامر بن عدی سے شادی ہوئی ۔ ان کے صلب سے ایک لڑکی اُمِّ حبیب پیدا ہوئی ۔

حافظ ابنِ عبد البرؒ نے لکھا ہے کہ وہ ایک فاضلہ مسلمان خاتون تھیں۔ مزید حالات نہیں ملتے۔

حضرت مسیکہؓ و حضرت امیمہؓ

یہ دونوں بھی رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی لونڈیاں تھیں اور وہ ان کو بدکاری پر مجبور کرتا تھا۔ ہجرتِ نبوی کے بعد ان دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور عبداللہ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ نے برافروختہ ہو کر دونوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ان کی مظلومی کا علم ہوا تو انہوں نے دونوں کو اپنے زنان خانہ میں چھپا دیا۔ اس پر عبداللہ بہت سیخ پا ہوا اور صدیق اکبرؓ سے کہنے لگا کہ آپ کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ ہماری لونڈیوں کو بہکائیں اور پناہ دیں۔ صدیق اکبرؓ نے اس کی ایک نہ سُنی، اس وقت قرآنِ حکیم کی آیت وَلَا تُکْرِھُوْا فَتَیٰتِکُمْ عَلَی الْبِغَآءِ ------ نازل ہوئی اور حضرت مسیکہؓ اور امیمہؓ اسلام کی بدولت عبداللہ کے پنجۂ ستم سے آزاد ہو گئیں۔

ان دونوں کے شرفِ صحابیت پر اہلِ سیر کا اتفاق ہے۔

مزید حالات معلوم نہیں ہوئے۔

حضرت سلمیٰ انصاریہؓ

انصار کے قبیلہ بنو عدی بن نجار سے تھیں اور ابوداؤدؒ کے قول کے مطابق دور کے رشتہ سے حضورؐ کی خالہ ہوتی تھیں۔ انہوں نے حضورؐ کے ساتھ دونوں

قبلوں (بیت المقدس اور بیت اللہ) کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں انصار کی چند خواتین کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور ان شرائط پر آپؐ کی بیعت کی کہ :

۱۔ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

۲۔ چوری نہ کریں۔

۳۔ بدکاری نہ کریں۔

۴۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں۔

۵۔ کوئی ایسا بہتان نہ باندھیں جس کو اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان گھڑیں (یعنی غیر کی اولاد کو اپنی حقیقی اولاد بتائیں)

۶۔ کسی بھلے کام میں حضورؐ کی نافرمانی نہ کریں۔

۷۔ اپنے شوہروں سے کھوٹ کپٹ نہ کریں۔

بیعت کرنے کے بعد ہم واپس ہوئیں تو میں نے ایک عورت سے کہا کہ حضورؐ کی خدمت میں واپس جا اور دریافت کر کہ شوہر کے ساتھ کھوٹ کپٹ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ چنانچہ اس نے واپس جا کر حضورؐ سے یہ بات پوچھی تو آپؐ نے فرمایا، اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کا مال لے کر کسی غیر کو دینا۔

حضرت سلمٰیؓ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

حضرت سودہؓ

اُمُّ المومنین حضرت سودہؓ بنتِ زمعہ کے علاوہ مکہ میں سودہ نام کی ایک اور خاتون بھی قریش کے کسی قبیلے سے تھیں ان کو بھی ہجرتِ نبوی سے پہلے قبولِ اسلام اور صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے شوہر فوت ہو گئے تھے اور وہ

بیوگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔

ایک دفعہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کا ارادہ فرمایا۔

انہوں نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ آپؐ مجھ کو ساری دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہیں مگر میرے پانچ بچے ہیں۔ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ وہ آپ کے سرہانے روئیں چلائیں۔"

حضورؐ نے ان کی بات کو پسند فرمایا، تعریف کی اور ان سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔

حضرت غُزیَّہؓ

حضرت غُزیّہؓ نواحِ مکہ کے صحرائی علاقے کی رہنے والی ایک بدویہ خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت صالح فطرت سے نوازا تھا۔ بعدِ بعثت کے ابتدائی زمانے میں ان کے کانوں میں جونہی دعوتِ حق کی آواز پڑی، انہوں نے اس پر لبیک کہا۔ مشہور محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب "رسولِ اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں محمد بن حبیب البغدادی (متوفی ۲۴۵ھ) کی تصنیف "المحبَّر" کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ خاتون مسلمان ہونے کے بعد قریش کی عورتوں میں تبلیغ کرنے لگیں۔ چونکہ یہ اصل میں قریشی نہ تھیں بلکہ صحرانشین بدوَن تھیں اس لیے انہوں نے ان کو خارج البلد کرنا کافی سمجھا۔ چنانچہ ان کو ایک قافلے کے سپرد کیا گیا کہ قید و بند کی حالت میں ان کے قبیلے میں پہنچا دیا جائے۔ قافلے والوں نے انہیں ایک اونٹ کی ننگی پیٹھ پر رسیوں سے باندھ دیا۔ حضرت غُزیّہؓ کا بیان ہے کہ انہوں نے مجھے ایک بار بھی کھانا پانی نہ دیا بلکہ منزل

میں اترتے تو ہاتھ پاؤں باندھ کر دھوپ میں ڈال دیتے۔ تین دن رات اس حالت میں گزرے تو میری حالت غیر ہوگئی اور مجھے کسی چیز کا ہوش نہ رہا۔ ایک رات میں اسی حالت میں پڑی تھی کہ یکایک غیب سے کوئی چیز آ کر منہ کو لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ پانی ہے اور واقعی یہ پانی تھا، میں نے سیر ہو کر پیا اور ہوش میں آ گئی۔ صبح لوگ اٹھے اور میری حالت کو بدلا ہوا اور بہتر پایا تو سمجھے کہ شاید رات کو میں نے قید و بند کو کسی طرح کھول کر قافلے کا پانی چوری سے پی لیا ہے۔ لیکن نہ تو میری رسیاں کھلی تھیں اور نہ مشکیزوں کے منہ۔ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ کوئی چوری نہیں ہوئی بلکہ محض خدا کا فضل اور تائیدِ غیبی ہوئی تو وہ سخت متاثر اور تائب ہوئے اور سب کے سب اسلام لائے۔

حضرت غُزیّہ کو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت اور محبت تھی، اسی کی بناء پر آیت اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ ان کے حق میں وارد ہوئی۔

حضرت غُزیّہؓ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے۔

بنتِ خبّابؓ بن ارتّ

جلیل القدر صحابی سادس الاسلام حضرت خبّابؓ بن الارتّ کی صاحبزادی تھیں اور خود بھی شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔ ابن سعدؒ نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میرے والد (حضرت خبّابؓ بن ارتّ) کو کسی غزوہ کے لیے گھر سے باہر جانا پڑا۔ گھر سے چلتے وقت وہ ہمارے پاس ایک بکری چھوڑ گئے اور کہہ گئے کہ جب تم اس بکری کا دودھ دوہنا چاہو تو اس کو اصحابِ صُفّہ کے پاس لے جانا۔ چنانچہ میں اس بکری کو اصحابِ صفہ کے پاس لے گئی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے آپؐ نے

اس بکری کو پکڑا اور اس کے پیر رسی سے باندھ دیئے۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے پاس جو سب سے بڑا برتن ہے وہ میرے پاس لے آؤ۔ میں گئی اور مجھے سوائے اس برتن کے جس میں آٹا گوندھا جاتا تھا اور کوئی برتن نہ ملا۔ میں اسی کو لے آئی۔ حضورؐ نے دودھ دوہا اور وہ برتن بھر گیا۔ آپؐ نے فرمایا، اس کو لے جاؤ خود بھی پیو اور پڑوسیوں کو بھی پلاؤ، جب تم اس بکری کا دودھ دوہنا چاہو اسے میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ میں صبح و شام اس بکری کو آپؐ کے پاس لے جاتی تھی اور آپؐ دودھ دُوہ دیتے تھے۔ دودھ کی کثرت نے ہمیں بہت آسودہ کر دیا۔ جب میرے والدؓ واپس آئے اور اس بکری کو دوہا تو وہ اپنے دودھ کی پہلی مقدار پر لوٹ آئی، میری والدہ نے ان سے کہا، آپ نے تو اس بکری کو خراب کر دیا۔ انہوں نے پوچھا، کیا بات ہے، ماں نے کہا یہ بکری تو تغار بھر کر دودھ دیتی تھی۔ والد نے پوچھا، کون دوہا کرتا تھا، میری والدہ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میرے والد نے کہا کہ مجھے حضورؐ کے برابر سمجھ رہی ہو، خدا کی قسم آپؐ کا دستِ مبارک میرے ہاتھ سے کہیں زیادہ برکت والا ہے۔

حضرت خبابؓ بن الارت کی صاحبزادی کے مزید حالات معلوم نہیں ہوئے

حضرت قریرہؓ و حضرت غفیلہؓ

حضرت قریرہؓ بنت حارث عنواریہ اور حضرت غفیلہؓ بنت عبید بن الحارث دونوں صحابیات مہاجرات میں سے ہیں۔ اوّل الذکر، مؤخر الذکر کی والدہ تھیں۔ حضرت غفیلہؓ سے روایت ہے کہ میں اور میری والدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپؐ سے بیعت کی۔ حضورؐ اس وقت

ایک پتھریلے میدان میں ایک خیمہ کے اندر رونق افروز تھے۔ آپؐ نے ہم سے اس بات پر بیعت لی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی نیز ان باتوں پر جن کا سورۂ ممتحنہ کے آخری رکوع میں ذکر ہے۔ ہم نے ان سب باتوں کا اقرار کیا اور اپنے ہاتھ بیعت کرنے کے لیے آگے بڑھائے، آپؐ نے فرمایا، میں عورتوں کے ہاتھوں کو نہیں چھوتا۔ اس کے بعد آپؐ نے ہم لوگوں کو مغفرت کی دعا دی۔ یہ تھی ہم عورتوں کی بیعت۔

حضرت قریرہؓ اور حضرت غفیلہؓ کے مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے

حضرت جذامہؓ بنتِ جندل

ہجرتِ نبوی سے چند سال پہلے سعادت اندوزِ اسلام ہوئیں۔ جب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی تو وہ بھی دوسرے صحابہ اور صحابیات کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں اور پھر ساری زندگی وہیں گزاری —— مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ عتبہ

مکہ کے مشہور مشرک رئیس عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی تھیں۔ فتح مکہ کے موقع پر سعادت اندوزِ مسلمان ہوئیں۔ اور اپنی بہن ہندؓ بنت عتبہ کے ہمراہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام کا اقرار کیا۔ اور بیعت کی۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ فاطمہؓ بنت عتبہ نے حضورؐ سے ان باتوں پر بیعت کی جن کا تذکرہ سورۂ ممتحنہ کی آیات میں ہے کہ

شرک نہ کریں، بدکاری نہ کریں وغیرہ۔ ان کے ایک غلام ابوالسائب خبابؓ کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے وہ خبّاب مولائے فاطمہؓ بنتِ عتبہ کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرت فاطمہؓ بنتِ عتبہ کے مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

ایک بادیہ نشین صحابیہ

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے جاں نثاروں کی ایک کثیر جمعیت کے ہمراہ سفر میں تھے۔ اثنائے سفر میں آپؐ ایک ایسے علاقے سے گزرے جہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اہلِ لشکر نے پیاس کی شکایت کی تو حضورؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عمرانؓ بن حصین سے فرمایا۔ "تم دونوں اِدھر اُدھر گشت کر کے پانی کا سراغ لگاؤ۔" دونوں حسبِ ارشاد پانی کی تلاش میں نکلے۔ کچھ دور جا کر انہوں نے ایک بدویہ خاتون کو دیکھا جو اونٹ پر سوار تھیں اور انہوں نے اپنے پاؤں پانی کی دو مشکوں پر لٹکا رکھے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمرانؓ نے ان سے دریافت کیا "پانی کہاں سے لا رہی ہو۔"

انہوں نے جواب دیا۔ "پانی یہاں سے بہت دور ہے۔ پانی لا کر یہاں پہنچنے میں میرے آٹھ پہر گزر چکے ہیں۔"

دونوں صاحبوں نے کہا، "تم ہمارے ساتھ چلو۔"

خاتون نے پوچھا: "کہاں چلوں؟"

انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس۔"

بولیں، "وہ شخص جسے لوگ صابی (بے دین، معاذ اللہ) کہتے ہیں؟"

انہوں نے کہا، "ہاں جن کو مشرکین ایسا سمجھتے ہیں (معاذ اللہ)۔

اب وہ دونوں ان خاتون کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچے۔ آپؐ نے خاتون سے فرمایا۔ "اگر اجازت دو تو تمہاری مشکوں سے تھوڑا سا پانی لے لیں۔"

انہوں نے کہا۔ "لے لیں لیکن تھوڑا سا لینا، میں اسے بہت دور سے لائی ہوں اور یہاں تک پہنچنے میں بڑی مشقت اٹھائی ہے۔"

حضورؐ نے پہلے تو مشکوں کے بالائی منہ کھولے اور برتن میں تھوڑا تھوڑا پانی لے کر وہ منہ بند کر دیئے پھر نیچے کی طرف سے منہ کھول کر تھوڑا تھوڑا پانی نکالا اور حکم دیا کہ تمام لوگ یہاں آکر خود بھی پانی پئیں اور جانوروں کو بھی پلائیں۔ چنانچہ تمام صحابہ نے خود بھی سیر ہو کر پیا اور سواریوں کو بھی خوب پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پانی میں اتنی برکت دی کہ کثیر التعداد آدمیوں اور جانوروں کے سیراب ہونے کے باوجود دونوں مشکیں پہلے سے بھی زیادہ لبریز معلوم ہوتی تھیں۔ وہ خاتون یہ منظر دیکھ کر انگشت بدنداں ہو گئیں۔

اب حضورؐ نے حکم دیا کہ اس عورت کے لیے کچھ کھانے کا سامان لاؤ۔ صحابہ کرامؓ نے فوراً بہت سا خوردنی سامان (کھجوریں، ستو آٹا وغیرہ) جمع کیا اور حضورؐ کے ارشاد کے مطابق ایک کپڑے میں باندھ کر خاتون کے اونٹ پر رکھ دیا۔ پھر حضورؐ نے خاتون سے فرمایا۔ "تم اب جاؤ اور یہ چیزیں اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔"

جب وہ چلنے لگیں تو مزید ارشاد ہوا۔ "دیکھ لو تمہاری مشکیں پانی سے بدستور لبریز ہیں۔ لشکر نے جو پانی پیا ہے وہ اسے اللہ نے پلایا ہے۔ وہ خاتون گھر پہنچیں تو گھر والوں نے پوچھا۔ "تم نے معمول کے خلاف پانی لانے میں اتنی دیر کیوں کی؟"

انہوں نے کہا "راستے میں مجھے دو آدمی ملے جو مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں۔ اس نے مشکوں کا منہ کھول کر جانوروں سمیت اپنے سارے لشکر کو پانی پلایا لیکن میرے پانی میں کوئی کمی نہ آئی۔ خدا کی قسم دنیا میں اس شخص سے بڑھ کر کوئی جادوگر (معاذ اللہ) نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ

کا رسول ہی ہو جیسا کہ اس کے ساتھی اس کو کہتے ہیں۔" اگرچہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادیہ نشین خاتون کو ان کے پانی کا صلہ دے دیا تھا تاہم صحابہ کرامؓ پر ان کے احسان کا یہ اثر تھا کہ جب کبھی اس علاقے کے مشرکین سے جنگ آزما ہوتے تو ان (خاتون) کے قبیلے کو چھوڑ دیتے تھے۔ وہ صحابہ کرامؓ کی اس منت پذیری سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے تمام اہلِ قبیلہ کو جمع کیا اور ان سے کہا۔ "تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے ساتھ کس قدر رعایت کرتے ہیں یہ محض اس بنا پر ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کو تھوڑا سا پانی پلایا تھا۔ ان کی یہ احسان شناسی اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ نہایت اچھے لوگ ہیں اور ان کا سردار خدا کا سچا رسول ہے۔ میری مانو تو ہم سب بھی ان میں شامل ہو جائیں اور ان کے رسول پر ایمان لے آئیں۔"

تمام اہلِ قبیلہ نے ان کی رائے پر صاد کیا اور سب کے سب سعادت اندوزِ اسلام ہو گئے۔

حضرت اُمِّ رعلہ قشیریہ رضؓ

بعض روایتوں میں ان کی فصاحت و بلاغت کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماءؓ انصاریہ کی طرح جب وہ بیعت کے لیے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے حضورؐ سے استفسار کیا کہ "یا رسول اللہ ہمارے مرد تو جہاد فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کر لیتے ہیں لیکن ہم عورتوں کو وہ بالعموم گھروں میں چھوڑ جاتے ہیں، کیا ہم کو بھی مردوں کے اعمالِ نیک کا کچھ حصہ ملنے کی اُمید ہو سکتی ہے۔"

حضورؐ نے فرمایا: "اے زنانِ عرب، اگر تم اللہ کے ذکر سے غافل نہ

ہو گی، نامحرم کو نہ دیکھو گی اور نامحرم کو اپنی آواز نہ سناؤ گی تو تم ضرور اجر و ثواب پاؤ گی۔"

ایک روایت میں ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وہ حضرت حسینؓ کو گود میں لیے مدینہ کی گلیوں میں پھرتی رہتی تھیں اور جب سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے دروازے پر پہنچتی تھیں تو یہ شعر پڑھتی تھیں:

یادار فاطمۃ المعمور ساحتہا
ھیجب لی حزنا حییت من دار

(اے فاطمہ کے ہرے بھرے گھر
تم نے میرے غم کو برانگیختہ کیا خدا تجھے آباد رکھے)

حضرت امِ رعلہؓ کا سالِ وفات اور مزید حالات دستیاب نہیں ہوئے

تحریکِ اسلامی

کی

اخلاقی بنیادیں

سید ابو الاعلیٰ مودودی

دین میں امامت صالح کس طرح قائم کی جا سکتی ہے؟

● معاملاتِ دنیا میں زمامِ کار کی اہمیت ● اسلامی اخلاق کی خصوصیات اور اس کے اثرات ایمان، اسلام، تقویٰ اور احسان کی مفصل تشریح ● دین کا حقیقی اور گہرا شعور بخشنے کے لیے بے مثال کتاب.

مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۶

مہرِ فٹا ٹائٹل طباعت نیو کریسنٹ پرنٹرز